تصنیف لطیف

حضور مجدد الف ثانی قدس سرہ

رسائلِ مجدد الف ثانی

ترتیب

علامہ غلام مصطفےٰ مجددی ایم اے

علوم اسلامیہ پنجاب

قادری رضوی کتب خانہ۔ گنج بخش روڈ۔ لاہور

رسائلِ مجدّد الف ثانی

تصنیف لطیف

حضور مجدد الف ثانی قدس سرہ

ترتیب **علامہ غلام مصطفٰی مجددی ایم اے**
علوم اسلامیہ پنجاب

قادری رضوی کتب خانہ
گنج بخش روڈ، لاہور 042-7213575

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿فیضان رحمت﴾

غواص بحر معانی حضور شیخ الاسلام مجدد الف ثانی قدس سرہٗ

نام کتاب	رسائل مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ
نام مولف	علامہ غلام مصطفیٰ مجددی (ایم اے)
ایڈیٹنگ	محمد اکرام مجددی
کمپیوزنگ	حافظ محمد بلال مصطفیٰ مجددی
پروف ریڈنگ	غلام دستگیر مجددی
زیر نگرانی	چوہدری محمد خلیل قادری
تحریک	چوہدری محمد ممتاز احمد قادری
ناشر	چوہدری عبدالمجید قادری
تعداد	1100
اشاعت دوم	1430ھ/2009ء
صفحات	600
قیمت	-/300 روپے

ملنے کے پتے

مکتبہ حنفیہ گنج بخش روڈ لاہور

قادری رضوی کتب خانہ۔ گنج بخش روڈ۔ لاہور

Hello: 042-7213575, 0333-4383766

انتساب

بنام اقدس

شہنشاہ اقلیم ولایت، تاجدار ملک حقیقت
قیوم زمانی، عارف ربانی، غوث صمدانی

سیدنا مجدّدِ الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ

جن کی برکت سے

- ⊙…… برصغیر پاک وہند میں اسلام زندہ ہوا
- ⊙……ایمان کے اجالے بکھرے
- ⊙……عرفان کے پھول مہکے
- ⊙……وحدت کے چاند چمکے
- ⊙……حقیقت کے راستے کھلے
- ⊙……معرفت کے مشاہدے عام ہوئے

مجددی

رسائل مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

☆

ہدایت کے خزانے ہیں ، عنایت کے اجالے ہیں
معارف کے سمندر ، شیخ احمد کے رسالے ہیں
ہر اک عنواں چمکتا ہے رخ مہتاب کی صورت
ہر اک عرفاں مہکتا ہے گل شاداب کی صورت
گندھے انوار میں دین اور دنیا کے عقیدے ہیں
رموز قم باذن اللہ کے حامل جریدے ہیں
تجلّی طور کی ،موسیٰ کا عرفاں ، ان میں ظاہر ہے
مکان و لامکاں کا ذوق جاناں ان میں ظاہر ہے
قلم کی تابشوں نے بزم فکرت کو نکھارا ہے
مجدد کے تدبر نے حقیقت کو ابھارا ہے
جدھر دیکھو، شہود ذات کے جلوے بکھیرے ہیں
اُفق تا بہ اُفق حق کے سویرے ہی سویرے ہیں

غلام مصطفٰے مجددی

﴿آئینہ کتاب﴾

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
○	حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کردار و افکار	06
○	رسالہ اثبات النبوۃ	38
○	رسالہ رد روافض	107
○	رسالہ تہلیلیہ	180
○	رسالہ شرح رباعیات	204
○	رسالہ معارف لدنیہ	258
○	رسالہ مبداء ومعاد	371
○	رسالہ مکاشفات عینیہ	472
○	اربعین مجددی ﴿چہل حدیث﴾	563
○	اعتراف خدمات	583

……◉……

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

کردار و افکار

تحریر

﴿غلام مصطفےٰ مجددی، ایم اے﴾

فہرست مضامین

○ ابتدائی حالات 08
○ علم و فضل 11
○ فکر وعرفان 13
○ محبتِ رسول ﷺ 14
○ اتباع شریعت 15
○ احتیاط وتقوی 18
○ ذوق عبادت، شان مجاہدہ 20
○ شانِ تمکین 21
○ عزم و استقلال 22
○ تسلیم ورضا 23
○ حق گوئی 25
○ حسن ادب 27
○ عاجزی و انکساری 32
○ اوصافِ متفرقہ 33
○ ملفوظات 35

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

کردار و افکار

تحریر

غلام مصطفےٰ مجددی، ایم اے

فہرست مضامین

○ ابتدائی حالات 08
○ علم و فضل 11
○ فکر و عرفان 13
○ محبتِ رسول ﷺ 14
○ اتباع شریعت 15
○ احتیاط و تقوی 18
○ ذوق عبادت، شان مجاہدہ 20
○ شانِ تمکین 21
○ عزم و استقلال 22
○ تسلیم و رضا 23
○ حق گوئی 25
○ حسن ادب 27
○ عاجزی و انکساری 32
○ اوصافِ متفرقہ 33
○ ملفوظات 35

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

ابتدائی حالات:

قطب المجد دین، غوث الکاملین، غیاث العارفین، امام ربانی، سیدنا مجدد الف ثانی الشیخ احمد سرہندی ؒ ۹۷۱ھ کو ﴿بتاریخ ۱۴ شوال﴾ دار العرفان سرہند شریف میں پیدا ہوئے، ﴿زبدۃ المقامات: ۱۹۰﴾ آپ کا شجرہ نسب ۳۱ واسطوں سے خلیفہ ثانی، مراد رسول، حضرت فاروق اعظم ؓ سے جا ملتا ہے، ﴿مقامات خیر: ۳۳﴾ آپ کے والد ماجد مخدوم الاولیا حضرت شیخ عبد الاحد بلند پایہ عالم دین اور عظیم المرتبت صوفی تھے، الشیخ رکن الدین ؒ ﴿متوفی ۹۸۳ھ﴾ سے سلسلہ عالیہ قادریہ چشتیہ میں خلافت حاصل کی، ﴿زبدۃ المقامات: ۱۴۳﴾

حضرت مجدد الف ثانی ؒ نے بیشتر علوم اپنے والد گرامی سے حاصل کئے، ان کے علاوہ حضرت مولانا کمال کشمیری، حضرت مولانا یعقوب کشمیری اور قاضی بہلول بدخشی ؒ سے بھی علم حاصل کیا، ﴿جواہر مجددیہ: ۲۳﴾ ۹۹۸ھ میں آگرے کا سفر اختیار کیا، وہاں درباری علما شیخ ابو الفضل اور شیخ ابو الفیض فیضی سے تعلقات قائم ہوئے، یہ دونوں بھائی آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔

۱۰۰۸ھ میں زیارت حرمین کیلئے جا رہے تھے کہ راستے میں دہلی رکے، وہاں حضرت خواجہ خواجگان باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی، حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو اپنے پاس روک لیا چنانچہ آپ نے تین ماہ وہاں رہ کر وہ کچھ حاصل کیا جسے اور لوگ برسوں کے بعد بھی حاصل نہیں کر سکے تھے، حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کو اپنی مراد سمجھتے تھے، فرماتے ہیں:

''جب فقیر کے شیخ طریقت خواجہ املنگی رحمۃ اللہ علیہ نے فقیر کو ہندوستان جانے کا حکم دیا تو خود کو اس سفر کے لائق نہ دیکھتے ہوئے فقیر نے کچھ پس و پیش کیا، خواجہ موصوف نے استخارے کیلئے فرمایا، استخارہ کیا تو خواب میں دیکھا کہ ایک شاخ پہ طوطا بیٹھا ہے، دل میں یہ خیال آیا، اگر یہ طوطا شاخ سے اڑ کر ہاتھ پر آ بیٹھے تو اس سفر میں کچھ سہولت ہو جائے، معاً وہ طوطا اڑ کے فقیر کے ہاتھ پر آ بیٹھا۔ فقیر نے اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالا اور اس نے فقیر کے منہ میں شکر ڈالی، اس خواب کی تعبیر خواجہ موصوف نے یہ فرمائی کہ طوطا ہندوستانی جانور ہے، ہندوستان میں تمہارے دامن سے ایک ایسا عزیز وابستہ ہوگا جس سے عالم منور ہوگا اور تم بھی اس سے مستفیض ہو گے'' ﴿زبدۃ المقامات﴾

حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم و تربیت کے فیضان نے آپ کو ملت اسلامیہ کا پاسبان بنا دیا، آپ نے اپنی جرأت و استقامت سے اکبری و جہانگیری طوفانوں کے رخ موڑ دیئے اور کفرستان ہند میں اسلام کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دیا، اس بات پر مورخین کرام کا اجماع ہے کہ اگر آپ کی ذات مقدسہ سرزمین ہند میں جلوہ

افروز نہ ہوتی تو ”دین الٰہی“ کی تاریکی اسلام کے اجالوں کو چاٹ جاتی۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب لکھا ہے:

”آج جو مساجد میں اذانیں دی جارہی ہیں، مدارس سے قال اللہ تعالی وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دلنواز صدائیں بلند ہو رہی ہیں اور خانقاہوں میں جو ذکر و فکر ہو رہا ہے اور قلب و روح کی گہرائیوں سے جو اللہ کی یاد کی جاتی ہے یا لاالہ الا اللہ کی ضربیں لگائی جاتی ہیں تو ان سب کی گردنوں پر حضرت مجدد کا بار منت ہے، اگر حضرت مجدد اس الحاد وارتداد کے اکبری دور میں اس کے خلاف جہاد نہ فرماتے اور وہ عظیم تجدیدی کارنامہ انجام نہ دیتے تو مساجد میں اذانیں ہوتیں اور نہ مدارس دینیہ میں قرآن، حدیث، فقہ اور باقی علوم کا درس ہوتا اور نہ خانقاہوں میں سالکین و ذاکرین اللہ کے روح افزا ذکر سے زمزمہ سنج ہوتے الا ماشاء اللہ“

﴿سیرت مجدد الف ثانی، تقدیم صفحہ: ۱۰﴾

آپ قیومیت کے منصب اعلیٰ پہ فائز ہوئے، قطب الارشاد اور مجدد الف ثانی کے مقام بالا پر پہنچے، ہندوستان اور دیگر بلاد اسلامیہ میں آپ کا فیض ابر رحمت کی طرح برسا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے شمار ظاہری و باطنی خوبیوں سے مزین فرمایا تھا ۔

لیس علی اللہ بمستنکر

ان یجمع العالم فی واحد

ذیل کی سطور میں ہم آپ کے مختلف اوصاف و خصائل کا ذکر کرتے ہیں جنہیں پڑھ کر دل کے نہاں خانے سے یہ آواز نکلے گی ۔

بے مثال کی ہے مثال وہ حسن
خوبیِ یار کا جواب کہاں

علم وفضل:

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ علم وفضل میں اپنی مثال آپ تھے، حافظ قرآن تھے، اسرارِ قرآنی پہ زبردست عبور حاصل تھا، حروف مقطعات سے واقف تھے، فہم متشابہات سے مالا مال تھے، ﴿حضرات القدس: ۲/ ۶۸﴾ علم حدیث میں بہت بلند مقام حاصل تھا، خود فرماتے ہیں کہ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے مجھے طبقہ محدثین میں شامل کرلیا گیا ہو، ﴿زبدۃ المقامات: ۱۴۰﴾ مسائل فقہ میں پورے طور پر متحضر تھے اور اصول فقہ میں بھی بہت زیادہ مہارت رکھتے تھے، ﴿زبدۃ المقامات﴾ علم کلام میں تو مجتہد تھے، فرماتے ہیں: ''مجھے توسط حال میں ایک رات جناب پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم علم کلام کے ایک مجتہد ہو، اس وقت سے مسائل کلامیہ میں میری رائے خاص اور میرا علم مخصوص ہے'' ﴿مبداؤ معاد شریف﴾ آپ نے ''شاہق الجبل'' جیسے مسائل اپنے بصیرت افروز اجتہاد سے حل فرمائے اور بھی اجتہادات کلامیہ، مکتوبات شریفہ کے صفحات میں بکھرے پڑے ہیں، آپ کے خلیفہ حضرت علامہ ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ نے ارادہ بھی کیا کہ آپ کے اجتہادات کو اکٹھا کیا جائے، ﴿زبدۃ المقامات: ۳۵۵﴾ آپ کو آسمانوں کا علم حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے عطا فرمایا، حضرت خضر علیہ السلام نے علم لدنی سے نوازا، ﴿ایضاً﴾ آپ کو علم سے خصوصی لگاؤ تھا،

طلب علم کو صوفیانہ مجاہدات پہ ترجیح دیتے تھے، مولانا بدر الدین سے فرمایا کرتے: سبق لاؤ اور پڑھو جاہل صوفی تو شیطان کا مسخرہ ہوتا ہے، ﴿حضرات القدس: ۹۷﴾ آپ نے خود علم کی تلاش میں دور دراز کا سفر اختیار کیا، آگرے میں فیضی و ابوالفضل جیسے علما آپ کے علم و فضل کا لوہا مانتے تھے، علامہ ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ لکھا ہے:

> ''ایک دن حضرت مجدد ابوالفیض کے گھر آئے، وہ غیر منقوطہ تفسیر لکھنے میں مصروف تھا، جب اس نے آپ کو دیکھا تو خوش ہوا اور کہا: آپ خوب تشریف لائے، تفسیر میں ایک مقام آیا کہ اس کی تفسیر و تاویل غیر منقوطہ الفاظ کے ذریعے مشکل ہو گئی، میں نے بہت دماغ سوزی کی لیکن دل پسند عبارت دستیاب نہیں ہوئی، حضرت مجدد الف ثانی نے گو کہ بے نقط عبارت کی مشق نہیں کی تھی لیکن کمال بلاغت کیساتھ مطالب کثیرہ پر مشتمل ایک صفحہ لکھ دیا، جس سے وہ حیرت میں پڑ گیا۔'' ﴿زبدۃ المقامات: ۱۶۴﴾

ایک فاضلِ مکرم نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے کلمات طیبہ کے متعلق اہل زمانہ کے قیل و قال کو سنا تو کہا: حقیقت ہے کہ اس زمانہ کے لوگوں کے مزاج اور ان کی فطرت ان بزرگوار کے حقائق و دقائق کو سمجھنے کے لائق نہیں ہے، ان عزیز کو چاہئے تھا کہ اگلے زمانہ میں ہوتے کہ لوگ ان کے کلام کی قدر جانتے اور متاخرین ان کے کلام کو کتاب میں بطور استشہاد کے بیان کرتے، ﴿زبدۃ المقامات: ۶۹۲﴾

فکر و عرفان:

حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے جو آپ کو ”عرفان کا مجتہد اعظم“ قرار دیا ہے تو آپ کے رشحات قلم کا مطالعہ کرنے سے اس کی تصدیق ہو جاتی ہے، آپ نے تصوف کے میدان میں ایسے فکر و عرفان کا اظہار کیا جس کی مثال پہلے نہیں ملتی، فکر و عرفان کی ان جولانیوں کے بارے میں خود لکھتے ہیں:

”حق جل سلطانہ کے انعامات کے متعلق کیا لکھا جائے اور کس طرح شکر ادا کیا جائے، جن علوم و معارف کا فیضان خداوند جل شانہٗ کی توفیق سے ہوتا ہے ان میں سے اکثر قید تحریر میں آتے ہیں اور اہل نا اہل کے کانوں تک پہنچتے ہیں، لیکن جو اسرار و دقائق کہ ممتاز ہیں ان کا ایک شمہ بھی ظاہر نہیں کیا جا سکتا بلکہ رمز و اشارہ کے ذریعے بھی ان کے متعلق بات نہیں ہو سکتی، بلکہ اپنے عزیز ترین فرزند ﴿جو اس فقیر کے معارف کا مجموعہ اور مقامات سلوک کا نسخہ ہیں﴾ کے سامنے بھی ان اسرار کی باریکیوں کا ذکر نہیں کرتا، معانی کی باریکیاں زبان کو پکڑتی ہیں اور اسرار کی لطافت لب کو بند کرتی ہے، ویضیق صدری و ینطلق لسانی، ﴿زبدۃ المقامات: ۳۰۳﴾

یہ حقیقت ہے کہ آپ نے مقام وجود و شہود کے متعلق جو معارف بیان فرمائے ہیں، آپ کا ہی حصہ ہیں، علامہ بدرالدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”تعین وجودی کہ جس کے متعلق آج تک کسی عارف نے لب کشائی نہیں کی تھی آپ پر ظاہر کیا گیا اور اس عالی مقام کے اسرار و برکات سے آپ کو ممتاز

فرمایا گیا جیسے دفتر سوم کے مکتوب ۸۹ میں تفصیل آئی ہے'' ﴿حضرات القدس ۲: ۸۲﴾ اسی طرح عین الیقین اور حق الیقین کے متعلق فرماتے ہیں:

''یہ فقیر کیا کہے اور اگر کہے تو کون سمجھ سکے اور کیا حاصل کر سکے، یہ معارف احاطۂ ولایت سے خارج ہیں اور علمائے ظاہر کی طرح ارباب ولایت بھی ان کو سمجھنے سے قاصر و عاجز ہیں، یہ علوم انوارِ نبوت کی مشکوٰۃ سے ماخوذ ہیں کہ دوسرے ہزار سال والی تجدید سے محض تبعیت اور وراثت کی وجہ سے تازہ ہوئے ہیں'' ﴿مکتوبات ۴: ۴﴾ ذالك فضل الله يو تيه من يشآء۔

محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

دین اسلام کا دارومدار محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے، یہ جذبہ نہیں تو بقول اقبال سب کچھ ''بتکدۂ تصورات'' میں ڈھل جاتا ہے، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کیجئے، ہر پہلو اس جذبے سے سرشار دکھائی دے گا، فرماتے ہیں:

ایک وقت درویشوں کی جماعت بیٹھی تھی، اس فقیر نے اپنی محبت کی بنا پر جو آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں سے ہے، ان سے اس طرح کہا کہ آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اس طور پر مسلط ہوئی کہ حق سبحانہ کو اس واسطے سے دوست رکھتا ہوں کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رب ہے، حاضرین اس بات سے حیرت میں پڑ گئے لیکن مخالفت کی مجال نہ رکھتے تھے، یہ بات حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی اس بات کے خلاف ہے جو انہوں

نے آں سرور ﷺ کے جواب میں کہی تھی کہ حق سبحانہ کی محبت اس طور پر مسلط ہو گئی ہے کہ آپ کی محبت کیلئے جگہ باقی نہیں رہی، یہ دونوں باتیں اگرچہ سکر کی خبر دیتی ہیں لیکن میری بات اصلیت رکھتی ہے، انہوں نے عین سکر میں یہ بات کہی اور میں نے ابتدائے صحو میں، ان کی بات مرتبہ صفات میں ہے اور میری بات مرتبہ ذات سے رجوع کے بعد کی ہے، ﴿مبداء و معاد منہا: ۳۷﴾ آپ کثرت سے درود پاک پڑھا کرتے، خصوصاً جمعہ کی شب اور جمعہ کے دن، دوشنبہ کی شب اور دوشنبہ کے دن۔ آخری زمانے میں جمعہ کی راتوں میں احباب کو جمع کر کے ہزار بار درود بھیجتے تھے، ﴿زبدۃ المقامات: ۲۸۶﴾ یہ امر بھی اس کی گواہی دیتا ہے کہ آپ سراپا محبت رسول ﷺ میں غرق تھے، جیسا کہ حدیث پاک ہے، من احب شیئاً اکثر ذکرہ، جو کسی شے سے محبت کرتا ہے اسی کا کثرت سے ذکر کرتا ہے، اذان میں جب حضور اکرم ﷺ کا نام مبارک آتا تو محبت سے انگوٹھے چوم کر آنکھوں پہ لگاتے، ﴿جواہر مجددیہ﴾

اتباع شریعت:

محبت رسول ﷺ کا سب سے بڑا تقاضا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی شریعت مطہرہ، سنت طیبہ اور اسوۂ حسنہ پہ عمل کیا جائے، حضرت مجدد الف ثانی ؒ اس وصف میں درجہ کمال پہ فائز تھے، آپ کے مکتوبات و رسائل کا بنیادی موضوع ہی اتباع شریعت ہے، فرماتے ہیں:

''ہم اپنی خوش نصیبی سمجھتے ہیں کہ کسی امر میں آں سرور ﷺ سے تشبہ

اختیار کریں، اگر چہ تشبہ صورت ہی کے اعتبار سے ہو، لوگ بعض سنتوں میں شب بیداری اور اس طرح کی نیت کو دخل دیتے ہیں، ان کی کوتاہ اندیشی پر تعجب ہوتا ہے، ان کی ہزاروں شب بیداریوں کو آدھی متابعت کے عوض ہم نہیں خریدتے، رمضان کے آخری عشرہ میں ہم اعتکاف کیلئے بیٹھے، دوستوں کو جمع کیا اور کہا کہ متابعت کے علاوہ اور کوئی نیت نہ کرو کیونکہ ہمارا تبتل اور انقطاع کیا ہوگا، ایک متابعت کے حصول کے عوض ہمیں سینکڑوں گرفتاریاں قبول ہیں، لیکن ہزاروں تبتل اور انقطاع، توسل و متابعت کے بغیر ہمیں قبول نہیں، ﴿زبدۃ المقامات: ۲۸۵﴾

آں را کہ در سرائے نگاریست فارغ است
از باغ و بوستان و تماشائے لالہ زار

حضرت مولانا ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> ''اس حال کو جس میں سرِ مو بھی شریعت اور اہل سنت و جماعت کی رائے کی مخالفت ہوتی، قبول نہ کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ احوال، شریعت کے تابع ہیں شریعت، احوال کے تابع نہیں، کیونکہ شریعت قطعی ہے، وحی سے ثابت ہے اور احوال ظنی ہیں جو کشف و الہام سے ثابت ہوتے ہیں اور فرماتے: اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اس دنیا میں ہوتے تو وہ بھی اسی شریعت کی پیروی کرتے'' ﴿زبدۃ المقامات: ۲۹۰﴾

حضرت مولانا بدرالدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ایک عاقل خدا پرست شخص جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو چکا تھا، بیان کرتا تھا کہ میں برہان پور میں شیخ فضل اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچا جن کو اس سرزمین دکن کا قطب کہا جا سکتا ہے، انہوں نے مجھ سے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاق واطوار کے متعلق دریافت کیا کہ تم ان کی خدمت میں رہے ہو، بتاؤ وہ کیسے ہیں، میں نے کہا کہ میں ان کے باطنی احوال کیا بیان کر سکتا ہوں، البتہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ ظاہر و غائب میں جس طرح وہ سنت اور اس کی باریکیوں کی رعایت فرماتے ہیں، اگر اس زمانے کے تمام مشائخ بھی جمع ہو جائیں تو اس کا دسواں حصہ بھی ادا نہیں کر سکتے، شیخ فضل اللہ رحمۃ اللہ علیہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ جو کچھ اسرار حقیقت یہ قطب الاقطاب فرماتے ہیں اور لکھتے ہیں وہ سب صحیح اور حقیقی ہیں اور وہ اس معاملے میں بالکل سچے ہیں اور محقق بھی ہیں کیونکہ قول کی سچائی اور حال کی بلندی محض حضور انور ﷺ کی کمال اتباع کی وجہ سے ہوتی ہے۔" ﴿حضرات القدس: ۲: ۶۲﴾

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں: ہم نے خود کو شریعت میں ڈال دیا ہے اور حضور انور ﷺ کی روشن سنت کی خدمت میں قائم ہیں، ﴿حضرات القدس: ۱۷۰﴾

احتیاط وتقویٰ:

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تمام امور شریعہ میں از حد احتیاط وتقویٰ کو ملحوظ خاطر رکھتے تھے مثلاً آپ کے وضو کرنے کا طریقہ ہی پڑھا جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ اتنی احتیاط اور تقویٰ فقط آپ کو شایاں ہے، آپ کی نماز آپ کی کرامت تصور کی جاتی تھی، اس لئے کہ آپ نماز کے فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات کو نہایت احتیاط وتقویٰ سے ادا فرماتے تھے، مولانا بدرالدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> ''میں آپ کی نماز دیکھ کے بے اختیار ہو جاتا اور یقین رکھتا تھا کہ آپ ہمیشہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو دیکھتے ہیں اور اسی طریقے کے مطابق نماز ادا کرتے ہیں اور یوں تو اس حقیر نے دوسرے علما و مشائخ کو بھی دیکھا ہے لیکن ایسی نماز کسی کی نہیں دیکھی۔''
>
> ''اسی لئے یہ حقیر بلکہ ایک کثیر جماعت آپ کی نماز ہی کی وجہ سے آپ کی معتقد ہوئی تھی۔'' ﴿حضرات القدس:۲:۹۹﴾

آپ کا ارشاد گرامی ہے:

> '' لوگ ریاضت و مجاہدات کی ہوس کرتے ہیں حالانکہ کوئی ریاضت و مجاہدہ آداب نماز کی رعایت کے برابر نہیں'' نیز فرمایا کہ بہت سے ریاضت کرنے والے اور متورع لوگوں کو دیکھا جاتا

ہے کہ رعایتوں اور احتیاطوں میں مشغول ہیں لیکن آداب نماز میں سستی برتتے ہیں'' ﴿زبدۃ المقامات: ۲۸۸﴾

زکوٰۃ کی ادائیگی میں یہ طریقہ تھا کہ جب کوئی آمدنی اور نذر آتی تو آپ سال کے ختم ہونے کا انتظار نہ فرماتے بلکہ رقم کے آتے ہی فوراً حساب کر کے زکوٰۃ ادا کر دیتے تھے، ﴿حضرات القدس: ۲: ۹۹﴾ دیگر مسائل و احکام میں بھی احتیاط و تقویٰ آپ کا شعار تھا، مثلاً رفع سبابہ کے متعلق فرماتے ہیں:

> ''حنفیہ سے بھی بعض روایات اس کے جواز کے متعلق منقول ہیں لیکن جب اچھی طرح تلاش اور جستجو کی گئی تو احوط اور مفتی بہ اس کا ترک معلوم ہوا کہ بہت سے علما نے حرام و مکروہ بھی کہا ہے اور جب کوئی امر حلت اور حرمت کے درمیان دائر ہو تو اس کا ترک اولیٰ ہے، اور کبھی احتیاطاً نوافل میں احتمال سنت کی بنا پر یہ عمل کر لیا کرتے تھے۔'' ﴿زبدۃ المقامات: ۲۸۹﴾

اور نماز جمعہ کے بعد ظہر کے فرض کو چار سنت کے بعد آخر ظہر کی نیت سے احتیاطاً ادا فرماتے کہ بعض فقہا کے قول کے مطابق شرائط جمعہ نہیں پائی جاتیں، ﴿حضرات القدس: ۲: ۹۳﴾ نماز کی امامت خود کراتے کہ سورۂ فاتحہ پڑھی جائے گی اور فقہائے شافعیہ و مالکیہ کے مذہب پر بھی عمل ہو جائے گا۔ ﴿زبدۃ المقامات﴾

ذوق عبادت:

آپ بہت بڑے عبادت گزار اور ریاضت پسند تھے، علامہ بدرالدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ایک امیر وقت کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے معاملے میں کچھ تردد ہوا، اس نے وقت کے قاضی القضاۃ ﴿جو آپ کا ارادت مند تھا﴾ سے دریافت کیا کہ اس طائفے کے باطنی احوال ہمارے ادراک وفہم سے باہر ہیں، البتہ اس قدر جانتا ہوں کہ آپ کے احوال واطوار کو دیکھ کر متقدمین اولیا کے احوال واطوار کی یاد تازہ ہو جاتی ہے، کیونکہ ہم نے جب اگلے وقتوں کے بزرگوں کا حال کتابوں میں پڑھا تھا تو دل میں یہ خیال گزرا تھا کہ ان کی سخت ریاضتوں اور عبادتوں کا ذکر ان کے مریدوں نے مبالغے سے کیا ہوگا لیکن اب جو ہم نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا تو تردد جاتا رہا بلکہ ان بزرگوں کے احوال لکھنے والوں سے ہم کو شکایت ہے کہ انہوں نے کم لکھا ہے، ﴿حضرات القدس:۲:۲۳﴾ آپ فرماتے ہیں:

> ’’شرم آتی ہے کہ انفرادی نماز میں قوت واستطاعت کے باوجود رکوع وسجود میں کم تسبیحات پڑھی جائیں۔‘‘ ﴿حضرات القدس:۲:۱۶۶﴾

شانِ مجاہدہ:

شہزادہ داراشکوہ آپ کے بارے میں لکھتا ہے:

> ’’متاخرین میں آپ کا مقام بہت بلند ہے، آپ صاحب مجاہدہ درویش تھے‘‘ ﴿سفینۃ الاولیا:۲۳۳﴾

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بہت کم کھاتے ”کھانے کے وقت دیکھا گیا کہ اکثر وقت درویشوں، عزیزوں اور خادموں میں کھانا تقسیم کرنے میں گزر جاتا اور اس اثنا میں کبھی تین انگلیوں سے کوئی نوالہ لے لیتے اور کبھی طبق پر ہاتھ پہنچا کر منہ پر رکھ لیتے اور صرف ذائقہ چکھ لیتے، اس وقت ایسا معلوم ہوتا کہ آپ کو کھانے کی حاجت نہیں ہے، محض اس لئے کھاتے ہیں کہ کھانا سنت ہے اور انبیا کرام علیہم السلام نے کھانا ترک نہیں فرمایا“ ﴿حضرات القدس:۲:۹۰﴾ آپ کے مجاہدات سنت مطہرہ کے مطابق ہوا کرتے تھے، ہمیشہ عزیمت پر عمل فرماتے، آپ فرماتے ہیں:

> ”سالک جس قدر شریعت میں راسخ اور ثابت قدم ہوگا، اسی قدر ہوائے نفس سے زیادہ دور ہوگا، پس نفس امارہ پر شریعت اور امر و نہی کے بجالانے سے زیادہ دشوار کوئی چیز نہیں“

شانِ تمکین:

حضرت علامہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کی صحبت اکثر خاموشی کی حالت میں گزرتی اور کبھی مسلمانوں کے عیب اور غیبت کا ذکر نہیں ہوتا تھا، آپ کے ساتھیوں کو آپ کی ہیبت، بہت زیادہ ادب اور خشوع کی حالت میں رکھتی تھی اور ان کو کھلنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، آپ کی تمکین اس درجہ کی تھی کہ ان عظیم احوال کے وارد ہونے کے باوجود تلوین کے آثار آپ پر نمودار نہیں ہوتے تھے، شور، چیخ بلکہ بلند آواز سے آہ بھی ظاہر نہیں ہوتی تھی، دو سال کی مدت تک بندہ حاضر خدمت رہا لیکن اس مدت میں

تین چار بار دیکھا گیا کہ آنسو کے قطرے چہرہ مبارک پر گرے اور اس کے علاوہ تین چار بار معارف عالیہ بیان کرتے وقت آپ کے چشم و رخسار میں سرخی اور دونوں مبارک گالوں پر حرارت کا پسینہ دکھائی دیا۔ ﴿زبدۃ المقامات: ٢٨٢﴾

عزم واستقلال:

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا دور از حد پرآشوب تھا، بدعت و ضلالت کے اندھیرے پھیلے ہوئے تھے، کفر و شرک کی خزائیں زوروں پر تھیں، اکبر اعظم کی اسلام دشمنی اور جہانگیر کی آزادروی کے سامنے ایک فقیر بارگاہ رسالت تھا جس کے عزم واستقلال نے اندھیروں اور خزاؤں کا تسلط ختم کیا اور شہنشاہوں کی اکڑی ہوئی گردنیں خم کردیں، اللہ! اللہ! آپ کے عزم واستقلال کی درخشندہ مثال سے تاریخ حریت جگمگا رہی ہے، بادشاہ وقت نے سجدۂ تعظیمی کیلئے مجبور کیا لیکن آپ نے فرمایا: جو سر بارگاہ الوہیت میں جھکتا ہو، کسی اور کے دروازے پہ کیسے جھک سکتا ہے، بادشاہ غیظ و غضب کا نشان بن گیا، ادھر آپ کے مخلصین نے یہ مشورہ دیا کہ بادشاہوں کیلئے سجدہ تعظیمی جائز ہے، سجدہ تعظیمی کرلیں، آپ کو کوئی گزند نہ پہنچے گی، اس مردِ حق آگاہ نے فرمایا:

> ’’یہ فتویٰ تو رخصت ہے، عزیمت یہ ہے کہ غیر حق کے سامنے سجدہ نہ کیا جائے‘‘، ﴿مناقب آدمیہ و حضرات احمدیہ، بحوالہ سیرت مجدد الف ثانی: ١٧٦﴾

پھر اس کے بعد طرح طرح کے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا لیکن مجال ہے جو

عزم واستقلال کے عظیم پیکر کے قدموں میں لغزش پیدا ہوئی ہو، ایسی استقامت کی توقع فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے لخت جگر سے ہی کی جاسکتی ہے، حضرت علامہ اقبال آپ کے عزم واستقلال کو سلام پیش کرتے ہیں ؎

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار

تسلیم ورضا:

جناب ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد مظہری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> ”نہ معلوم اس ہندو راجپوت نے کیا سلوک کیا، آگرے سے گوالیار کس طرح لے گیا، قلعہ گوالیار میں لے جا کر کیا کیا، وہاں اس پائے نازنین کو پابند سلاسل کیا، یہ کیسا ظلم کیا، سرزمین ہند میں اس کے جان نثار وفدا کار اس کے اشارے کے منتظر ہیں مگر وہ اپنے رب کریم کی رضا پر راضی ہے، ظالم ظلم کیے جارہے ہیں مگر وہ لطف اٹھا رہا ہے، کیا چشم عالم نے کبھی یہ منظر دیکھا ہے؟ ظالم نے نہ صرف پابند سلاسل کیا، گھر اجاڑا…… کتب خانہ ضبط، جائیداد ضبط، کنواں ضبط، زمین ضبط، جو کچھ پاس تھا سب ضبط کر کے آپ بے آسرا کر دیئے گئے مگر جس کا آسرا خدا پر ہو وہ کسی آسرے پر نہیں رہتا“۔ ﴿سیرت مجدد الف ثانی:۱۶۷﴾

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے مکتوبات آپ کے جذبۂ تسلیم و رضا کے بہترین عکاس ہیں، آپ عالم اسیری میں لکھتے ہیں:

''میر نعمان کو معلوم ہوا ہوگا کہ میرے خیر اندیش دوستوں نے ہر چند میری رہائی کے اسباب پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن کچھ نتیجہ نہ نکلا، جو کچھ خدا نے کیا وہی بہتر ہے، بمقتضائے بشریت مجھ کو بھی اس سے کچھ رنج ہوا اور دل میں تنگی ظاہر ہوئی لیکن تھوڑے ہی زمانہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ رنج اور دل کی تنگی فرحت و شرح صدر سے بدل گئی اور یقین خاص سے معلوم ہوا کہ اگر اس جماعت کی مراد جو میرے درپئے آزار ہے، اللہ جل سلطانہ کی مراد کے موافق ہے تو پھر اس پر ناپسندیدگی اور دل تنگی بے معنی اور دعوئ محبت کے منافی ہے'' ﴿مکتوب ۱۵ دفتر سوم﴾

ایک اور مقام پر فرمایا:

''آپ دوستوں سے کہہ دیں کہ وہ دل کی تنگی دور کریں اور جو لوگ درپئے آزار ہیں ان کی طرف سے بددل نہ ہوں بلکہ ان کے فعل سے لذت حاصل کریں ………اور جو میں نے جور و جفا کو صورت غضب کا آئینہ کہا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ غضب دشمنوں کا حصہ ہے، دوستوں کیلئے صورتاً غضب ہے اور حقیقتاً عین رحمت ہے، اس صورت غضب میں محبّ کیلئے اتنے منافع ودیعت کئے گئے ہیں

کہ اس کی شرح کیا بیان کی جائے'' ﴿مکتوب ۱۵ دفتر سوم﴾

اپنے شہزادوں سے فرماتے ہیں:

''فرزندان گرامی! خاطر جمع رہو، لوگ ہر وقت ہماری تکلیفوں پر نظر رکھتے ہیں اور اس تنگی سے خلاصی چاہتے ہیں، ان کو معلوم نہیں کہ نامرادی، بے اختیاری اور ناکامی میں کس غضب کا حسن و جمال ہے، اس کے برابر کونسی نعمت ہوگی، اللہ تعالیٰ جس شخص کو بے اختیار کر کے خود اس کے ارادے اور اختیار سے باہر نکال لے اور اپنے ارادے کے مطابق زندگی بخشے، حتیٰ کہ اس کے امور اختیاریہ کو بھی اس بے اختیاری کے تابع بنا کر اس کو اپنے ارادے اور اختیار سے بالکل دست بردار کر دیا جائے اور اس کو مردہ بدست زندہ بنا دیا جائے، قید کے زمانے میں جب اپنی ناکامی و بے اختیاری کو دیکھتا تھا تو عجب لطف اٹھاتا تھا اور انوکھا مزہ پاتا تھا، فراغت پانے والے مصیبتوں کے حسن کا کیا اندازہ کریں، بچوں کو صرف شیرینی میں مزہ ملتا ہے، لیکن جس کو تلخی میں لذت ملی وہ شیرینی کو ایک جو میں بھی نہیں خریدتا، والسلام علی من اتبع الھدی'' ﴿مکتوب ۸۳ دفتر سوم﴾

حق گوئی:

حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ حق گو، بے باک، نڈر اور بہادر

شخصیت کے مالک تھے، قاضی ظہور احمد اختر لکھتے ہیں:

''حضرت مجدد نے جس سیاسی گھٹن اور جاہ وجلال اقتدار کے ہوتے شاہان وقت پر تنقید کی وہ انہیں کا حصہ تھا، اس نازک دور میں حکومت یا سر براہان حکومت پر تنقید کرنا اتنا آسان نہ تھا جتنا آج آسان ہے، ذرا ذرا سی باتوں پر تختہ دار پر چڑھا دیا جاتا تھا، بلکہ اکبر کے متعلق مورخین نے لکھا ہے کہ اپنے مخالفین کو اپنے ہاتھ سے زہر دے کر تڑپا تڑپا کر مار دیا کرتا تھا۔'' ﴿فسانہ سلطنت مغلیہ: ۱۳۰﴾

آپ کی حق گوئی کا ایک واقعہ ہے کہ ایک دفعہ آپ ابو الفضل سے ملنے آئے، ابو الفضل کو معلوم ہوا کہ آپ روزے سے ہیں، اس نے وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا، چاند کے متعلق ابھی تک شرعی شہادت فراہم نہیں ہوئی، ابو الفضل نے کہا، بادشاہ نے تو حکم دے دیا ہے، اب کیا عذر ہے؟ بے ساختہ آپ کے منہ سے اس وقت یہ جملہ نکلا ''بادشاہ بے دین است، اعتبار ندارد'' ﴿بادشاہ بے دین ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں﴾ ﴿الفرقان: مجدد الف ثانی نمبر: ۸۷﴾

اندازہ کیجئے کہ مغل اعظم کے بہت بڑے ''حواری'' کے سامنے مغل اعظم پر اس قدر سخت تنقید کرنا کس بے خوفی، حق گوئی اور بہادری کی علامت ہے! مکتوبات شریفہ کا مطالعہ کریں، آپ نے حکومت وقت کی خوب خبر لی، مثلاً جہانگیر کے دور میں اس کے باپ پہ تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بادشاہ کی درستگی سے عالم کی درستگی ہے اور بادشاہ کے فساد سے

عالم کا فساد ہے، آپ جانتے ہیں کہ زمانہ ماضی ﴿یعنی عہد اکبری﴾ میں اہل اسلام پر کیا کچھ نہیں گزرا، اسلام کی غربت حد کو پہنچی ہوئی تھی، اہل اسلام کی بدحالی اس سے آگے نہیں بڑھی تھی کہ مسلمان اپنے دین پر رہیں اور کافر اپنے طریقہ پر جیسا کہ آیت "لکم دینکم ولی دین" سے ظاہر ہے، لیکن زمانہ ماضی میں تو یہ حال ہوا کہ کفار تو برملا پورے غلبہ کے ساتھ دارِ اسلام میں احکام کفر جاری کرتے تھے اور مسلمان احکام اسلام ظاہر کرنے سے عاجز و قاصر تھے، اگر ظاہر کرتے تو قتل کر دیئے جاتے" ﴿مکتوب: ۴۷ دفتر اول﴾

حسن ادب:

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ ادب کی دولت سے مالامال تھے، اللہ تعالیٰ کے نام پاک کے ساتھ جل سبحانہ جل سلطانہ کے کلمات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کے ساتھ درود و سلام کا خصوصی اہتمام فرماتے، جہاں اللہ و رسول کا ذکر خیر کرتے وہاں حسن ادب کی تابانیاں قابل دید ہوتیں، بزرگوں کی بارگاہ میں نہایت عاجزی و انکساری کا مظاہرہ کرتے، مولانا بدرالدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> "حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سر تا پا اکابر سلف و خلف کی محبت اور مدحت میں غرق تھے لیکن اگر ان بزرگوں کے ﴿کچھ﴾ کلام سے آپ نے اعراض فرمایا ہے تو وہ محض نیک نیتی اور حکمت و الہام

واعلام پر مبنی ہے“ ﴿حضرات القدس:۲/۱۵۲﴾

مزید فرماتے ہیں:

”حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بزرگوں کا ادب جیسا کہ چاہئے ملحوظ رکھتے تھے، ایک مرتبہ آپ کے خاص مریدوں نے کتاب عوارف المعارف پڑھنی شروع کی اور آپ سے استدعا کی کہ اس کی شرح فرما دیں، چنانچہ آپ نے اس کتاب کے ایک جزو کی شرح نہایت فصیح و بلیغ عربی میں لکھی لیکن پھر فرمایا کہ ہم نے اب اس کتاب کی شرح لکھنی چھوڑ دی ہے، اس خوف سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی مقام پر ایسی بات آجائے جس سے اس کے مصنف ﴿حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ﴾ کا ادب ہاتھ سے جاتا رہے“۔ ﴿ایضاً:۲/۱۵۳﴾

آپ نے بعض مقامات پر بعض بزرگان دین سے اختلاف فرمایا لیکن ہر مقام پر ان کا ادب ملحوظ خاطر رکھا، حضرت بایزید بسطامی، حضرت یحییٰ منیری اور حضرت منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہم کے اقوال کی تاویل و توجیح اس انداز سے کی کہ ان پر کوئی حرف نہ آئے، یہ آپ کے حسن ادب کا ثبوت ہے، بعض مقام پر اختلاف کے باوجود حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرماتے ہیں: کیا عجب معاملہ ہے کہ باوجود اس کلام کے اور ایسی شطح خلاف جواز کے جناب شیخ مقبولان بارگاہ کبریا میں سے نظر آتے ہیں اور اولیاء اللہ کی جماعت میں ان کا مشاہدہ ہوتا ہے، ﴿مکتوب:۷۷ دفتر سوم﴾

برکریماں کارہا دشوار نیست

ایک اور جگہ ان کے اس طرح شکر گزار ہیں:

> ''اور جناب شیخ کے بعد جو مشائخ آئے ہیں ان میں سے اکثر نے جناب شیخ کی پیروی کی ہے اور آپ ہی کی اصطلاح کو اختیار کیا ہے، ہم پسماندگان انہی بزرگوں کے فیوض و برکات سے مستفید ہوئے ہیں اور ان کے علوم و معارف سے فوائد حاصل کئے ہیں، اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے ان کو جزائے خیر عنایت کریں'' ﴿مکتوب: ۷۹ دفتر سوم﴾

آپ خود بزرگوں کا احترام کرتے تھے، اس لئے دوسروں سے بھی یہی توقع رکھتے تھے کہ وہ کسی بزرگ کی گستاخی نہ کریں، بزرگوں کی گستاخی کرنے والے سے اپنا تعلق توڑ لیتے تھے، جیسا کہ مشہور واقعہ ہے کہ ابوالفضل نے حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کہا:

''غزالی نامعقول گفتہ است''

آپ کو اس کی تاب نہ ہوئی اور یہ فرما کر فوراً چلے گئے ''اگر ذوق صحبت ما اہل علم داری ازیں حرف ہائے دور از ادب زبان باز دار'' اگر ہم جیسے اہل علم سے ملنے کا شوق ہے تو ایسی بے ادبی کے الفاظ سے زبان کو روکو، ﴿زبدۃ المقامات﴾

آپ اپنے شیخ کامل، مرشد ربانی سیدنا محمد عبدالباقی المعروف خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کا بے پناہ ادب کرتے، خواجہ ہاشم کشمی لکھتے ہیں:

''مجھ سے خواجہ حسام الدین احمد نے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے حکم دیا کہ اپنے پیر و مرشد ﴿مجدد الف ثانی﴾ کو بلا لاؤ، جب میں نے آپ

سے حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے یاد کرنے کا ذکر کیا تو آپ کے چہرے کا رنگ ایک دم بدل گیا، خوف کے آثار ظاہر ہو گئے، انتہائے خشیت سے بدن میں اضطرابی کیفیت پیدا ہو گئی گویا کہ رعشہ طاری ہو گیا ہے، ان کی اس حالت کو دیکھ کر میں نے دل میں کہا، اب تک سنتا آیا تھا ''نزدیکاں را بیش بود حیرانی''، لیکن آج اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کر رہا ہوں، ﴿زبدۃ المقامات فصل سوم﴾ آپ نے اپنے مخدوم زادوں کی خدمت میں ایک مکتوب ارسال فرمایا جس کے ایک ایک حرف سے شکر و ادب کے سوتے ابلتے ہیں:

حمد و صلوٰۃ کے بعد اپنے مخدوم زادوں کی جناب میں عرض ہے کہ یہ فقیر سر سے پاؤں تک آپ کے والد بزرگوار کے احسانات میں ڈوبا ہوا ہے، فقیر نے اس طریقہ کی الف با کا سبق انہی سے لیا ہے.......... حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ سے جو اعلیٰ دولت اس فقیر کو ملی ہے اس کے عوض اگر یہ فقیر ساری عمر اپنے سر کو اپنے صاحبان کے عتبہ عالیہ کے خدام سے پامال کراتا رہے تب بھی ہیچ ہے،

گر بر تن من زباں شود ہر موئے
یک شکر وے از ہزار نتوانم کرد

ذرا حسن ادب کا یہ انداز تو دیکھئے، فرماتے ہیں: ''حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی آستان بوسی سے یہ فقیر تین مرتبہ مشرف ہوا ہے'' ﴿مکتوب: ۲۶۶ دفتر اول﴾ جب کوئی بزرگ ملنے کیلئے آتا تو اس کی تعظیم کیلئے کھڑے ہو جاتے اور صدر مجلس میں ان کو جگہ دیتے، ﴿حضرات القدس: ۲/۱۰۰﴾

آپ متبرک کاغذات کا بہت احترام کرتے تھے، ایک دن ناگاہ گھبرا کر اٹھے اور ایک کاغذ کو جس پر کچھ تحریر تھا، اٹھایا اور فرمایا: ”بے ادبی ہے کہ کوئی تحریر ہم سے نیچے رہ جائے“ ﴿زبدۃ المقامات﴾ یہ تو صرف کاغذ تھا، حسن ادب کی ایک اور درخشاں مثال دیکھئے:

> ”ایک دن آپ اسرار و معارف تحریر فرما رہے تھے، ناگاہ ضرورت بشری کی وجہ سے بیت الخلا تشریف لے گئے، تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ آپ باہر تشریف لائے اور آپ نے پانی طلب فرما کر بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے ناخن کو دھویا اور آپ نے فرمایا: ناخن پر سیاہی کا دھبہ تھا اور سیاہی حروف قرآنی کے اسباب کتابت میں سے ہے، بنابریں لائق ادب نہ سمجھا کہ اس دھبہ کے ہوتے ہوئے طہارت کروں اور پھر آپ برائے طہارت تشریف لے گئے“ ﴿زبدۃ المقامات فصل ششم﴾

اس طرح ایک دفعہ ایک حافظ جس نے سرہانے کے پاس فرش بچھایا ہوا تھا، قرأت میں مشغول ہوا تو آپ نے دیکھا کہ آپ جس جگہ بیٹھے ہیں وہ اس فرش سے کسی قدر بلند ہے جس پر حافظ قرآن تلاوت کر رہا ہے، چنانچہ آپ نے اس زائد فرش کو اپنے پاؤں کے نیچے سے لپیٹ کر کنارے پر کر دیا، ﴿ایضاً﴾

ایک دفعہ طہارت خانے میں ایک کوزے پر نظر پڑی جس پہ اللہ تعالیٰ کا اسم جلالت کندہ تھا، آپ نے اس کوزے کو اچھی صاف کیا اور نہایت ادب سے

اونچی جگہ پہ رکھ دیا، پھر جب بھی پانی کی طلب ہوتی، اس کوزے میں پانی نوش فرماتے، اسی پہ الہام ہوا کہ تم نے ہمارے نام کو بلند کیا ہے، ہم تمہارے نام کو بلند کریں گے اور آپ فرماتے ہیں:

> ”اگر میں سو سال بھی ریاضت کرتا رہتا تو اتنے فیوض و برکات نہ ہوتے جتنے اس عمل سے حاصل ہوئے“ ﴿حضرات القدس ۲/۱۱۳﴾

عاجزی وانکساری:

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس درجہ شان جلالت کی ایک وجہ آپ کی عاجزی و انکساری ہے، حضور سرور دو عالم ﷺ فرماتے ہیں: ”جس نے اللہ کیلئے عاجزی کی، اللہ نے اس کا رتبہ بلند کر دیا“ جب آپ پر الزام لگا کہ آپ معاذ اللہ اپنے آپ کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھتے ہیں، آپ نے بھرے دربار میں فرمایا:

> ”میں تو خود کو سگ بے مایہ سے بہتر نہیں سمجھتا پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کیسے افضل سمجھ سکتا ہوں“ ﴿مناقب آدمیہ ورق ۱۷۱﴾

حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ”اس کمترین نے بارہا آپ سے سنا کہ کیا ہم اور کیا ہمارا عمل، جو کچھ بھی ملا ہے، اللہ کا کرم ہے اور اگر کوئی چیز اس کے کرم کے واسطے بہانہ بنی ہے تو وہ سید الاولین والآخرین ﷺ کی متابعت ہے، ہمارے کام کا مدار اس پر ہے“ ﴿زبدۃ المقامات﴾

فرماتے ہیں:

''عمل صالح کو تکبر اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح لکڑی کو آگ تباہ کر دیتی ہے، آدمی کو چاہئے کہ اپنی پوشیدہ برائیوں اور خامیوں کو یاد کرتا رہے اور اپنی نیکیوں پر پردہ ڈالے بلکہ اپنی عبادتوں کے ادا کرنے سے شرمندہ ہو'' ﴿حضرات القدس:۲/ ۱۶۷﴾

اوصافِ متفرقہ:

①...... حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بہت فیاض و دریا دل تھے، کبھی نیا لباس پہنتے تو پہلا کسی غریب یا عزیز خادم یا مسافر کو دے دیتے، آپ کی خدمت میں پچاس ساٹھ بلکہ سو لوگ علما، عرفا، مشائخ، حفاظ، اشراف و سادات میں سے ہوتے تھے جن کو آپ کے مطبخ سے کھانا ملتا تھا۔ ﴿حضرات القدس:۲/ ۱۰۰﴾

②...... آپ کو اہل کفر سے سخت نفرت تھی، کافروں کی ہرگز تعظیم نہ کرتے گو وہ صاحب حکومت اور صاحب جاہ کیوں نہ ہوتے تھے، ﴿حضرات القدس:۲/ ۱۰۰﴾

③...... ہر شخص سے سلام میں پہل کرتے، مولانا بدر الدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھے معلوم نہیں کہ کبھی کوئی شخص سلام میں آپ پر سبقت کر سکا ہو، ﴿ایضاً﴾

④...... فرض و سنت کی ادائیگی تو بڑی بات ہے، آپ مستحبات پر بھی سختی سے عمل کرتے تھے، ایک دن کالی مرچ کے دانے طلب کئے، مولانا صالح ختلانی چھ عدد دانے لے آئے، آپ نے رنجیدہ ہو کر فرمایا: ہمارے صوفی کو دیکھو انہوں نے ابھی

''اللہ وتر و یحب الوتر'' ﴿اللہ وتر ہے اور وتر کو پسند کرتا ہے﴾ نہیں سنا، اگر چہ یہ عمل مستحب ہے لیکن لوگ مستحب کو کیا سمجھتے ہیں؟ مستحب وہ کام ہے جو اللہ کو پسند ہے اور اللہ کی پسند پر دنیا و آخرت قربان کر دی جائے تب بھی کچھ نہیں دیا۔ ﴿زبدۃ المقامات﴾

……

﴿التماس﴾

لا اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی
ہاتھ آ جائے مجھے میرا مقام اے ساقی
تو میری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ
تیرے پیمانے میں ہے ماہ تمام اے ساقی
تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے تیرا فیض ہو عام اے ساقی
شیر مردوں سے ہوا بیشہ تحقیق تہی
رہ گئے صوفی و ملا کے غلام اے ساقی

﴿اقبال﴾

......﴿ ملفوظات ﴾......

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصانیف خصوصاً مکتوبات امام ربانی میں بے شمار ایسی باتیں ارشاد فرمائی ہیں کہ چند لفظوں میں بہت کچھ فرما گئے، کوزے میں دریا کو سمو دیا، حضرت شیخ مصلح الدین سعدی رحمۃ اللہ علیہ ﴿المتوفی ۶۹۱ھ ۱۲۹۲ء﴾ نے صرف اخلاقیات پر فصاحت و بلاغت کا کمال دکھایا تھا لیکن حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے شریعت و طریقت کے مسائل کو پند و نصائح کی شکل میں جتنے فصیح و بلیغ انداز سے پیش کیا ہے اس کی نظیر شاید ہی کسی دوسرے بزرگ کی تصانیف میں پائی جاتی ہو، تبلیغ دین کی خاطر چند ایسے ارشادات قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں ’وباللہ التوفیق و علیہ التکلان‘:

1:...... انسان کی پیدائش سے مقصود اس کی عاجزی اور انکساری ہے۔

2:...... جب تک انسان قلبی مرض میں مبتلا ہے، اس کی کوئی عبادت نافع نہیں ہے۔

3:...... انبیائے کرام نے وحدت وجود کی نہیں بلکہ وحدت معبود کی دعوت دی تھی۔

4:...... شریعت تمام دنیوی و اخروی سعادتوں کی ضامن ہے۔

5:...... شریعت کا مقصود نفسانی خواہشات کو زائل کرنا ہے۔

6:...... صاحب شریعت کی پیروی کے بغیر نجات محال ہے۔

7:...... سعادت دارین کی دولت سرور کونین کی متابعت پر موقوف ہے۔

8:...... آدمی کو کھانے پینے کیلئے نہیں بلکہ عبادت کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔

9:...... شریعت کی پیروی اور نبی کی اطاعت نجات اخروی کی ضامن ہے۔

10:…… دین متین سے فساد کے لزومات کو دفع کرنا ضرورت دین سے ہے۔

11:…… شریعت وطریقت میں بال برابر بھی مخالفت نہیں ہے۔

12:…… شریعت وطریقت ایک دوسری کا عین ہیں۔

13:…… توحید وجودی تنگ کوچہ ہے جبکہ شاہراہ اور ہے۔

14:…… فتوحات مدنیہ نے ہمیں فتوحات مکیہ سے بے نیاز کر دیا ہے۔

15:…… دلالت فصوص سے نہیں نصوص سے ہوتی ہے۔

16:…… مذہب اہل سنت و جماعت کی بال برابر مخالفت بھی خطرناک ہے۔

17:…… جو مذہب اہل سنت سے جدا ہوئے وہ گمراہی اور خرابی میں جا پڑے ہیں۔

18:…… کتاب وسنت کے وہی معنی معتبر ہیں جو علمائے اہل سنت نے سمجھے ہیں۔

19:…… اہل سنت و جماعت کے خلاف عقیدہ رکھنا بداعتقادی اور سم قاتل ہے۔

20:…… اہل سنت و جماعت ہی ناجی گروہ ہے۔

21:…… اس نعمت کا شکرادا کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ناجی گروہ میں داخل فرمایا۔

22:…… سب سے بدترین فرقہ وہ ہے جو صحابہ کرام سے بغض وعناد رکھتا ہے۔

23:…… صحابہ کرام پر طعن کرنا قرآن مجید اور شریعت محمدیہ پر طعن کرنا ہے۔

24:…… میں نے خدا کو اس لیے مانا کہ وہ محمد مصطفیٰ ﷺ کا خدا ہے۔

25:…… صحابہ میں عیب نکالنا حضور پیغمبر خدا ﷺ میں عیب نکالنے کے مترادف ہے۔

26:…… بعض صحابہ میں عیب نکالنا سب کی متابعت سے محروم ہونا ہے۔

27:…… صحابہ کے معاملے میں زبان کو سنبھالنا اور انھیں اچھے لفظوں سے یاد کرنا چاہئے۔

28:......تمام صحابہ کرام کی پیروی ضروری ہے کیونکہ اصول میں وہ سب متفق تھے۔

29:......صحابہ شریعت کے تابع تھے اور ان کا اجتہادی اختلاف حق کی سربلندی کیلئے تھا۔

30:......تمام صحابہ کرام افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر متفق تھے۔

31:......خلفائے راشدین کی افضلیت ترتیب خلافت کے لحاظ سے ہے۔

32:......سادات سے حضور ﷺ کی قرابت کے باعث محبت رکھنی چاہیے۔

33:......علما کی سیاہی قیامت میں شہیدوں کے خون سے زیادہ وزنی ہوگی۔

34:......علمائے حق کی نظر صوفیہ کی نظر سے بلند تر ہے۔

35:......علما ہی شریعت کے حامل ہیں، انھیں ترجیح دینے میں شریعت کا احترام ہے۔

36:......لوگوں کی نجات علما کے ساتھ وابستہ ہے۔

37:......علمائے آخرت کے کلام کی برکت سے توفیق عمل بھی مل جاتی ہے۔

38:......حقیقت سے واقف کار علما کی دعا و توجہ کا طالب رہنا چاہیے۔

39:......حلال و حرام کے معاملے میں ہمیشہ دین دار علما کی جانب رجوع کرنا چاہیے۔

40:......تمام نصیحتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ دین داروں اور شریعت کی پابندی کرنے والوں سے میل جول رکھا جائے۔

41:......دنیا کی رغبت رکھنا علما کے چہرے کا بدنما داغ ہے۔

42:......دولت کے حریص یعنی دنیادار علما کی صحبت زہر قاتل ہے۔

……

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسالہ اثبات النبوۃ

مصنف

حضور امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

غلام مصطفٰے مجددی

(ایم اے علوم اسلامیہ)

فہرست مضامین

○ حرف آغاز 42
○ معنی نبوت کی تحقیق میں 48
○ معجزہ کے بارے میں 52
○ حضرت مجدد کا محاکمہ 58
○ پہلا مقالہ جس میں دو مسلک ہیں 60
○ بعثت و شرائع کی حکمت 69
○ خاتم الانبیا ﷺ کی نبوت کے اثبات میں 80
○ اثبات النبوہ کی وجوہ 88
○ متکلمین کا اختلاف 92
○ اعجاز قرآن پر اعتراضات اور جوابات 94
○ سیرت مصطفٰے ﷺ 102

……

تعارف

الحمد للہ وحدہٗ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہٗ

یہ رسالہ عربی زبان میں مرقوم ہے اور یہ اس پر آشوب دور کے منکرین ختم نبوت کیلئے تو تازیانہ عبرت تھا ہی آج بھی اس گروہ کیلئے حق وصداقت کی موثر و مدلل آواز ہے، یہ رسالہ منقول و معقول کا خوبصورت امتزاج ہے جسے حضرت مجدد کے قلم گوہر رقم کا شہکار کہنا چاہئے، مصنف جلیل کی جودت طبع، قوت استدلال اور وسعت مطالعہ کے ساتھ ساتھ اسلام و پیغمبر اسلام کے ساتھ گہری وابستگی کے مناظر جا بجا دکھائی دیتے ہیں، آپ اس کی تحریر و تحقیق کا سبب خود بیان فرماتے ہیں ''جب میں نے اس زمانے میں لوگوں کے عقیدے میں اصل نبوت کے بارے میں فتور دیکھا'' یہی وہ سبب ہے، جس کو دور کرنے کیلئے آپ نے بالکل نوجوانی کی عمر میں یہ کارنامہ سرانجام دے دیا، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے، سن شعور سے ہی آپ کو اسلام کا درد ودیعت کیا گیا تھا، رسالہ کے آخر میں ختم نبوت کے عقلی دلائل دیئے گئے اور ان کی تائید نقلی دلائل سے فرمائی جو حضور تاجدار ختم نبوت ﷺ کی سیرت طیبہ سے ماخوذ ہیں، حضور اکرم ﷺ کے فضائل و مناقب بھی بڑے اہتمام سے لکھے گئے ہیں، قرآن حکیم کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا گیا ہے اور اسے حضور اقدس ﷺ کا عظیم معجزہ قرار دیا ہے، اس پر ہونے والے اعتراضات کے بہت علمی اور برجستہ جوابات دیئے گئے ہیں کہ انکار کی گنجائش نہیں رہنے دی، حضرت مجدد کو علم کلام میں خصوصی

مقام تفویض ہوا، چنانچہ آپ آخر میں جب اپنی رائے بیان کرتے ہیں تو آپ کے فکر کی گہرائی نہایت قابل دید اور لائق داد دکھائی دیتی ہے، یہ رسالہ عقل نارسا کے پجاریوں کے سامنے دین ہدایت کی روشنی کا مینار نظر آتا ہے، مولا کریم اس کے جلیل القدر مصنف کو تمام عالم اسلام کی طرف سے بہترین اجر و ثواب عطا فرمائے۔

......⊙......

شیخ محمد ہاشم جان سرہندی کا بیان

حضرت مجدد قدس سرہ چاروں سلسلوں سے فیض یاب ہوئے ہیں، اس لیے وہ خود اور ان کے متوسلین سب سلاسل طریقت کا احترام کرتے ہیں اور ان کے شیوخ کو اپنا مربی و مرشد سمجھتے ہیں، سلسلہ عالیہ کی مثال اس دریا کی سی ہے جس میں چاروں طرف سے نہریں آکر ملتی ہیں، اس دریا سے اگر کوئی چلو بھر پانی پی لیتا ہے تو اس نے حقیقتاً سب نہروں کا پانی پی لیا، اس لیے سلسلہ عالیہ مجددیہ کے متوسلین یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں چاروں سلاسل کا فیض پہنچ رہا ہے، جس طرح امت محمدیہ سارے انبیا متقدمین کو حق پر سمجھتی ہے اور ان کا احترام کرتی ہے، متوسلین سلسلہ عالیہ مجددیہ کی بھی یہی روش ہے۔ ﴿تعارف سیرت امام ربانی: ۴۳ مطبوعہ کراچی﴾

......⊙......

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حرف آغاز:

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے جس نے اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ ارسال فرمایا اور اس پر کتاب اتاری اس کیلئے کوئی کجی نہیں رکھی، درست ہے کہ ﴿لوگوں کو﴾ اپنے شدید عذاب سے ڈرائے اور مومنوں کو خوشخبری سنائے، جو اچھے کام کرتے ہیں، ان کیلئے بہترین ثواب ہے، پس اس نے اس کے ساتھ اپنے بندوں کیلئے ان کا دین مکمل کیا اور ان پر اپنی نعمت تمام کر دی اور اسلام کو ﴿بطور﴾ دین پسند کر لیا اور حضور ﷺ پر انبیا و رسل ﴿کا سلسلہ﴾ ختم فرمایا، جو آیات باہرہ اور معجزات عظمیٰ کے ساتھ مخلوق کی طرف مبعوث ہوئے تاکہ وہ خود کو ان کی طرف مائل کریں جیسے اندھے ﴿لوگ﴾ خود قائدین اور حیرت زدہ مریض شفیق اطباء کی طرف مائل ہوتے ہیں، تاکہ وہ فوائد و منافع حاصل ہوں جن سے عقل معزول ہے اور حضور ﷺ کو سب انبیا سے افضل اور سب رسل سے اکرم اور ملت میں سب سے معتدل اور دین و شرح میں اقوم بنایا، وہ وہی سبحانہ ہے جس نے ان کے

اعتدال حال اور مرتبہ کمال کیلئے اس فرمان سے خبر دی، مازاغ البصر و ما طغیٰ لقد رای من آیات ربه الکبریٰ ﴿وہ آنکھ نہ جھکی اور نہ حد سے بڑھی بے شک اس نے اپنے رَبّ کی عظیم نشانیوں کو دیکھا﴾

وہ محمد مصطفیٰ کریم ﷺ ہیں جو تمام مخلوق کی طرف مبعوث کئے گئے ہیں کہ لوگوں کو ﴿اللہ کی﴾ تنزیہہ اور توحید کی دعوت دیں اور ان کو علمی و عملی قوت میں مکمل کریں اور ان کے مریض دلوں کا علاج کریں، اللہ تعالیٰ حضور ﷺ پر صلوٰۃ بھیجے جس کے وہ اہل ہیں اور ان کے آل و اصحاب پر جو ہدایت کے ستارے ہیں اور تاریکی کے چراغ ہیں، جب تک اندھیرے ﴿ایک دوسرے کا﴾ تعاقب کریں اور پھر زیادہ سے زیادہ سلام نازل کرے، امابعد

یہ بندہ، اللہ ولی و معین کی رحمت کا گدا احمد بن عبدالاحد بن زین العابدین، اللہ سبحانہ انہیں نقص و عیب سے بچائے، کہتا ہے کہ میں نے جب اس زمانے میں لوگوں کے عقیدے میں اصل نبوت کے بارے میں پھر ایک شخص معین کیلئے اس کے ثبوت و تحقق میں، پھر نبوت کے مشروع عمل میں فتور دیکھا اور لوگوں میں اس کا شائع ہونا ثابت ہو گیا حتیٰ کہ ہمارے زمانے کے بعض سنگدلوں نے کثیر علما کو سختیوں اور اذیتوں سے عذاب دیا جس کا ذکر مناسب نہیں، یہ سب شریعت کی اتباع اور رسولوں سے وابستگی کے رسوخ کی وجہ سے تھا، ﴿نیز اس کی وجہ سے اہل اسلام کے کثیر علما کو قتل بھی کر دیا گیا﴾ معاملہ یہاں تک پہنچ گیا کہ اس ﴿بادشاہ﴾ کی مجلس میں خاتم الانبیا ﷺ کے اسم گرامی کی تصریح چھوڑ دی گئی، جو اس اسم شریف کا مسمیٰ تھا، اس کا

نام دوسرے نام سے بدل دیا، گائے کے ذبیحہ سے روکا، جو ہندوستان میں اسلام کی اجل نشانیوں میں سے ہے۔

اہل سلام کے مقابر و مساجد کو خراب کر دیا، کافروں کے معابد اور ان کی عبادتوں اور رسموں کے دنوں کی تعظیم کی، فی الجملہ شعائر اسلام اور اس کے اعلام کو مٹایا اور کافروں کی رسموں اور جھوٹے دینوں کو فروغ دیا یہاں تک کہ کفار ہند کے احکام ظاہر کر دیئے اور انہیں ان کی زبان سے فارسی میں منتقل کرنے کا حکم صادر کیا تا کہ اسلام کے تمام آثار ملیامیٹ کر دیں، میں نے معلوم کیا کہ شک و انکار کی بیماری عام ہے، یہاں تک کہ طبیب بھی بیمار ہو گئے ہیں اور اشرف الخلق ﴿یعنی انسان﴾ ہلاکت پر گامزن ہے، میں نے خلقت کے خاص لوگوں کے عقیدے کا پیچھا کیا اور ان سے ان کے شبہات دریافت کئے، ان کے رازوں اور عقیدوں کو ٹٹولا تو ان کے اعتقادی فتور اور ایمانی کمزوری کا سبب عہد نبوت سے دوری، علم و فلسفہ میں خوض اور ہندی حکما کی کتابوں کے مطالعہ کے سوا کوئی نہ پایا، اس علم و فلسفہ کے بعض قرا سے مناظرہ کیا جو کافروں کی کتابوں سے حظ وافر پا کر فضل و فضیلت کے مدعی بن گئے اور انہوں نے لوگوں کو گمراہ کیا اور اصل نبوت کی تحقیق اور شخص معین کیلئے اس کے ثبوت میں گمراہ ہوئے، حتیٰ کہ انہوں نے کہہ دیا کہ حاصل نبوت حکمت و مصلحت کی طرف لوٹتا ہے، مخلوق کے ظاہر کی اصلاح اور عوام کو نزاع و اختلاف اور شہوات میں آزادی سے ضبط سکھاتا ہے، اس کا نجات اخروی سے کوئی تعلق نہیں، اس کا تعلق تو بس تہذیب اخلاق اور قلبی اعمال کے فضائل کے حصول سے ہے جن کا ذکر حکما نے ﴿بھی﴾ اپنی کتابوں

میں بیان کیا اور ان کو خوب ظاہر کیا جیسا کہ اس کا حق ہوتا ہے، پھر اپنی تائید میں بیان کیا کہ بے شک امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب احیاء العلوم کے چار حصے کئے ے نجیات کی چوتھائی کو عبادات کی چوتھائی کا قسیم قرار دیا جبکہ نماز روزہ وغیرہما جو کتب فقہ میں بیان کئے گئے، اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ حکما کے موافق ہے، یہ بدنی عبادات ان کے نزدیک بھی غیر منجیہ ﴿نجات نہ دلانے والی﴾ ہیں، جیسا کہ وہ حکما کے نزدیک بھی غیر منجیہ ہیں، پھر انہوں نے کہا جس انسان کو نبی کی دعوت مل گئی مگر اس کے ہاں اس کی نبوت، عہد کی دوری اور آیات ومعجزات کے عدم ثبوت پر ثابت نہ ہوسکی، ان کے نزدیک اس انسان کا حکم پہاڑوں پر رہنے والے کا ہے جس کو نبی کی دعوت نہ ملی ہو، پس نبی کے ساتھ وجوب ایمان کے عدم میں، ان دونوں کے درمیان فرق ﴿صرف﴾ حکم میں ہے ے میں کہتا ہوں کہ حکمت ازلی اور عنایت الٰہی کا تقاضا ہے کہ بعثت انبیا علیہم السلام نفوس بشری کی تکمیل اور قلبی امراض کے علاج کیلئے ہو اور یہ اس کے بغیر میسر نہیں کہ وہ نافرمان کیلئے منذرین اور اطاعت گزار کیلئے مبشرین اور اخروی عذاب وثواب کیلئے مخبرین ہوں، کیونکہ ہر نفس پر مشتہیات کا شوق مسلط ہوتا ہے، لہذا وہ گناہوں اور رذیل عملوں کی طرف قدم اٹھاتا ہے اور ان کی تکمیل دو جہان میں ان کی سعادت ونجات کا سبب ہوتی ہے، بلکہ بعثت کا مطلوب ہی نجات اخروی اور سعادت ابدی ہے کہ دنیا کا سامان تو قلیل ہے اور حکما نے جب اپنے باطل نظریوں کی ترویج کا ارادہ کیا تو ان کے ساتھ جو انہوں نے تہذیب اخلاق کے بیان اور باطن سے متعلق اعمال صالحہ کی تحصیل میں اس کو شامل کرلیا جو انبیا کرام علیہم السلام پر نازل

ہونے والی کتابوں، ان کے فرمانوں اور ان کے کامل اطاعت گزاروں کی باتوں سے چرایا تھا اور اس کو ایک مستقل علم میں مدون کیا جیسا کہ تم دیکھتے ہو، امام محقق حجۃ الاسلام ﴿غزالی﴾ نے تو اس کو قسیم عبادات قرار دیا ہے کیونکہ فقہا کرام نے اس کو کتب فقہ میں تبعیت و ضمن کے طریقے پر بیان کیا ہے اور اس طرح بیان نہیں کیا جیسے بیان کرنا چاہئے، اس لئے کہ ان کی اصلی غرض ظواہر اعمال سے متعلق ہے اور وہ ظاہر کے ساتھ حکم کرتے ہیں اور دلوں اور باطنوں کو شق نہیں کرتے، چونکہ طریقت اور سلوک کے علما کرام نے اسے واضح کیا اس لئے امام غزالی نے ظاہر سے متعلق شریعت اور باطن سے متعلق طریقت کو اکٹھا فرما دیا اور اپنی کتاب کو متعلق و مقصد کے اختلاف کے اعتبار کے ساتھ تقسیم کیا اور اس قسم کا نامی منجی ﴿نجات دینے والی﴾ رکھا، اگر چہ عبادات میں بھی انہوں نے اس ﴿قسم﴾ کو منجی ذکر کیا تا کہ ادائے عبادات سے نجات کا ﴿مسلم﴾ ہونا فقہ سے پہچانا جائے اور اس ﴿دوسری﴾ قسم کی نجات اس سے نہیں پہچانی جاتی، پس توجہ کرو اور اگر اس کے بعد بھی تمہارا شک باقی رہے تو ان کے اس کام میں غور کرو جو میں نے اس رسالہ میں بیان کیا تا کہ تمہیں اس شبہ سے بالکل نجات حاصل ہو جائے اور میں کہتا ہوں کہ تم نے جالینوس اور سیبویہ کو نہیں دیکھا تو کیسے جانا کہ جالینوس طبیب اور سیبویہ نحوی تھا، پس اگر تم کہو کہ میں نے علم طب کی حقیقت معلوم کی اور اس کی کتب و تصانیف کا مطالعہ کیا اور اس کے قول سنے جو امراض کے معالجے اور بیماریوں کے ازالے کی خبر دیتے ہیں، اس سے مجھے اس کے حال کا علم ضروری حاصل ہوا اور اس طرح میں نے نحو سیکھی اور سیبویہ کی کتابیں

دیکھیں اور اس کے قول سنے تو اس سے مجھے علم ضروری حاصل ہوا کہ وہ نجومی تھا، میں کہتا ہوں کہ جب تم نے نبوت کا معنیٰ معلوم کر لیا تو قرآن و اخبار میں از حد نظر دوڑاؤ، تمہیں اس کا علم ضروری حاصل ہو گا کہ حضور ﷺ نبوت کے اعلیٰ درجات پر متمکن ہیں اور زمانے کا بعد اس تصدیق میں حائل نہیں ہوتا جس طرح سابق تصدیق میں حائل نہیں ہوتا، اس لئے کہ حضور سراپا نور ﷺ کے جمیع اقوال و افعال، عقائد حقہ اور اعمال صالحہ کے ساتھ ان کی علمی و عملی قوت میں نفوس بشریہ کی تکمیل اور مریض دلوں کے علاج اور ان کی ظلمات کے ازالے کی خبر دیتے ہیں، نبوت کا معنیٰ اس کے سوا نہیں، باقی رہا پہاڑوں پر رہنے والا جسے نبی کی دعوت نہ پہنچی اور اس نے اس کے اقوال نہ سنے اور اس کے احوال نہ سیکھے تو اس کیلئے اس کی نبوت کی تصدیق ممکن نہیں اور نہ اس کیلئے اس کی رسالت کا علم آسان ہے، تو یہ ایسے ہے جیسے اس کے حق میں نبی مبعوث نہ کیا گیا، پس وہ معذور ہے اور ایمان کا مکلّف نہیں، اللہ سبحانہ نے فرمایا: 'وما کنامعذبین حتی نبعث رسولًا'، یعنی ہم عذاب دینے والے نہیں حتیٰ کہ رسول نہ بھیجیں، پھر میرے دل میں ﴿یہ بات﴾ جم گئی اور میرے سینے میں ﴿یہ کسک﴾ ٹھہر گئی کہ میں ان کیلئے ایسی تقریر کروں جو ان کے شکوک رفع کر دے اور ان کیلئے ایسی بات لکھوں جو ان کے شبہے زائل کر دے۔

میں نے دیکھا کہ وہ میری جان پر حق واجب ہے اور قرض لازم ہے جو ادائیگی کے بغیر ساقط نہ ہو گا تو میں نے اصل نبوت کا مطلب ثابت کرنے کیلئے اور پھر خاتم الرسل ﷺ کیلئے اس کے تحقق و ثبوت میں اور اس کے منکرین نافین کے

شبہ کی تردید میں اور فلسفہ کی مذمت میں اور ان کے علوم کی ممارست اور ان کی کتابوں کے مطالعہ سے حاصل ہونے والے نقصان کے بیان میں دلائل و براہین کے ساتھ ایک رسالہ تالیف کیا اور ایک مقالہ تحریر کیا، جو میں نے قوم کی کتابوں سے اخذ کئے اور اللہ ملک جلیل کی مدد سے جو کچھ میری پریشان خاطر پر ظاہر ہوا وہ ان پر زیادہ اور ان سے ملحق ہے، میں کہتا ہوں کہ یہ رسالہ ایک مقدمہ اور دو مقالوں پر مرتب ہے اور مقدمہ میں دو مباحث ہیں، ملاحظہ کیجئے:

بحثِ اول

معنیِ نبوت کی تحقیق میں:

جان لو کہ متکلمین کے نزدیک نبی وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہو کہ میں نے تمہیں اس قوم کی طرف یا تمام انسانوں کی طرف رسول بنایا یا ان کو میری طرف سے پہنچا دو، یا اس طرز کے الفاظ جو اس معنیٰ کیلئے مفید ہوں، جیسا کہ میں نے تمہیں ان کی طرف مبعوث کیا اور انہیں خبر دو اور اس ارسال میں کسی شرط اور کسی ذاتی استعداد کی کوئی شرط نہیں، جیسا کہ حکما کا گمان ہے، بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ ہے جو جس کو چاہے اپنی رحمت سے خاص کر دے اور وہ ہی جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کہاں ٹھہرائے، وہ سبحانہ قادر ہے اور مختار ہے، جو چاہے کرتا ہے، اور جس کا ارادہ کرے، اختیار کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہاں پر وہم نہ ہو کہ متکلمین نے نبی کیلئے معجزہ کو شرط

قرار دیا اور اس کو ان خواص میں شمار کیا جن کے ساتھ وہ اپنے غیر سے ممتاز ہوتا ہے، یاد رہے کہ ان کے نزدیک معجزہ اس کے نبی ہونے کے علم کیلئے شرط ہے نہ کہ اس کے نبی ہونے کیلئے اور اس امتیاز سے مراد امتیاز علمی ہے نہ کہ ذاتی، پس سوچنا چاہئے۔

اور فلاسفہ کہتے ہیں کہ جس میں تین خواص جمع ہو جائیں وہ نبی ہے کہ وہ ان خواص کے ساتھ اپنے غیر سے ممتاز ہے:

○...... ایک یہ ہے کہ اس کو حال و ماضی و مستقبل کے غیبوں کی اطلاع ہو، ہم کہتے ہیں کہ تمام غیبوں پر اطلاع نبی پر واجب نہیں، اس پر ہمارا تمہارا اتفاق ہے اور بعض پر اطلاع ﴿ہونا﴾ نبی کے ساتھ مخصوص نہیں جیسا کہ تم ریاضت والوں، بیماروں اور سونے والوں کیلئے جائز سمجھتے ہو تو یہ تمیز نہیں، میں کہتا ہوں کہ شاید وہ یہ چاہتے ہوں کہ ﴿نبی کو﴾ اکثر غیبوں پر اطلاع ہوتی ہے جو عادت سے خارج ہے اور خارق عادت ہے اور وہ مجہول نہیں بلکہ وہ عادتاً اور عرفاً معلوم ہے اور یہ کہ غیب پر اطلاع ﴿ہونا﴾ اور اس کے ساتھ ایک یا دو مرتبہ تکرار کے بغیر خبر دینا جو اعجاز کی حد کو پہنچے تو وہ خارق عادت نہیں، ﴿معجزہ ہے﴾ اس حالت میں نبی اپنے غیر سے ممتاز ہو گا، لہذا غور کرو۔

جان لو کہ متکلمین بھی اعتراف کرتے ہیں کہ انبیا کرام علیہم السلام اللہ کے بتانے سے غیب جانتے ہیں مگر اس کے ساتھ اشتراط باطل ہے اور اسی طرح وہ سبب بھی جس کو فلاسفہ نے اطلاع کیلئے بیان کیا مردود ہے، یہ اہل اسلام کے اصول کے مناسب نہیں، وہاں ایک چیز یہ رہی کہ اس تقدیر پر مغیبات کی اطلاع ہونا دوسری

خاصیت میں داخل ہے کیونکہ وہ ان امور عجیبہ سے ہے جو خارق عادت ہیں تو ان کے الگ بیان کی کوئی درست وجہ ظاہر نہیں ہوتی، غور کرنا چاہئے۔

○…… دوسرا یہ کہ اس سے خارق عادت افعال ظاہر ہوں جس طرح کہ عناصر کے ہیولیٰ اس کیلئے مطیع ہوتے ہیں اور اس کے تصرفات کے ماتحت ہوتے ہیں جیسے بدن اپنے نفس کے ماتحت ہوتا ہے تو یہ دور نہیں کہ نبی کا نفس اس قدر طاقتور ہوتا ہے کہ وہ ہیولیٰ عنصریہ میں اس کے ارادہ وتصرفات کے مطابق موثر ہوتا ہے، جہاں تک کہ اس کے ارادوں سے زمین میں ہوائیں، زلزلے، حرق وغرق اور ظالم انسانوں کی ہلاکت اور فاسد بدنوں کی تباہ حالی ظاہر ہوتی ہے، ہم کہتے ہیں کہ اس کی بنا جسموں میں نفوس کی تاثیر پر ہے اور اپنے مقام پر بیان ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا وجود میں کوئی موثر نہیں اور اس پر یہ کہ امور عجیبہ، خارق عادت کا ظہور نبی کے ساتھ مختص نہیں جیسا کہ تم نے بھی اعتراف کیا تو نبی اپنے غیر سے کس طرح ممتاز ہوگا؟

میں کہتا ہوں کہ بے شک فلاسفہ غیر انبیا کیلئے بھی امور عجیبہ کے ظہور کو جائز سمجھتے ہیں لیکن وہ اس کیلئے ان کے تکرار اور خارق عادت کے حد اعجاز تک پہنچنے کو ہرگز جائز نہیں مانتے، جیسا کہ ان کی عبارات سے ثابت ہے۔

تو اس طرح نبی اُس عادت کے خلاف امور عجیبہ کے ظہور ﴿کی وجہ﴾ سے اور اپنے غیر سے ان امور کے عدم ظہور ﴿کے باعث﴾ ممتاز ہوتا ہے پس سمجھ جاؤ، واللہ اعلم بالصواب:

○…… تیسرا یہ کہ نبی فرشتے کو محسوس صورتوں میں مشاہدہ کرتا ہے اور اس کا کلام سنتا ہے، جب وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے وحی لے کر آتا ہے، ہم کہتے ہیں کہ یہ ان کے مذہب و اعتقاد کے موافق نہیں بلکہ یہ لوگوں پر ان کے عقیدے کو مشکوک کرنا اور ایسی عبارت سے اس کی شناعت کا چھپانا ہے جس کے معنی کے وہ خود قائل نہیں، کیونکہ وہ تو اس کے قائل نہیں کہ فرشتے دکھائی دیتے ہیں، بلکہ فرشتے ان کے ہاں اپنی ذات میں نفوس مجردہ ہیں، اجرام افلاک کے ساتھ متعلق ہیں، یا ذات و فعل میں عقول مجردہ ہیں اور ملاء اعلیٰ سے موسوم ہیں، ان کا کلام نہیں کہ سنا جا سکے اس لئے کہ وہ اجسام کے خواص سے ہے، جبھی ان کے مطابق حروف و اصوات متموج ہوا کے امور عارضہ ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ شاید فلاسفہ نے اس لئے مجردات کی رویت اور ان کے کلام کے سماع سے انکار کیا ہے جو وہ غیر صورت اور غیر مجسم ہوں اور یہ تو جائز ہے کہ وہ صورتوں میں متمثل اور جسموں میں ظاہر ہو جائیں اور ان کے ساتھ رویت کا تعلق ہو جائے اور ان کے کام کا سماع ممکن ہو جائے، اس لئے کہ ہر مرتبہ کیلئے جواز و منع کا ﴿ایک﴾ حکم ہے اور جب انہوں نے اپنے مراتب عالیہ سے تنزل کیا اور تنزل کا لباس پہن لیا تو اس مرتبہ کے احکام اخذ کر لئے، اس میں کوئی قباحت نہیں، پس سمجھ لو، واللہ سبحانہ اعلم.

……⊙……

……﴿بحثِ ثانی﴾……

معجزے کے بارے میں:

ہمارے نزدیک ﴿معجزہ﴾ سے مراد وہ ارادہ ہے جس کے ساتھ یہ دعویٰ کرنے والے کی صداقت کا اظہار ہو کہ وہ اللہ کا رسول ہے اور اس کیلئے ﴿چند﴾ شرائط ہیں:

○…… کہ اللہ کا فعل ہو، کیونکہ تصدیق تو اس کی طرف سے ہے۔

○…… کہ عادت کے خلاف ہو، کیونکہ ہر روز سورج کے طلوع ہونے اور ہر بہار میں پھولوں کے کھلنے کی طرح جو چیز معتاد ہو، صداقت پر دلیل نہیں، جیسا کہ تم دیکھتے ہو۔

○…… کہ جس کا معارضہ ناممکن ہو کیونکہ یہی اعجاز کی حقیقت ہے۔

○…… کہ وہ مدعی نبوت کے ہاتھ پر ظاہر ہو تا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ اس کی تصدیق ہے۔

○…… کہ دعوے کے مطابق ہو، اگر اس نے کہا کہ میرا معجزہ یہ ہے کہ میں مردے کو زندہ کرتا ہوں اور اس نے کوئی دوسرا خلاف عادت کام کر دیا جیسا کہ پہاڑ کو لٹکانا، یہ اس کے صدق پر دلالت نہیں کرتا، اسلئے کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کی طرف سے تصدیق کے طور پر نازل نہیں ہوا۔

○...... کہ جس کا دعویٰ کیا اور جس کا معجزہ ہونا ظاہر کیا تو وہ معجزہ اس کی تکذیب نہ کرے، مثلاً اگر اس نے کہا کہ یہ میرا معجزہ ہے کہ یہ گوہ بولے گی، پس گوہ نے کلام کیا کہ وہ کاذب ہے تو اس سے اس کا صدق معلوم نہیں ہوتا، بلکہ اس کے کذب کا اعتقاد اور زیادہ ہوا کہ نفس خارق ہی اس کا مکذِب ہے۔

○...... کہ دعوے پر متقدم نہ ہو، اس لئے کہ دعوے سے قبل تصدیق سمجھ نہیں آتی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پنگوڑے میں بولنا، نخل خشک سے تازہ کھجور کا گرنا، حضرت محمد مصطفیٰ کریم ﷺ کا بطن اقدس چاک ہونا، آپ کے قلب انور کا غسل، بادل کا سایہ، حضور پر حجر و مدر کی تسلی، وغیرھا جیسے ﴿واقعات﴾ جو دعویٰ نبوت سے پہلے ہوئے وہ معجزات نہیں، وہ سب کرامات ہیں جن کو یہاں ارہاص یا تاسیسِ نبوت کہا جاتا ہے۔

وہ معجزہ جو دعوے سے متاخر ہے تو اس کا تاخر اتنے تھوڑے عرصے کا ہے کہ ﴿اتنا تاخر﴾ عادت دکھائی دے تو اس نے ظاہر کیا کہ وہ اپنے صدق پر دلالت کرتا ہے، اگر اس کے تاخر کا عرصہ طویل ہے جیسا کہ کہا جائے کہ میرا معجزہ ہے کہ فلاں چیز ایک مہینہ بعد حاصل ہو گی تو اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ معجزہ ہے اور ثبوت نبوت پر دلالت کرتا ہے، لیکن اس کی اتباع کی تکلیف اس وقت تک منتفی ہو گی جب تک وہ موعود حاصل نہ ہو جائے، کیونکہ اس کی شرط یہی ہے کہ اس کے معجزہ

ہونے کا علم ہو اور وہ موعود کے حصول کے بعد ﴿ممکن﴾ ہے۔

اور رہی مدعی نبوت کے صدق پر دلالت معجزہ کی کیفیت تو جاننا چاہئے کہ یہ دلالت صرف عقلی دلالت نہیں جیسا کہ فعل کی دلالت فاعل کے وجود پر ہوتی ہے، اس کے احکام اور اتقان کی دلالت اس پر ہے کہ جس سے صادر ہوا وہ عالم ہے۔ پس بیشک ادلہ عقلیہ بنفسها اپنے مدلولات سے مربوط ہیں اور اس کی تقدیر جائز نہیں جو اس پر دلالت نہیں کرتا، کیونکہ معجزہ کیلئے ایسا نہیں ہوتا، پس خوارق عادات جیسا کہ آسمانوں کا پھٹ جانا، ستاروں کا جھڑنا، پہاڑوں کا ریزہ ریزہ ہونا، جو اختتام دنیا اور قیام قیامت کے وقت واقع ہوگا اور اس وقت ارسال نہیں ہوگا اور اس طرح دستِ اولیا پر کرامات کا ظاہر ہونا، مدعی نبوت کے صدق پر غیر دلالت سے ہے جیسا کہ السید السند نے شرح المواقف میں تحقیق فرمائی۔

میں کہتا ہوں کہ عصمت و توفیق تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، بے شک تحدی اور طلب معارضہ کی تصریح جمہور کے نزدیک معجزہ میں ضروری ہے اور اس کے بغیر وہ معجزہ نہیں ہوتا، ان اشیا کے بارے میں خبریں ﴿دینا﴾ جن کا وقوع و تحقق اختتام دنیا اور قیام قیامت کے نزدیک ہے، معجزہ نہیں ہوگا کہ اصلاً یہ بالکل تحدی نہیں، ﴿اس کا تحدی نہ ہونا﴾ صریحاً تو ظاہر ہوا، ضمناً بھی ظاہر ہوا کہ اس وقت کسی کا وجود ہی نہ ہوگا کہ اس سے طلب معارضہ کا تصور کیا جائے اور اسی طرح دست اولیا پر ظاہر ہونے والی کرامات بھی معجزہ نہیں کہ ان کے ساتھ دعویٰ ہے اور نہ تحدی ہے، پس مدعی نبوت کے صدق پر ان خوارق کے عدم دلالت سے لازم نہیں آتا کہ

معجزات اس دلالت سے خالی ہیں اور وہی مطلوب ہے، لہذا غور کرو۔

اگر تم نے کہا کہ مدعیٔ نبوت کے صدق پر معجزات کی دلالت تو خارقِ عادت ہے اور اس دلالت میں خصوصیت معجزہ کیلئے دخل نہیں، میں کہتا ہوں کہ یہ امر نہیں جو تم نے گمان کیا ہے، بلکہ معارضے کا تعذر اور اس کی مثال ہونے پر غیر کا عدم قدرت، اعجاز کی حقیقت پر دلالت کرتا ہے، پس خصوصیت ﴿معجزہ﴾ کو دلالت میں دخل ہوگا، بلکہ یہی ﴿خصوصیت﴾ دلالت میں معتمد ہے، یہ نہیں کہنا چاہئے کہ السید السند نے شرح المواقف میں صراحت فرمائی ہے کہ محض دلیلِ نقلی کا تصور نہیں کیونکہ اس سے مخبر کا صدق ضروری ہے اور وہ عقل کے ساتھ ہی ثابت ہو سکتا ہے اور وہ جو معجزہ میں صدق پر دلالت کرتا ہے، دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ صدق نبی پر دلالتِ معجزہ عقلی ہے اور یہاں اس سے عقلی دلالت کی نفی کی گئی ہے تو یہ تناقض ہے، اس لئے ہم کہتے ہیں کہ اس عبارت کا مفہوم یہ ہے صدق پر دلالت کرنے والے معجزہ میں عقلی لحاظ سے دیکھا جائے کہ اس سے مخبر کا صدق معلوم ہو سکے۔

اور یہ کہ صدق پر اس کی دلالت کا عقلی و عادی ہونا یا اس کے بغیر ہونا، تو اس سے اصلاً سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ محض دلالت عقلی ہے اور اس مقام پر نفی سے وہی مطلوب ہے، اس لئے کہ کوئی آدمی اس کا دعویٰ نہیں کرتا کہ اس کی دلالت میں عقل کو اصلاً دخل نہیں تا کہ تناقض ہو اور ان ﴿قدس سرہ﴾ کی عبارت میں حصر واقع اضافی ہے جو نقل کی نسبت سے وارد ہوا، فتامل۔

اور یونہی صدق نبی پر دلالت معجزہ ''دلالت سمعیہ'' نہیں اور نہ ہی وہ صدق نبی پر اس کے توقف سے جاری ہوا، بلکہ وہ دلالت عادیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ عادت جاری کردی کہ ظہور معجزہ کے بعد ﴿اس کے﴾ صدق کا علم تخلیق فرمادیا تو دست کاذب پر معجزے کا اظہار اگر عقلاً ممکن بھی ہو تو اس کا انتفاء عادۃً معلوم ہے، اگر کسی شخص نے کہا کہ میں نبی ہوں، پھر پہاڑ کو اٹھا کر لوگوں کے سروں کے اوپر ٹھہرا دیا اور کہا کہ اگر تم نے مجھے جھٹلایا تو تم پر یہ ﴿پہاڑ﴾ آگرے گا اور اگر میری تصدیق کی تو تم سے دور ہٹ جائے گا اور جب جھٹلانے کا سوچیں تو پہاڑ نزدیک ہو جائے تو اس سے علم ضروری ﴿اخذ﴾ ہوتا ہے کہ وہ اپنے دعوٰے میں صادق ہے اور عادت کا یہ فیصلہ ہے کہ کاذب سے یہ کام نہیں ہو سکتا، لوگوں نے اس کی مثال ﴿یوں بھی﴾ بیان کی ہے کہ اگر کوئی شخص جم غفیر کے ہوتے ہوئے یہ دعویٰ کرے کہ میں بادشاہ کی جانب سے تمہارے پاس قاصد بن کر آیا ہوں، پھر وہ بادشاہ کو مخاطب کرے کہ اگر میں صادق ہوں تو خلاف عادت اپنے مقام عادی سے اٹھ کر اس مقام پر بیٹھ جا جس کا تو عادی نہیں، بادشاہ نے ایسا کر دیا تو یہ صریح بات اس کی تصدیق کے برابر ہوگی، قرینہ حال کے مطابق کوئی آدمی اس کے صدق میں شک نہیں کرے گا، یہ غائب کو حاضر پر قیاس کرنے کے باب سے نہیں، بلکہ ہمارا دعویٰ ہے کہ معجزے کا ظہور، صدق کے ساتھ علم ضروری کا فائدہ دیتا ہے اور اس کے لیے اس کا فائدہ مند ہونا ضرورت عادیہ کے ساتھ معلوم ہے اور یہ مثال تفہیم ﴿مسئلہ﴾ اور زیادت تقریر کے لیے ذکر کی جاتی ہے۔

اور معتزلہ نے کہا کہ دست کاذب پر معجزے کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے عموم قدرت میں مقدور ہے، لیکن اس کا وقوع اس کی حکمت میں ممتنع ہے، کیونکہ اس طرح اس کے صدق کا وہم ہوتا ہے اور یہ اللہ سبحانہ کی طرف سے قبیح بات ہے، چنانچہ اس سے اس کا صدور تمام قبائح کی طرح ممتنع ہے: حضرت شیخ اور ہمارے بعض اصحاب نے فرمایا: کہ دست کاذب پر معجزے کا پیدا ہونا فی نفسہٖ غیر مقدور ہے، اس لیے کہ معجزہ قطعاً صدق پر دلالت ہے، جبھی اس کا تخلف اس سے ممتنع ہے، لہذا اس کی دلالت میں من وجہٍ ضروری ہے، کیونکہ اسی کی بدولت دلیلِ صحیح ﴿دلیل﴾ فاسد سے ممتاز ہوتی ہے، اگر چہ ہم اس وجہ کو بعینہٖ نہ جان سکیں، پس دست کاذب پر پیدا ہونے والا معجزہ اس کے صدق پر دلیل ہوگا تو کاذب صادق ہوگیا اور وہ محال ہے۔

بصورت دیگر معجزہ اپنے مدلول پر اس کی دلالت قطعی سے جدا ہوگا جو اس کا لازم ہے اور وہ بھی محال ہے، قاضی نے کہا کہ ظہور معجزہ کا صدق کے ساتھ شامل ہونا امر لازم، یعنی لزوم عقلی نہیں، جس طرح کہ وجود فعل، اس کے فاعل کے وجود کے ساتھ شامل ہے، بلکہ وہ عادیات میں سے ایک ہے، جیسا کہ جب ہم نے اس کے مقام عادی سے اس کے انحراف کو جائز قرار دیا تو ﴿گویا﴾ معجزہ کو اعتقاد صدق سے خالی کرنا جائز قرار دیا اور اس وقت دست کاذب پر اس کا اظہار جائز ہوگا اور اس میں کوئی اشکال نہیں، سوائے اس کے کہ معجزہ میں خرق عادت ہے اور یہ مفروض ہے کہ وہ جائز ہے اور ہاں یہ کہ اس تجویز کے بغیر دست کاذب پر اس کا اظہار جائز نہیں اس لیے کہ کاذب کے صدق کا علم محال ہے۔

حضرت مجدد کا محاکمہ:

میں کہتا ہوں کہ عادیات کے ان کے مقام عادی سے انحراف کو مطلقاً جائز ٹھہرانا اس امر کو واجب کرتا ہے کہ معجزہ کو صدق نبی کے اعتقاد سے خالی کرنا جائز ہے، کیونکہ اس کے صدق کا علم اس کے معجزہ کے بعد عادی ہے، اس جگہ پر کاذب سے صادق کی تمیز نہیں ہوتی اور اثبات نبوت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، کیونکہ اس کے اثبات میں یہی معتمد ہے کہ ظہور معجزہ کے وقت صدق نبی کے علم ضروری و عادی کا تحقق ہو، بلکہ پھر لازم آتا ہے کہ معجزہ، معجزہ نہ رہے اور یہ کہ اس کے لیے اصلاً صدق پر دلالت نہ رہے، اس لیے کہ وہ اپنے خرق عادت کے اعتبار سے معجزہ کہلاتا ہے اور صدق پر دلالت کرتا ہے، پس اگر ہم مطلقاً خرق عادت کو جائز قرار دیں تو وہ یہاں صدق پر عدم دلالت میں امور عادیہ کی طرح ﴿جائز﴾ ہوگا، جیسا کہ ہر روز سورج کا طلوع ہونا، لہذا درست وہی ہے جو میں تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں کہ ہم نے خرق عادت کو صرف نبی کے حق میں بطور اعجاز اور ولی کے حق میں بطور کرامت جائز قرار دیا ہے، باوجود اس کے کہ اس کا سفسطہ ہر دور میں اور اس کا تحقق ہر زمانے میں ہے، حتیٰ کہ یہ عادتِ مستمرہ بن گئی ہے، اس کا انکار ناممکن اور اس کا استبعاد مرتفع ہو چکا، باقی رہا اس کے سوا تو عادت اپنی اصلی حالت پر باقی ہے کہ اس کا استبعاد مرتفع نہیں ہوتا اور نہ اس کی طرف شبے کی گنجائش ہے اور نہ اس کی جانب انحراف اصلاً جائز ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ وہ پہاڑ جس کو ہم نے دیکھا اس کا

سونے کی صورت میں انقلاب، اسی طرح سمندر کے پانی کا خون یا تیل بن جانا یا گھر کے ظروف کا عالم مردوں میں تبدیل ہو جانا یا ایک بوڑھے مرد کا دفعتہً بغیر ماں باپ کے پیدا ہو جانا جائز قرار دیا جائے اور وہ جس کے ہاتھ پر معجزہ ظاہر ہوا وہ مدعی نبوت کے علاوہ ہے، اس طرح کہ وہ معدوم ہو جاتا ہے اور اس کی مثل موجود ہو جاتا ہے اور اس کے سبب جو امور معاش و معاد میں خبط و خلل جنم لیتا ہے وہ ﴿کسی پر﴾ چھپا نہیں، پس اگر اللہ سبحانہٗ کسی کاذب کے ہاتھ پر معجزہ ظاہر کر دے تو اس معجزہ سے اس کاذب کے صدق کا اعتقاد عادۃً متخلف نہ ہوگا اور اس کے صدق کا علم عادی اس کو لازم آتا ہے کیونکہ حِس کی طرح عادت بھی ایک ذریعہ علم ہے لیکن کاذب کے صدق کا علم محال ہے اور یہ کہ ﴿اس طرح یہ﴾ اظہار معجزہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کاذب کی تصدیق ہے اور کاذب کی تصدیق، کذب ہے، اللہ تعالیٰ اس بات سے بہت ہی بلند ہے جو یہ ظالم کہتے ہیں، باقی جادو وغیرہ مسببات کے حصول کے لیے ترتیب اسباب کے قبیل سے ہے، اس کا خوارق کے ساتھ کوئی علاقہ نہیں، وہ تو حقیقت سے ماورئی توھیم و تخیل ہے جو نفس الامر میں غیر متحقق ہے، کسرابٍ بقیعةٍ یحسبه' الظمان ماءً حتی اذا جاء ہ' لم یجدہُ شیئاً، جیسے صحرا میں سراب کو تشنہ لب اس کا پانی تصور کرتا ہے، جب اس کے پاس جاتا ہے تو اسے کچھ نہیں ملتا۔

……

……﴿پہلا مقالہ جس میں دو مسلک ہیں﴾……

مسلکِ اول:

بعثت اور حقیقت نبوت اور اس کی طرف تمام مخلوق کے اضطرار کے بیان میں ہے، جاننا چاہئے کہ جوہر انسان، اولِ فطرت میں سادہ و خالی پیدا کیا گیا کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے عوالم کی کوئی خبر نہیں، عوالم بہت ہی زیادہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، وما یعلم جنود ربك الاهو، تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اس کو عوالم کی خبر ادراک کے واسطہ سے ہے، پس تمام ادراکات میں سے ہر ادراک کی تخلیق محض اس لئے ہوئی کہ اس کی وجہ سے انسان عالمِ موجودات سے آشنا ہو سکے اور عوالم سے مراد موجودات کے اجناس ہیں، پس اولاً انسان میں حاسہ لمس پیدا ہوتا ہے، جس کے ذریعے وہ گرمی، سردی، تری، خشکی، نرمی اور سختی وغیرھا کا ادراک کرتا ہے اور لمس، رنگوں اور آوازوں کے ادراک سے قطعی قاصر ہے، بلکہ یہ ﴿چیزیں﴾ لمس کے حق میں معدوم کی مانند ہیں، پھر اس میں بصارت پیدا ہوتی ہے جس کے ذریعے وہ رنگوں اور شکلوں کو پہچانتا ہے اور یہ عالم محسوسات میں سب سے زیادہ وسیع ہے، پھر اس کیلئے سماعت کھل جاتی ہے تو وہ اصوات ونغمات کو سنتا ہے، پھر اس کیلئے قوت ذائقہ پیدا ہوتی ہے، اسی طرح وہ عالم محسوسات سے تجاوز کر جاتا ہے تو اس کے اندر تمیز پیدا ہوتی ہے، وہ سات سال کے قریب ہوتا ہے اور وہ ان اطوار وجود میں سے ایک طور ہے جس میں وہ محسوسات

کے علاوہ امور کا ادراک کرتا ہے، جس میں سے عالمِ حس میں کچھ نہیں پایا جاتا، پھر وہ ایک اور درجے پر ترقی کرتا ہے کہ اس کیلئے عقل پیدا ہوتی ہے، پس وہ واجبات، جائزات، مستحیلات اور دیگر امور کو پہچانتا ہے جو اس کے پہلے اطوار میں نہیں پائے جاتے، عقل کے اوپر ایک اور مقام ہے جس میں اس کی دوسری آنکھ وا ہوتی ہے، جس سے وہ غیب کو اور مستقبل میں ہونے والے اور دوسرے امور کو دیکھتا ہے جن سے عقل معزول ہے جیسے قوت حس، مدرکات تمیز سے معزول ہے اور جیسا کہ کسی اہلِ تمیز کے سامنے مدرکاتِ عقل پیش کئے جائیں تو وہ انکار کر دے اور ان کو مستبعد جانے، بالکل ایسے ہی بعض عقلاء نے مدرکاتِ نبوت سے انکار کیا اور ان کو مستبعد جانا اور وہ عینِ جہالت ہے، اس کیلئے یہ اس لئے مستند نہیں کہ وہ ایسا مقام ہے جہاں وہ نہیں پہنچا اور وہ اس کے حق میں پایا گیا، پس اس نے خیال کیا کہ وہ مقام فی نفسہٖ موجود نہیں، وہ اندھا جو تواتر اور تسامع سے رنگوں اور شکلوں کو نہیں جانتا وہ اس کیلئے ابتداً بیان ہوں تو وہ ان کو ہرگز نہ جانے گا اور نہ ان کا اقرار کرے گا، حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی مخلوق کے قریب کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو خاصہ نبوت کا ایک نمونہ عطا کیا اور وہ نیند ہے، جب سونے والا غیب سے جلد ﴿رونما﴾ ہونے والے ﴿کام﴾ کا ادراک کرتا ہے، وہ صریح ہو یا کسوتِ مثال میں ہو تعبیر سے ظاہر ہوتا ہے۔

اور یہ قسم کہ جس کا اگر کسی انسان نے بذات خود تجربہ نہیں کیا اور اس سے کہا جائے کہ کوئی انسان غش کھا کر مردے کی طرح ساقط ہو جاتا ہے اور اس کا

احساس، سمع اور بصر زائل ہو جاتی ہے، پس وہ غیب کا ادراک کرتا ہے تو وہ ضرور اس کا انکار کرے گا اور اس کے محال ہونے پر برہان قائم کرے گا اور کہے گا کہ حاسہ کی قوتیں، ادراک کے اسباب ہیں، ﴿معلوم ہوا کہ﴾ جو آدمی اس کے قائم رہنے میں ادراک نہیں کر سکتا تو اس کے زوال کے وقت اور زیادہ ادراک نہیں کر سکتا، اور یہ اس طرح کا قیاس ہے کہ وجود و مشاہدہ اس کا انکار کرتے ہیں، جس طرح عقل آدمی کے اطوار میں سے ایک ایسا طور ہے کہ جس میں ایسی نظر حاصل ہوتی ہے جس سے وہ معقولات کی انواع کا ادراک کرتا ہے اور حواس اس سے معزول ہو جاتے ہیں، اس طرح نبوت ایسے طور سے عبارت ہے جس میں ایسی نظر حاصل ہوتی ہے جس کے نور سے غیب اور ایسے امور ظاہر ہوتے ہیں جن کا عقل ادراک نہیں کر سکتی اور نبوت میں شک اس کے امکان میں یا اس کے وجود میں واقع ہو گا، حالانکہ اس کا وجود اس کے امکان کی دلیل ہے اور اس کے وجود کی دلیل وہ علوم و معارف ہیں جن کا عقل سے حاصل ہونا مقصود نہیں، مثال کے طور پر علم طب و نجوم کہ جس آدمی نے ان پر بحث کی اس نے بالضرورت جانا کہ اس کا ادراک الہام الٰہی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿ملنے والی﴾ توفیق کے سوا ممکن نہیں اور اس کی طرف تجربہ کے ساتھ راستہ نہیں کیونکہ بعض احکام نجومیہ ہر ہزار سال کے بعد ایک بار واقع ہوتے ہیں تو یہ تجربہ سے کیسے حاصل ہو سکتا ہے، یہی حالت دواؤں کے خواص کی ہے، اس دلیل سے ثابت ہوا کہ جن امور کا ادراک عقل نہیں کر سکتی ان کے ادراک کے طریق کا وجود ممکن ہے اور یہاں نبوت سے یہی مراد ہے، نبوت اسی پر عبارت ہے، بلکہ

مدرکات عقل سے خارج جنس کا ادراک خواصِ نبوت میں سے ایک ﴿ خاصہ ﴾ ہے، اس کے علاوہ نبوت کے اور بھی بہت زیادہ خواص ہیں جن کو ہم نے بیان کیا ہے، تمہارے مدرکات میں سے نینداس کا نمونہ ہے اور تمہارے ہاں طب و نجوم کی طرح کے بہت سے علوم اس جنس سے ہیں اور یہ انبیا کرام علیہم السلام کے معجزات ہیں جن کی طرف عقلاء کیلئے بضاعتِ عقل کے ذریعے اصلا کوئی راستہ نہیں اور ان کے علاوہ جو دیگر خواصِ نبوت ہیں ان کا ادراک ہم جس ذوق کے ساتھ کرتے ہیں وہ طریق تصوف کے سلوک اور اولیا اللہ کے راستے سے ملتا ہے، لیکن یہ ایک خاصہ اصل نبوت پر تمہارے ایمان ﴿ کی پختگی ﴾ کیلئے تمہیں کافی ہے، جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''المنقذ من الضلال'' نامی کتاب میں بیان فرمایا، فلاسفہ نے کہا کہ بعثت حسنہ ہے کہ یہ بہت سے فوائد پر مشتمل ہے جیسے عقل کو ان امور میں تقویت دینا جو معرفتِ عقل کے ساتھ مستقل ہیں مثلاً وجود باری اور اس کا علم وقدرت اور نبی سے حکم کا استفادہ جس میں عقل مستقل نہیں جیسے کلام، رویت، معاد جسمانی 'لئلا یکون للناس علیٰ اللہ حجۃ بعد الرسل' ﴿ تاکہ رسولوں ﴿ کی بعثت ﴾ کے بعد اللہ پر لوگوں کے لئے کوئی حجت نہ رہے ﴾ اور اللہ کے ملک میں اس کے اذن کے بغیر تصرف کے خوف کا ازالہ جو حسنات سے پیدا ہوتا ہے اور ان کے ترک کرنے پر کہ وہ ترک اطاعت ہے اور افعال میں حسن وقبح کا استفادہ کہ جو کبھی حسن ہوتے ہیں اور کبھی قبیح بغیر اس کے کہ عقل ان کے مواقع کی طرف راہنمائی کرے اور اغذیہ وادویہ کے نفعوں اور نقصانوں کی معرفت جس کو تجربہ مختلف ادوار اور اطوار کے بعد خطرات

میں ڈوب کر حاصل کرتا ہے اور نوع انسانی کی حفاظت کہ انسان مدنی الطبع ہے اور تعاون کا محتاج ہے اس لئے ایسی شرع کا ہونا ضروری ہے جس کو شارع فرض کرے، وہ مطاع ہو اور نفوس بشریہ کا ان کی مختلف استعدادوں کے مطابق علمیات اور عملیات میں تکمیل کرنا، حاجات اور ضروریات اور اخلاق فاضلہ میں سے حقیقی صنائع کی تعلیم دینا، جن کا تعلق اشخاص سے ہے اور سیاسیات کاملہ کی تعلیم دینا جن کا تعلق ”منازل ومدن“ کی جماعتوں سے ہے اور عذاب وثواب کی خبریں دینا جو حسنات کی ترغیب اور سئیات سے تحذیر ﴿کا درس دیتی﴾ ہیں، وغیرہ ذالک۔

یہ پوشیدہ نہیں کہ اس کلام سے بعثت کا وجوب سجائی دیتا ہے، لہذا احسن سے مراد وہ ﴿امر﴾ ہے جو واجب کو بھی شامل ہے، اس کی حمایت اس سے ہوتی ہے کہ بعض مواقع میں اس کی صراحت موجود ہے کہ بعثت واجب ہے، ﴿یہاں﴾ بعثت کے منکروں نے کچھ اعتراض کئے ہیں:

پہلا اعتراض:

مبعوث لازمی طور پر جانتا ہے کہ اس سے یہ کہنے والا کہ ”میں نے تجھے بھیجا ہے، پس تو میری طرف سے پہنچا دے، وہ اللہ ہے اور اس علم کا کوئی طریق نہیں، کیونکہ ہوسکتا ہے ﴿یہ علم﴾ اسے جن کے القا سے ہوا ہو اور تمہارا اس کے وجود پر اجماع ہے۔

جواب:

بھیجنے والا اس پر دلیل قائم کر دیتا ہے جس کے ساتھ رسول جان لیتا ہے

کہ اسے، ارسلنک، ﴿ہم نے تجھے بھیجا﴾ کہنے والا اللہ ہے، کوئی جن نہیں ہے، اس کے ساتھ اللہ سبحانہ آیات و معجزات کو ظاہر کرتا ہے جن سے تمام مخلوقات قاصر ہوتی ہیں، ﴿یہ بات﴾ اس کیلئے اس علم کو مفید کرتی ہے یا پھر اللہ اس میں ﴿اس بات﴾ کا علم ضروری پیدا کرتا ہے کہ بھیجنے والا اور کہنے والا وہی ﴿اللہ﴾ ہے۔

دوسرا اعتراض:

جو نبی کی طرف وحی کرتا ہے اگر وہ جسمانی ہے تو واجب ہے وہ مرئی ہو کہ حال القا کے وقت سب حاضرین کو دکھائی دے اور ایسا ہرگز نہیں ہوتا، جیسا کہ تم بھی اس کا اعتراف کرتے ہو اور اگر وہ جسمانی نہیں بلکہ روحانی ہے تو اس سے بطریق تکلم وحی کا القا محال ہے کیونکہ روحانیت کیلئے کلام کا تصور نہیں۔

جواب:

شق اول کی بنا پر جواب یہ ہے کہ ملازمت ﴿یعنی جسمانی کا نظر آنا﴾ تسلیم نہیں، کیونکہ یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ حاضرین کیلئے اس کی رویت پیدا نہ فرمائے، اس کی قدرت کسی چیز سے قاصر نہیں اور یہ مخفی نہیں کہ حاضرین کے لیے اس کی رویت کے پیدا نہ کرنے کو جائز قرار دینا اس کے باوجود کہ یہ فی نفسہ ممکن ہے اور قدرت خدا میں ہے، یہ اس امر کے جائز ہونے کو مستلزم ہے کہ ہمارے سامنے بلند پہاڑ اور عظیم شہر ہوں جن کو ہم نہ دیکھ سکیں اور ﴿ان کے﴾ طبوق وطبول کو نہ سن سکیں، یہ سفسطہ ہے، میں کہتا ہوں کہ اللہ سبحانہ اعلم کہ القا کرنے والا جسمانی

لطیف وشفاف ہے اور وہ فرشتہ ہے اور شفاف جسم کی رویت غیر معتاد ہے، جیسے آسمان، پس ﴿یہاں﴾ سفسطہ لازم نہیں آتا بلکہ وہ اس طرح لازم آتا ہے کہ جسم کثیف کی عدم رویت کو جائز قرار دیا جائے، کیونکہ یہ خلاف عادت ہے، لہذا غور کرنا چاہئے، اور ہم شق دوم کی بنا پر یوں جواب دیتے ہیں کہ روحانی ایک لطیف و شفاف صورت میں متمثل ہو اور رسول اس کا کلام سنتا ہو جو کہ اللہ سبحانہ کی وحی ہے جیسا کہ گزرا تو اس میں کوئی اشکال نہیں، پس غور کرنا چاہئے۔

تیسرا اعتراض:

رسالت کی تصدیق وجود مرسل کے علم پر موقوف ہے اور اس علم پر ہے کہ کونسی چیز اس پر جائز اور کونسی ناجائز ہے، یہ علم دقتِ نظر کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا، اور اس علم کی طرف پہنچانے والی اس نظر کیلئے معین زمانہ، دن یا سال کا اندازہ نہیں ہو سکتا بلکہ وہ اشخاص واحوال کے اعتبار سے مختلف ہو گی پس مکلّف کو حق ہو گا کہ حصولِ نظر کیلئے مہلت طلب کرے اور کسی وقت بھی عدمِ علم کا دعویٰ کرے تو اس طرح نبی کا افحام لازم آئے گا اور بعثت فضول ہو گی اور اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو مہلت مانگنے کا اختیار نہیں دیا بلکہ اس پر بغیر مہلت کے تصدیق واجب کر دی، اس سے تکلیف مالا یطاق لازم آئے گی، اس لئے کہ تصدیق رسالت علم مذکور کے بغیر ان امور سے ہے جن کا وجود متصور نہیں، پھر وہ عقلی طور پر قبیح ہے، اسلئے حکیم تعالیٰ سے اس کا صدور ممتنع ہے۔

جواب:

مہلت دینا ضروری نہیں ہم پہلے وضاحت کر چکے ہیں کہ جب اس نے رسالت کا دعویٰ کیا اور اس کے دعویٰ کے ساتھ معجزہ بھی رونما ہوا جو خارقِ عادت ہے تو متابعت بلا مہلت واجب ہو گئی، اس لئے کہ ظہور معجزہ کے وقت صدقِ رسول کا علم عادی حاصل ہو جاتا ہے، پس غور کرنا چاہیے۔

چوتھا اعتراض:

بعثت، تکلیف سے خالی نہیں، اس لئے کہ بعثت کا یہی فائدہ ہے اور تکلیف کئی وجوہ کے ساتھ ممتنع ہے، اولاً یہ جبر کو ثابت کرتی ہے، اسلئے کہ بندے کا فعل اللہ تعالیٰ کی قدرت سے واقع ہوتا ہے، تمہارے ہاں بھی بندے کی قدرت موثر نہیں اور غیر کے فعل سے تکلیف، تکلیف مالا یطاق ہے۔

جواب:

بندے کی قدرت اگر چہ غیر موثر ہے لیکن فعل کے ساتھ اس کا تعلق ﴿ضرور﴾ ہوتا ہے، جس کا نام کسب ہے، اس اعتبار سے اس کو تکلیف دینا جائز ہے، یہ تکلیف مالا یطاق نہیں، ثانیاً تکلیف بندے کیلئے نقصان دہ ہے اس لئے کہ وہ فعل کی مشقت اور اس کے ترک پر عذاب کی مشقت کو لازم کرتی ہے، نقصان پہنچانا قبیح ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے۔

جواب:

بے شک تکلیف میں جو دنیوی واخروی مصالح ہیں وہ اس کی مضرت سے کہیں زیادہ ہیں اس کی تحقیق بہت جلد آئے گی اور خیر کثیر کا شر قلیل کیلئے چھوڑنا ہرگز جائز نہیں۔

ثالثاً: تکلیف میں جو مشقت ہے وہ یا کسی غرض کے بغیر ہوگی، ﴿ایسا ہے﴾ تو عبث قبیح ہے یا غرض ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف جاتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ تمام اغراض سے منزہ ہے، یا بندے کی طرف جاتی ہے اور وہ نقصان ہے، تو یہ بالاجماع منتف ہے، یا نفع ہے تو حصول نفع کی تکلیف اور اس کے عدم پر تعذیب معقول کے خلاف ہے، اس لئے کہ یہ اس کے بمنزلہ ہے کہ اس ﴿مکلّف﴾ سے کہا جائے کہ اپنی ذات کیلئے منفعت حاصل کرو ورنہ تجھے ہمیشہ کیلئے عذاب دوں گا۔

جواب:

یہ اس بات کی فرع ہے کہ عقل نے اس کے حسن اور قبح ہونے کا حکم دیا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے افعال میں غرض کا وجوب تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو ہم نے اس کے موضع پر باطل کر دیا ہے، نیز تکلیف اس غرض کیلئے ہے جس کا بندے کے ساتھ تعلق ہے یعنی ﴿اس کا﴾ دنیوی اور اخروی منافع ہے جو افعال کی گونا گوں مشقتوں کی تکلیفوں سے کہیں زیادہ ہے اور عذاب اس لئے نہیں کہ اس نے منفعت حاصل نہیں کی بلکہ اس لئے ہے کہ اس نے اپنے مولا اور سردار کا حکم نہیں مانا

اور اس میں اس کی اہانت ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے کہ اب معترض کہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس علم کے ہوتے ہوئے کہ وہ اس کی اطاعت نہیں کرے گا اور نہ اسکے ذریعے سے کوئی فائدہ اٹھائے گا، اس کو تکلیف ہی کیوں دی، تو یہ اس کیلئے نقصان ہی تو ہے اور یہ قبیح ہے، اس کا جواب اس طرح ممکن ہے کہ تکلیف اگرچہ اس نسبت سے اس کی طرف نقصان ہے، مگر جیسا کہ گزر چکا، بہت ہی زیادہ خیر کیلئے تھوڑا نقصان اٹھانا عقلی طور پر جائز ہے، پس یہ قبیح نہیں ہوگا، معتزلہ نے کہا ہے کہ کافر کی تکلیف میں فائدہ ہے کہ وہ ثواب کیلئے تعریض ہے، ﴿ثواب نہیں﴾ کیونکہ ثواب تو تکلیف دینے والے کی اطاعت کا فائدہ ہے اور یہ اس کے قریب ہے جیسا کہ مثال میں کہا گیا کہ کوئی آدمی کسی آدمی کو اپنے طعام کی دعوت دے اور اسے علم ہو کہ وہ اسے قبول نہ کرے گا اور وہ اس کیلئے مختلف تادب و تلطف کے طریقے استعمال کرے اور جب داعی تادب کا یہ طریقہ نہ اپنائے گا تو وہ اپنے فرض میں ناقص ہوگا۔

بعثت و شرائع کی حکمت:

اس جگہ یہ زیادہ مناسب اور بہت مفید ہے کہ حکمائے اسلام کا فرمان بیان کیا جائے، بے شک تکلیف حسن ہے، اس کا بیان ﴿تفصیل﴾ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس طرح تخلیق فرمایا کہ وہ اپنے معاشی امور میں مستقل نہیں، اسے غذا ولباس، مسکن وسلاح وغیرہ اشیاء کی احتیاج ہے جو سب صناعی ہیں، ان اشیا پر کوئی

ایک صانع اپنی مدت حیات میں قادر نہیں، یہ ﴿کام﴾ تو ایک جماعت کو میسر ہوگا کہ آپس میں مدد کریں اور ان اشیاء کی تحصیل میں مشارکت اپنائیں، یوں ہر کوئی اپنے ساتھی کیلئے عمل کرے، مثلاً ایک دوسرے کیلئے کپڑا بنتا ہے تو دوسرا اس کیلئے سوئی فراہم کرتا ہے، اس پر تمام امور کو قیاس کیا جائے، پس امر معاش بنی نوع ﴿انسان﴾ کے اجتماع سے مکمل ہوتا ہے، اسی لئے تو کہا گیا ہے کہ انسان مدنی الطبع ہے اور ان کی اصطلاح میں تمدن اسی اجتماع سے عبارت ہے اور یہ ﴿اجتماع﴾ اسی وقت منظّم ہوگا جب ان کے درمیان معاملہ اور عدل ہوگا، کیونکہ ہر آدمی کو اس شے کی آرزو ہوتی ہے جس کا وہ محتاج ہوتا ہے اور وہ اس کے ﴿حصول﴾ میں مزاحم ہونے والے پر ناراض ہوتا ہے اور اس طرح وہ دوسرے پر ظلم کی دعوت دیتا ہے تو اس طرح حرج واقع ہوتا ہے، امر اجتماع اور نظام ﴿معیشت﴾ میں خلل ڈالتا ہے، عدل ومعاملہ کیلئے لاتعداد جزئیات ہیں جو ''وضع قوانین'' کے بغیر منضبط نہیں ہوسکتیں اور یہی سنت وشرع ہے، پس کسی شارع کا ہونا نہایت ضروری ہے، پھر اگر وہ وضع سنت، وضع وشرع میں تنازعہ کریں تو ضرور حرج واقع ہوتا ہے، اس لئے یہی مناسب ہے کہ شارع، اطاعت کے استحقاق میں ان سے ممتاز ہوتا کہ تمام لوگ سنت وشرع کے قبول میں اس کی پیروی کریں اور یہ استحقاق اس وقت متصور ہوگا جب وہ ایسی آیات کے ساتھ مخصوص ہو جو اس پر دلالت کرتی ہوں کہ وہ واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿مبعوث﴾ ہے اور یہی وہ معجزات ہیں، پھر جمہور لوگ احکام شریعت کو حقیر جانتے ہیں جب کہ ان پر ان کی مشتہیات کا شوق غالب ہو لہٰذا وہ

معصیت اور شرع کی مخالفت پر قدم اٹھاتے ہیں، چنانچہ جب اطاعت گزار کیلئے ثواب ہو اور نافرمان کیلئے عذاب تو خوف اور امید ان کو اطاعت پر اور ترک معصیت پر آمادہ کریں گے، گویا انتظام شریعت اس کے اعتبار سے اقویٰ ہے جب کہ ایسا نہ ہوتا، پس ان پر شارع اور مجازی ﴿بدلہ دینے والے﴾ کی معرفت واجب ہے اور ایسے سبب کا وجود ضروری ہے جو اس معرفت کا احاطہ کرے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ صاحب شرع اور مجازی کیلئے عبادات مذکورہ مشروع ہوئیں اور ان پر تکرار ہوا کہ تکرار کی بدولت تذکر مضبوط ہو جائے، اس صورت میں یہی درست ہے کہ شارع اس خالق کی تصدیق کا داعی ہو جو علم والا اور قدرت والا ہے۔

اور شارع پر ایمان لانے کی دعوت دے جو اس خالق کی طرف سے ان کی طرف سچا رسول ہے اور وعد و وعید، ثواب و عقاب اخروی کی دعوت دے اور عبادات کے ساتھ قیام کی دعوت دے جن میں خالق کا ذکر اس کی صفاتِ جلال کے ساتھ ہو اور اس سنت کے انقیاد کی طرف بلائے جس کی طرف تمام انسان اپنے معاملات میں محتاج ہیں حتیٰ کہ اس دعوت کے ذریعے وہ عدل جاری ہو جائے جو امور نوع کے نظام کو قائم کرنے والا ہے، اس سنت کا استعمال تین امور میں نافع ہے۔

اول: قوائے نفسانیہ کی ریاضت جو اسے شہوت کے معانقے اور غضب سے ہے اور جناب قدس کی طرف نفس ناطقہ کی توجہ سے مانعہ ہے۔

دوم: امور عالیہ مقدسہ میں خوب نظر ڈالنا جو عوارض عادیہ اور کدورات حسیہ سے ملکوت کے ملاحظہ کی طرف مدد کرنے والے ہیں۔

سوم: شارع کے انذارات اور محسن کیلئے اس کے وعدے اور بدکار کیلئے اس کی وعید کا ذکر کرنا جو ﴿ذکر﴾ دنیا میں قیام عدل اور آخرت میں مزید اجر و ثواب کو مستلزم ہے، یہ ان ﴿حکمائے اسلام﴾ کا کلام ہے، اس کے قریب ہی وہ ہے جو معتزلہ نے کہا ہے کہ تکلیف عقلاً واجب ہے، اسلئے کہ قبائح کے ارتکاب سے روکتی ہے، چونکہ انسان طبیعت کے تقاضا کے مطابق شہوات و مستلذات کی طرف میل رکھتا ہے، پس جب اسے علم ہوگا کہ وہ حرام ہیں تو وہ ان سے باز آجائے گا اور قبائح سے باز آنا واجب ہے۔

رابعاً: تکلیف جو کہ فعل کے وجود کے ساتھ ہوگی اور اس میں اس کے وجوب اور صدور کے تعین کیلئے اصلاً کوئی فائدہ نہیں، پس یہ تکلیف کے امتناع کی وجوہات سے عبث قبیح ہے اور یہی حال اس وقت بھی ہے جب تکلیف فعل کے بعد ہو، کیونکہ یہ تحصیل حاصل کی تکلیف ہے اور اگر تکلیف وجود فعل سے قبل ہو تو یہ تکلیف مالا یطاق ہے کہ فعل سے پہلے محال ہے، کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ چیز کا وجود اس کے حال عدم میں ﴿واقع﴾ ہو۔

جواب:

ہمارے نزدیک فعل کے ساتھ قدرت اور اس کے ساتھ تکلیف اس حالت میں محال کے ساتھ تکلیف نہیں جو تحصیل حاصل ﴿متصور﴾ ہو اور یہ اس وقت ہوگی اگر کوئی فعل اس تحصیل سے پہلے حاصل ہو جس تحصیل میں وہ ملتبس ﴿مشغول﴾ ہے

اور ایسا ہر گز نہیں، بلکہ وہ تو اس تحصیل کی بدولت حاصل ہے، اس کے علاوہ ہم یہ کہتے ہیں کہ تکلیف احداث کی طرح ہے، پس کہا جاتا ہے کہ اس کا احداث یا تو اس کے وجود کے حال میں ہوگا تو یہ تحصیل حاصل ہے اور یا اس کے عدم کے حال میں ہوگا تو یہ نقیضین کا اجتماع ہے اور احداث ہیں جن میں کوئی شک نہیں، پس جو تمہارا جواب احداث کے بارے میں ہوگا وہی ہمارا جواب تکلیف کے بارے میں ہوگا۔

معتزلہ نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ فعل سے قبل تکلیف، وہ تکلیف نہیں جو مالا یطاق ہو، اسلئے کہ فی الحال تکلیف حال ثانی میں واقع کرنے کی ہے نہ کہ اسی حال میں واقع کرنے کی کہ نقیضین یعنی وجود و عدم کے درمیان اجتماع سمجھا جائے جیسا کہ کافر کی تکلیف فی الحال یہ ہے کہ وہ حال ثانی میں ایمان کو واقع کرے اور اس میں نظر ہے، اس لئے کہ اگر وہ حال ثانی میں کفر کو جاری رکھے تو اس میں ایمان پر قدرت نہیں اور اگر ایمان سے بدل ڈالے تو اس کا وہ مکلّف نہیں، اسلئے کہ تحصیل حاصل کی تکلیف محال ہے، اس کا جواب اسی طرح ممکن ہے کہ تکلیف کا تعلق نہیں ہوتا مگر اس کے ساتھ جو مقدور ہے اور اس سے لازم ہے کہ جس چیز کا وہ مکلّف ہے وہ اس کے وجود کے زمانے میں مقدور ہو اور باقی رہا قدرت کا تکلیف کو جامع ہونا تو یہ مراد نہیں اور یہ کہ تحصیل حاصل کے ساتھ تکلیف تب محال ہے جب دوسری تحصیل کی تکلیف دی جائے نہ کہ اس تحصیل کی جیسا کہ گزر چکا ہے، پس اگر تم یہ کہو کہ حال ثانی میں کفر کا استمرار ان کے نزدیک ایمان پر اس کی قدرت کے منافی نہیں کہ ایمان، ان کے گمان میں حال کفر میں بھی مقدور ہے کیونکہ قدرت

فعل سے قبل ثابت ہے تا کہ کافر کی تکلیف بالایمان صحیح ہو سکے، اس وجہ سے کہ غیر مقدور کیلئے تکلیف غیر واقع ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: 'لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا' ﴿سورت۲ آیت ۲۸۶﴾ اللہ تعالیٰ ہر جان کو اس کی وسعت کے مطابق تکلیف دیتا ہے۔ اس طرح شق اول کو بھی اختیار کر لیا جائے تو جواب درست ہو سکتا ہے، جیسا کہ تم دیکھ لو گے، پس میں کہتا ہوں کہ اللہ سبحانہ بہتر جانتا ہے، ناظر کی مراد یہ ہے کہ حال ثانی میں کفر کے استمرار پر ایمان اس وقت بھی غیر مقدور ہے، کیونکہ یہ عدم اور وجود کا جمع ہونا ہے لہذا ان کے اس اعتذار کا کوئی فائدہ نہیں کہ تکلیف فی الحال حال ثانی میں واقع کرنے کی ہے، چنانچہ اس وجہ سے شق اول کو اختیار کر لیا جائے تو بھی جواب ممکن نہیں، جیسا کہ مخفی نہیں، پس غور کیا کرو۔

خامساً: بعض ملاحدہ سے ﴿منقول﴾ ہے کہ افعال شاقہ بدنیہ کے ساتھ تکلیف، باطن کو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی واجب اور جائز صفات اور ممتنع افعال میں تفکر کرنے سے روکتی ہے، بیشک اس غایت سے مصلحت متوقعہ ''مذکورہ امور'' میں وہ نظر ہے جو مکلّف بہ امور کی متوقع غرض سے کہیں زیادہ ہے، پس ﴿تکلیف﴾ عقلی طور پر ممتنع ہے۔

جواب:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی معرفت میں تفکر ہی تو تکلیف کا مقصد اقصیٰ ہے اور ساری تکالیف اس پر مددگار ہیں، اس کی طرف داعیہ ہیں اور اصلاح معاش کی

طرف وسیلہ ہیں اور مشوشات سے اوقات کی صفائی میں اعانت کرتی ہیں جو تکالیف کے شغل پر اپنے شغل کا اضافہ کرتی ہیں۔

پانچواں اعتراض:

بے شک عقل میں بعثت کی طرف سے ”مندوحت وکفایت“ ہے، پس اس میں کوئی فائدہ نہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ جس کے حسن پر عقل جو حکم کرے اس پر عمل ہوگا اور جس کے قبح پر جو عقل کا حکم ہے اس کو چھوڑا جائے اور جس کے حسن و قبح پر کوئی فیصلہ نہ کر سکے تو حاجت کے وقت اس پر عمل کیا جائے، کیونکہ حاجت تو حاضر رہتی ہے، لہذا اس حاجت کا اعتبار واجب ہے کہ اس کے فوت ہونے کے نقصان کو دفع کیا جا سکے اور محض نقصان کا احتمال اس کی قباحت کی تقدیر پر اس کے معارض نہیں اور اس ﴿حاجت﴾ کے عدم کی صورت میں احتیاطاً اس کو ترک کر دے کہ موہومہ نقصان دفع ہو جائے۔

جواب:

حسن و قبح کے بارے میں حکم عقل کو تسلیم کرنے کے بعد یہ کہ بے شک شرع بعثت سے مستفاد ہے، اس کا فائدہ اس کی تفصیل ہے، جو اس کو عقل نے اجمالاً حسن و قبح اور منفعت و مضرت کے مراتب عطا کئے ہیں اور وہ بیان ہے جس سے عقل ابتداً قاصر ہے کیونکہ عقل کے حکم کو ماننے والے ہرگز ان افعال کا انکار نہیں کرتے جن میں عقل کا کوئی حکم نہیں چلتا، جیسا کہ عبادات کے وظائف، حدود کی

تعیین اور مقادیر اور نفع ونقصان دینے والے افعال کی تعلیم، ﴿میں عقل قاصر ہے﴾ اور نبی شارع، طبیب حاذق کی طرح ہوتا ہے جو ادویہ اور ان کی طبائع اور خواص کو جانتا ہے، جن کی معرفت عام لوگوں کیلئے ممکن ہے تو تجربہ کے ساتھ طویل زمانے میں ممکن ہے، اس میں وہ ان کے فوائد سے محروم رہتے ہیں اور ان کے استعمال سے پہلے ہی وہ مہالک میں مبتلا ہو جاتے ہیں کیونکہ اس عرصے میں وہ ایسی ادویات بھی استعمال کریں گے جو ان کے لئے مہلک ہوں گی اور وہ اس کو نہیں جانتے، پھر ان امور کے ساتھ ان کے مشغول ہونے سے نفس کا اتعاب، ضروری صناعات کا تعطل اور مصالح معاش سے اعراض لازم آتا ہے، جب وہ طبیب کی جانب سے مطمئن ہو گئے تو بوجھ ہلکا ہو گیا اور اس سے فائدہ اٹھا گئے اور ان امور کے نقصانات سے محفوظ رہے، پس جس طرح مذکورہ امور کی معرفت کے امکان کے باوجود طبیب سے بے نیاز نہیں ہوا جا سکتا اس طرح تکالیف اور احوال افعال کی معرفت کے امکان کے باوجود ان میں عقل کے تامل کے ساتھ مبعوث سے بے نیازی کیسے روا ہے، جب کہ نبی وہ کچھ جانتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے، بخلاف طبیب کہ صرف فکر وتجربہ کی وجہ سے ان جمیع ﴿امور﴾ کی طرف توصل ممکن ہے جو کہ وہ جانتا ہے، پس جب کوئی اس ﴿طبیب﴾ سے مستغنی نہیں ہو سکتا تو نبی اس سے اولیٰ ہے ﴿کہ اس سے مستغنی نہ ہو جائے﴾ اس میں اثبات نبوت اور حسن تکلیف میں مذہب حکما کی بیان کردہ تقریر اور اس کلام کا تتمہ ہے۔

چھٹا اعتراض:

معجزہ ممتنع ہے کیونکہ وہ خرقِ عادت ہے اور اس کا جواز سفسطہ ہے لہذا وہ نبوت کو ثابت نہیں کرتا۔

جواب:

بے شک خرق عادات آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، کی تخلیق اول سے زیادہ عجیب نہیں اور بعض صورتوں میں عدم وقوع خرق کا یقین فی نفسہ اس کے امکان کے منافی نہیں، اس کے علاوہ انبیا کرام اور اولیا عظام سے خرق عادت، عادت مستمرہ ہے جو ہر زمانہ میں پائی جاتی ہے، پس عاقل منصف کیلئے اس کا انکار ممکن نہیں، بلکہ ہم ﴿متکلمین﴾ تو کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک معجزہ وہ ﴿چیز﴾ ہے جس کے ساتھ مدعی رسالت کی تصدیق ہو اگرچہ وہ خرق عادت نہ ہو۔

میں کہتا ہوں کہ اس میں نظر ہے، اسلئے کہ یہ اس ﴿امر﴾ کے منافی ہے جو شرائط معجزہ میں گزر چکا ہے کہ خرق عادت معجزہ میں شرط ہے، اگر یہ نہ ہو تو معجزہ دیگر امور معتادہ کی طرح صدق پر دلالت نہیں کرسکتا، پس تم غور کرو۔

ساتواں اعتراض:

ظہور معجزہ صدق پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ اس کا احتمال ہے کہ یہ اس کا فعل ہو، اللہ تعالی کا فعل نہ ہو، جیسا کہ جادوگر اور امور غریبہ میں اس کی حقیقت وتاثیر پر تم سب کا اجماع ہے یا طلسم کی وجہ سے، جس کی معرفت سے وہ خاص ہوتا ہے۔

جواب:

تجویزات عقلیہ علم عادی کے منافی نہیں ہوتیں جیسا کہ محسوسات میں ہوتا ہے کیونکہ ہم یقین کرتے ہیں کہ جسم معین کا حصول اس کے عدم کے فرض کو منع نہیں کرتا، اس کا بدل اس کے حصول کے یقین کے ساتھ ایسا یقین ہے جو واقع کے مطابق ہے اور ایسے ثابت ہے کہ اس کی طرف حس کا کوئی شبہ نہیں نکلتا جو کہ اس کا مضبوط شہادت کے ساتھ شاہد ہے اور عادت بھی حس کی طرح علم کا ایک طریقہ ہے، پس جائز ہے کہ جس طرح حس کسی شے کا یقین کرتی ہے ایسے عادت کی جہت سے اس کا یقین کیا جائے، اس کے باوجود کہ فی نفسہ اس کے نقیض کا امکان ہے، اپنے موضع پر روشن ہو چکا ہے کہ وجود میں موثر صرف اللہ ہے، پس معجزہ اسی کا فعل ہے، مدعی کا نہیں اور سحر وغیرہ اعجاز کی اس حد تک نہیں پہنچ سکتے جیسا کہ سمندر کا پھاڑنا، مردوں کو زندہ کرنا، اندھوں اور برص والوں کو شفا دینا، تو ظاہر ہوا کہ معجزہ کے ساتھ سحر کا التباس نہیں ہوتا تو کوئی اشکال نہیں اور اگر حد اعجاز کو پہنچے تو یہ دعویٰ نبوت اور تحدی کے بغیر ہوگا تو پھر ظاہر ہوا کہ اس میں التباس نہیں، یا پھر ان دونوں کا دعویٰ کرے تو یہاں ان دونوں صورتوں میں ایک کا ہونا ضروری ہے، ایک تو یہ کہ اللہ اس کو اس کے ہاتھ پر تخلیق نہ فرمائے گا یا یہ کہ اس کے سوا کوئی دوسرا آدمی اس کے معارضہ پر قادر ہوگا اور ﴿ اگر دونوں صورتیں نہیں ﴾ تو کاذب کی تصدیق ہوگی اور وہ کذب ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔

آٹھواں اعتراض:

جس نے مشاہدہ نہ کیا ہو اس کیلئے حصول معجزہ کا علم تواتر سے ہی ممکن ہے اور وہ علم کو مفید نہیں، پس کسی کی نبوت کا علم اسے حاصل نہیں ہو سکتا جس نے اس کا معجزہ نہ دیکھا اور تواتر اس لئے علم کو مفید نہیں کہ اہل تواتر میں سے ہر کسی پر کذب کا جواز ﴿ممکن﴾ ہے تو اس طرح کل پر کذب کا جواز ممکن ہوا کیونکہ کل کا کذب ﴿ان میں سے﴾ ہر ایک کا کذب ہے۔

جواب:

کل ہونے کی حیثیت سے کل کے حکم اور واحد کے حکم میں مساوات نہیں بنتی اس لئے کہ دیکھا جاتا ہے کہ دس آدمی ﴿ایک چیز کی﴾ تحریک پر قادر ہیں جبکہ اس پر ہر ایک شخص ﴿اکیلے﴾ قادر نہیں۔

نواں اعتراض:

انہوں نے کہا کہ ہم نے شرائع کی اتباع کی تو ہم نے اُن کو ان ﴿امور﴾ پر مشتمل پایا جو عقل و حکمت سے موافق نہیں، ہم نے جان لیا کہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہیں، وہ جیسا کہ حیوان کے ذبح کی اباحت اور طعام کی منفعت ﴿حاصل کرنے کیلئے﴾ اسے تکلیف دینا وغیرہ اور ایام معینہ میں بھوک اور پیاس کو برداشت کرنے کے ایجاب اور ان لذتوں سے روکنا جن سے بدن کی صلاح ہے اور افعال شاقہ اور بعض مواضع کی زیارت کیلئے میدانوں کو طے کرنے کی تکلیف، بعض کا وقوف،

بعض کی سعی اور بعض کا طواف حالانکہ وہ مقامات ایک ہیں، مجنوؤں اور بچوں کی طرح ہونا کہ ننگے پیر اور ننگے سر رہنا اور غیر موجود کی طرف رمی کرنا، ایک پتھر کو چومنا جس کی سارے پتھروں پر کوئی فضیلت نہیں اور مثلاً آزاد خوبصورت عورتوں کی طرف دیکھنے کو حرام کرنا اور حسین لونڈیوں کی طرف دیکھنے کو جائز ٹھہرانا۔

جواب:

حسن وقبح کے بارے میں حکم عقل کو اور اللہ تعالیٰ کے افعال میں غرض کے وجوب کو تسلیم کرنے کے بعد جواب یہ ہے کہ بے شک ان مذکورہ صورتوں میں غایت درجہ یہی ہے کہ ان کی حکمت کی واقفیت نہیں، اس سے یہ لازمی نہیں کہ نفس الامر میں کوئی حکمت موجود نہیں ہوتی، بہت ممکن ہے کہ وہاں کوئی ایسی مصلحت ہو جس کا علم اللہ تعالیٰ کیلئے خاص ہو اور ہم یہ پہلے واضح کر چکے ہیں کہ بے شک عقل سے اوپر ایک طریقہ ہے جس میں ایک ایسی آنکھ کھلتی ہے جس سے ﴿آدمی﴾ غیب اور مستقبل میں ہونے والے ان امور کو مشاہدہ کر لیتا ہے جن سے عقل معزول ہوتی ہے، جس طرح کہ قوت حس، مدرکات تمیز سے قاصر ہے اور میں اس کی مزید تحقیق مسلک ثانی کی ابتداء میں عنقریب رقم کروں گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

……﴿مسلکِ ثانی﴾……

خاتم الانبیا ﷺ کی نبوت کے اثبات میں:

جان لو! کہ بعض امور کے ایسے خواص ہوتے ہیں کہ نگاہِ عقل اس کے

حوالی کا ہرگز احاطہ نہیں کر سکتی، ہو سکتا ہے عقل ان کے کذب پر حکم لگا دے اور ان کو محال سمجھے، لہذا چاہئے کہ ہم ان امور کے امکان بلکہ ان کے وجود پر دلیل قائم کریں، پس ہم کہتے ہیں کہ افیون ایک دانق کے وزن برابر سم قاتل ہے، اس لئے کہ وہ اپنی ٹھنڈک کے سبب رگوں میں خون کو سرد کر دیتی ہے، جو آدمی طبعی علم کا دعویدار ہے وہ گمان کرتا ہے کہ سب سے بارد مرکب پانی اور مٹی کا مرکب ہے، یہ دونوں عنصر بارد ہیں اور یہ معلوم ہے کہ کئی سیر آب و خاک باطن میں اس حد تک اپنی تبرید کو نہیں پہنچتے اور اگر کسی طبیعی کو اس کی خبر دی جائے، اس نے اس کا تجربہ نہ کیا ہو تو کہے گا کہ یہ محال ہے اور اس کے استحال پر دلیل یہ ہے کہ بے شک اس ﴿افیون﴾ میں ناریت اور ہوائیت دونوں ﴿تاثیریں﴾ موجود ہیں اور سبھوں میں آب و خاک سے اندازہ قائم کیا جائے تو تبرید میں اس قدر افراط لازم نہیں آتا اور اگر اس میں دو گرم چیزیں ﴿نار و ہوا﴾ ضم کی جائیں تو بدرجہ اولیٰ ٹھنڈک پیدا نہ ہوگی اور یہ ہے ہماری دلیل، طبیعیات و الہیات کے بارے میں فلاسفہ کے اکثر دلائل اسی قسم کے ہیں کیونکہ انہوں نے تمام امور کا تصور اس کے مطابق کیا ہے جیسا کہ انہوں نے ﴿انہیں﴾ پایا اور سمجھا ہے اور جسے انہوں نے نہیں سمجھا تو اس کا محال ہونا فرض کر لیا، اسی صورت میں ایک شخص سچے خوابوں سے مالوف ﴿مانوس﴾ نہیں ہے اور ایک شخص دعویدار ہو کہ وہ حواس کے زائل ہوتے وقت غیب کو معلوم کر لیتا ہے تو اس قسم کی عقلوں کے معترف اس کا انکار کر دیں گے، اگر کسی آدمی سے سوال کیا جائے کہ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ دنیا میں کوئی

چیز دانہ کے برابر نہ ہو، اسے شہر میں رکھ دیا جائے تو وہ سارے شہر کو تباہ کر دے اور پھر وہ اپنے آپ کو بھی کھا جائے کہ وہ فی نفسہ باقی نہ رہے، وہ کہے گا کہ یہ محال ہے، جو کہ منجملہ خرافات میں سے ہے، لیکن یہ آگ کی حالت ہے، اس حالت کو سن کر وہی انکار کرے گا جس نے آگ کا مشاہدہ نہ کیا ہو، اکثر احکام شرائع اور عجائب آخرت کا انکار اسی قبیلے سے ہے، طبیعی مجبوراً کہے گا کہ افیون میں ٹھنڈک کی ایسی خاصیت ہوتی ہے جو اس قیاس پر طبیعت سے معقول نہیں، پھر تم اس کے جواز کو کیوں تسلیم نہیں کرتے کہ اوضاع شرعیہ میں قلب کے علاج اور تصفیہ کے ایسے خواص ہوتے ہیں جن کا حکمت عقلی سے ادراک نہیں ہو سکتا، بلکہ وہ خواص صرف نگاہ نبوت سے دیکھے جاتے ہیں اور ان لوگوں نے تو ایسے خواص کا اعتراف بھی کیا ہے جو ان ﴿خواص﴾ سے بھی زیادہ عجیب ہیں، چنانچہ ان لوگوں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے، ان میں ایک عجیب اور مجرب خاصیت اس شکل کی ہے جو حاملہ کی دردزہ کے وقت دو خشک ٹھیکریوں پر بنائی جاتی ہے اور ان دونوں کو حاملہ کے دونوں پاؤں کے نیچے رکھ دیا جاتا ہے اور حاملہ ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھتی رہے تو جلدی ولادت ہو جاتی ہے، ان لوگوں ﴿فلاسفہ﴾ نے اس کے امکان کو مان بھی لیا ہے اور اسے خواص عجیبہ ﴿کے باب﴾ میں شمار کیا ہے، یہ شکل اس طرح ہے کہ اس کے ﴿جدول﴾ کے نو خانے ہیں، ہر خانہ میں مخصوص رقمیں لکھی جاتی ہیں، ان سب ہندسوں کا مجموعہ طول و عرض کے لحاظ سے پندرہ ہوتا ہے، جدول یہ ہیں۔

د	ج	ح
ط	ه	ا
ب	ز	و

٦	٧	٢
١	٥	٩
٨	٣	۴

٢	٩	۴
٧	٥	٣
٦	١	٨

کاش میں جان سکتا کہ جو لوگ اس کی تصدیق کرتے ہیں ان کی عقل اس بات کی تصدیق کیوں نہیں کرتی کہ نماز فجر میں دو رکعتوں، ظہر میں چار رکعتوں اور مغرب میں تین رکعتوں کا مقرر کرنا بھی انہی خواص کی بدولت ہے جو بنظر حکمت معلوم نہیں ہوتے، حالانکہ ان کا باعث ان وقتوں کا اختلاف ہے اور ان خواص کا ادراک نور نبوت سے ہی ہو سکتا ہے اور عجیب امر تو یہ ہے کہ اگر اس عبارت کو نجومیوں کی عبارت سے تبدیل کر دیا جائے تو وہ ان اوقات کے اختلاف کا ضروری اعتراف کر لیں اور وہ اس پر دلائل مرتب کریں، لہذا ہم کہتے ہیں کہ کیا حکم اور طالع مختلف نہیں جیسا کہ سورج آسمان کے درمیان ہو یا مشرق میں ہو یا مغرب میں ہو، وہ بولے کیوں نہیں۔

یہاں تک کہ انہوں نے اسی پر اپنی تقویمات، اختلاف مطالع اور عرصوں اور عمروں کی بنیاد قائم کی، پس زوال اور وسطِ آسمان میں سورج کے ہونے میں کوئی فرق نہیں اور نہ مغرب اور مغرب میں سورج کے ہونے میں کوئی فرق ہے، اس کی تصدیق کا سبب اس کے سوا اور کیا ہے کہ اس کو کسی نجومی کی عبارت سے سنا ہے جس کے کذب کا سینکڑوں مرتبہ تجربہ ہوا ہے اور اس کی مسلسل تصدیق کرتا ہے حتیٰ کہ نجومی کہے کہ اگر سورج آسمان کے درمیان ہو اور اس کی سمت فلاں ستارے توجہ کر

رہے ہوں اور تو اس وقت نیا لباس پہنے تو تو اسی لباس میں قتل کر دیا جائے گا، پس وہ اس وقت کپڑے نہیں پہنتا حالانکہ شدید سردی کی تکلیف برداشت کر لے گا، کاش میں جان سکتا کہ جن لوگوں کی عقلیں ان حیرت ناک باتوں کو مان لیتی ہیں اور وہ اس اعتراف پر مجبور نظر آتے ہیں کہ یہ ایسے خواص ہیں جن کی معرفت بعض انبیا کا معجزہ ہے تو پھر اس قسم کی باتوں کا انکار کیسے کر سکتے ہیں جو ایک نبی صادق سے سنی گئی ہیں اور اُن کی تائید معجزات سے کی گئی ہے اور ان کا کذب کبھی معلوم نہیں ہو سکا اور تعداد رکعات میں رمی جمار میں، تعداد ارکان حج اور دیگر عبادات شرعیہ میں ان خواص کا امکان کیوں ان کی عقل میں نہیں سماتا، حالانکہ ہم ان میں اور ادویات و نجوم کے خواص میں کوئی فرق نہیں دیکھتے۔

پس اگر وہ کہے کہ میں نے نجوم وطب کا کچھ تجربہ حاصل کیا اور ان کا کچھ حصہ درست پایا، اس لئے میرے دل میں اس کی تصدیق راسخ ہو گئی، میرے دل سے اس کا بعید ہونا اور قابل نفرت ہونا مٹ گیا، لیکن یہ ﴿شریعت کے احکام﴾ ایسے امور ہیں جن کا میں نے تجربہ نہیں کیا تو میں ان کے وجود اور حقیقت کو کیسے جان سکتا ہوں، اگرچہ ان کے امکان کو تسلیم کر لوں، میں کہتا ہوں کہ تم صرف ان امور ﴿کی حقانیت﴾ پر ہی اکتفا نہیں کرتے جن کا تمہیں تجربہ حاصل ہوا، بلکہ تم نے تجربہ کاروں کی خبریں سنیں اور ان میں ان کی پیروی کی ہے، لہذا تم اولیاء کرام کے اقوال سنو جنھوں نے ان ﴿امور﴾ کا تجربہ کیا ہے اور شریعت کے تمام وارد احکام میں انہوں نے حق کو خوب دیکھا ہے، ان کا راستہ اپناؤ گے تو تم بعض مشاہدہ کا

ادراک کرلو گے، میں مزید کہتا ہوں کہ اگر چہ تم نے ان ﴿امور﴾ کا تجربہ حاصل نہیں کیا لیکن تمہاری عقل تو تصدیق اور اتباع کے واجب ہونے کا تقاضا کرتی ہے، اگر ہم فرض کریں کہ ایک آدمی عاقل و بالغ ہے لیکن تجربہ کار نہیں، وہ بیمار ہو جائے اور اس کا والد بھی ہے جو شفیق اور ماہر طب ہے اور جب سے اس شخص نے ہوش سنبھالا ہے، اسی وقت سے وہ ﴿اپنے﴾ والد سے علم طب کا دعوی سنتا رہا ہے، اب اس کا والد اس کیلئے کوئی دوا تجویز کرے اور کہے کہ یہ تمہاری بیماری کیلئے فائدہ مند ہے اور تمہاری بیماری کیلئے شفا بخش ہے تو اس کی عقل جس شے کا تقاضا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ دوا کو استعمال کرے، اگر چہ تلخ ہو اور ذوق کو بری لگے اور اگر وہ اس کی تکذیب کرے اور کہے کہ اس شفا بخش دوا کی مناسبت میری عقل سے باہر ہے اور یہ کہ میں نے اس کا کوئی تجربہ نہیں کیا ہے تو تم اس ﴿شخص﴾ کو بیوقوف ہی تصور کرو گے۔

اگر تم یہ کہو کہ نبی اکرم ﷺ کی شفقت اور اس طب سے آپ کی واقفیت کیسے معلوم ہو گی، میں جواب دیتا ہوں کہ تم نے اپنے والد کی شفقت کیسے معلوم کی، یہ کوئی محسوس امر نہیں ہے بلکہ تم اس کو اس کے قرائن احوال اور شواہد اعمال کے ذریعہ ﴿دیکھتے ہو اور﴾ بلاشبہ اس کے مصادر اور موارد میں تمہیں یقینی علم ہوا ہے، جس انسان نے رسول اکرم ﷺ سے منقول اقوال و اخبار میں فکر کیا کہ آپ نے لوگوں کے حق کی اصلاح کیلئے مخلوق کی راہنمائی کی، تو وہ یقیناً جان لے گا کہ امت پر حضور اکرم ﷺ کی شفقت اس شفقت سے کہیں زیادہ ہے جو باپ بیٹے پر کرتا ہے اور

اگر ان افعال عجیبہ پر غور کرے جو آپ سے ظاہر ہوئے اور عجائب غیبیہ پر غور کرے جن کے بارے میں آپ کی زبان کے ذریعے قرآن نے خبر دی اور زمانہ آخر کے متعلق اخبار پر غور کرے اور آپ کے ذکر کے مطابق ان کے واقع ہونے پر غور کرے تو وہ ضرور جان لے گا آپ واقعی اس مقام پر فائز ہیں جو عقل سے ماورا ہے اور اس میں وہ آنکھ وا ہوتی ہے جس سے غیب ﴿ آشکار ہوتا ہے ﴾ اور وہ خواص و امور ظاہر ہوتے ہیں، عقل جن کے ادراک سے قاصر ہے، حضور نبی اکرم ﷺ کے صدق کے علم ضروری کے حصول کا یہی طریقہ ہے، تم قرآن پاک پر غور کرو، اخبار کا مطالعہ کرو تو تم کو ﴿ انکا صدق ﴾ ظاہراً معلوم ہو جائے گا، حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح بیان فرمایا ہے۔

اور ارشاد فرمایا ہے کہ اگر تم کو کسی شخص معین کی نبوت میں شک ہو تو تمہیں اس کا یقین صرف اسی طرح حاصل ہوگا کہ تم اس کے احوال کا علم، مشاہدہ سے یا تواتر سے یا ایک دوسرے سے حاصل کرو، کیونکہ جب تم نے طب و فقہ کو جان لیا تو تمہارے لئے ممکن ہے کہ تم اطبا اور فقہا کو بھی ان کے احوال کا مشاہدہ کر کے اور عدم مشاہدہ کی صورت میں اقوال کو سن کے پہچان سکتے ہو۔

چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے فقیہ اور جالینوس کے طبیب ہونے کی معرفت سے تم عاجز نہیں رہو گے اور یہ معرفت حقیقی ہے، تقلیدی نہیں، اگر تم کچھ فقہ و طب کا مطالعہ کرو گے ان کی کتابوں اور تصنیفوں کا مطالعہ کرو گے تو تم ان دونوں کے احوال کا علم ضروری نصیب ہو جائے گا، ایسے ہی اگر تم نے نبوت کے معنی سمجھ لئے تو

قرآن اور اخبار پر خوب غور کرو، اس وقت اس بات کا علم ضروری حاصل ہو جائے گا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نبوت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں اور اس بات کی تائید اس کے تجربہ سے بھی حاصل ہوتی ہے۔

جو کچھ آپ نے دلوں کے تصفیہ کے بارے میں عبارت اور ان کی تاثیر میں بیان فرمایا، حضور اکرم ﷺ اپنے اس فرمان میں کس قدر صادق ہیں کہ ‘من عمل بما علم ورثه الله علم مالم يعلم’ جو آدمی جس پر عمل کرے اللہ اس کو اس کے علم کا وارث بنا دیتا ہے جس کو وہ نہیں جانتا اور آپ کا یہ ارشاد کتنا سچا ہے ‘من اعان ظالماً سلطه الله تعالیٰ عليه’ جس نے کسی ظالم کی مدد کی اللہ نے اس ظالم کو اس پر مسلط کر دیا اور آپ کا یہ فرمان کیا خوب ہے ‘من اصبح و هم هم واحد كفاه الله هموم الدنيا والآخرة’ جس نے اس طرح صبح کی کہ اس کو ایک ہی غم ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا و آخرت کے غموں سے کافی ہے، پس اگر تم نے ان ﴿ارشادات﴾ کا ہزار دو ہزار بار بھی تجربہ کیا تو تمہارے لئے اسی کا یہی ”علم ضروری“ حاصل ہوگا کہ اس میں کوئی شبہ نہیں، چنانچہ اس طرح سے نبوت کا یقین طلب کرو، یہ مضبوط علمی ایمان ہے، باقی رہا ذوقی ﴿ایمان﴾ تو وہ مشاہدے اور اخذ بالعدد کی طرح ہے جو صرف صوفیا کرام کے طریقے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

اثبات النبوۃ کی وجوہ:

علما کرام نے حضور نبی کریم ﷺ کی نبوت کے اثبات میں متعدد وجوہ بیان کی ہیں۔

وجہ اول:

جمہور علما کرام کے نزدیک یہی عمدہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے نبوت کا دعویٰ فرمایا اور آپ کے دست اقدس پر معجزہ ظاہر ہوا، اولاً: معجزہ متواتر ہے، ایسا متواتر کہ اس کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کی طرح سمجھا جا سکتا ہے، لہذا اس کے انکار کی کوئی گنجائش ہیں، ثانیاً: آپ کا معجزہ قرآن وغیرہ ہے، قرآن پاک اس لئے معجزہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اس کی تحدی فرمائی اور کوئی اس کا معارضہ نہ کر سکا، اس لئے یہ معجزہ ہے، رہی تحدی تو یہ بھی متواتر ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں، قرآن پاک میں تحدی کی کثیر آیات مبارکہ ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ’فلیاتوا بحدیث مثلہ‘ پس وہ اس جیسی کوئی بات لے آئیں، اور فرمایا ’فاتوا بعشر سور مثلہ‘ اس جیسی دس سورتیں لے آؤ اور فرمایا ’فاتوا بسورۃ من مثلہ‘ مثلاً اس جیسی ایک ہی سورت لے آؤ۔

اب یہ کہنا کہ کسی نے معارضہ نہیں کیا، اس کی دلیل یہ ہے کہ جب قرآن پاک نے تحدی کی اور عرب کے بلغا و فصحا کو اس جیسی ایک سورت پیش کرنے کا چیلنج دیا حالانکہ وہ وادی بطحا کے پتھروں سے بھی زیادہ تھے، آپ کے دعویٰ کو باطل کرنے

والی چیز کو شائع کرنے پر بہت حریص تھے، بہت زیادہ جاہلی عصبیت وحمیت کے اعتبار سے اور مباہات اور سبقت لے جانے کیلئے ایک دوسرے کو قتل کر دینے میں مشہور تھے، لیکن اس جیسی چھوٹی سی سورت بھی پیش کرنے میں عاجز آ گئے، جہان تک کہ حروف کی معارضت کی بجائے سیوف کی مقارعت پر اتر آئے، پس اگر وہ معارضہ پر قادر ہوتے تو ضرور معارضہ کرتے اور اگر معارضہ کرتے تو ﴿اس کا علم﴾ ہم تک بتواتر پہنچتا کیونکہ اس کے نقل کے دواعی بہت زیادہ تھے، ﴿وہ تواتر ایسے ہوتا جیسے﴾ خطیب کا منبر پر قتل کیا جانا، سو ان تمام امور کا علم تمام عادیات کی طرح قطعی ہے۔

اور یہ امر کہ جس چیز کی تحدی کی جائے اور اس کا معارضہ نہ کیا جائے تو وہ چیز معجزہ ہے، جیسا کہ حقیقت معجزہ اور اس کی شرائط کے ذکر میں گزر چکا ہے، اس پر کچھ اعتراضات کئے جاتے ہیں:

پہلا اعتراض:

یہ کہا جاتا ہے کہ شاید یہ تحدی ان تک نہ پہنچی ہو جو اس کا معارضہ کرنے کی قدرت رکھتے ہوں، یا پھر معارضہ کو مدعی کا ہم خیال ہوتے ہوئے اس لئے چھوڑ دیا ہو کہ مدعی کی دولت سے حظ وافر وصول کریں۔

دوسرا اعتراض:

یا یہ کہ شاید ان لوگوں نے اس ﴿مدعی کی دعوت﴾ کو حقیر سمجھا ہو اور خیال کیا

ہو کہ اس کی دعوت مکمل ہونے والی نہیں اور آخر میں اس کی شدید شوکت اور کثرت متبعین کے سب اس سے خائف ہو گئے ہوں یا ان کی تقویم معیشت کی احتیاج نے معارضہ سے روک دیا ہو۔

تیسرا اعتراض:

یہ ممکن ہے کہ معارضہ کیا گیا ہو لیکن کسی مانع کی وجہ سے ظاہر نہ ہو سکا یا ظاہر ہوا مگر اس کے اصحاب متبعین نے اپنے استیلا کی وجہ سے چھپا دیا اور اس کے آثار ختم ہو گئے جہاں تک کہ بالکل ہی محو ہو گیا۔

اس کا اجمالی جواب تو پہلے گزر چکا ہے کہ عقلی تجویزات علم عادی کے منافی نہیں ہوتیں، جیسا کہ محسوسات میں ہوتی ہیں، پہلا اعتراض یعنی یہ کہ شاید تحدی ان لوگوں کو نہ پہنچی ہو جو اس کا معارضہ کرنے پر قدرت رکھتے ہوں، اس کا تفصیلی جواب اس طرح دیا جا سکتا ہے کہ مدعی نبوت اگر کوئی ایسی چیز پیش کرے جو اس کے دعویٰ ﴿نبوت﴾ کی مصدق ہو اور وہ اس کی تحدی بھی کرے کہ لوگ اس کے معارضہ سے عاجز آ جائیں تو ضروری و عادی علم حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ مدعی اپنے دعویٰ میں صادق ہے اور اس میں مذمت کرنا سراسر سفسطہ ہے۔

اور دوسرا اعتراض یہ کہ شاید ان لوگوں نے اس کو حقیر سمجھا اور آخر میں خائف ہو گئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ عادی و وجدانی ضرورت کے ذریعے علم ہو جاتا ہے کہ لوگ اس ﴿مدعی﴾ کے معارضہ کی طرف پیش قدمی کریں جو کسی ایسے

امر جلیل میں منفرد ہونے کا مدعی ہو، جس میں اپنے ہم عصر لوگوں پر اسے برتری نصیب ہو اور وہ لوگوں کو ﴿اپنی﴾ اطاعت کی دعوت دے، لوگوں کی جان و مال کے بارے میں حکم جاری کرے اور یہ بھی ہدایت کے ساتھ معلوم ہے کہ ایسے امور میں کوئی اس طرح اعتراض نہیں کر سکتا کہ معارضہ کرنے کی طرف بالکل متوجہ نہ ہو، اس طرح اس کی دلالت جہت صرفہ کی بنیاد پر ظاہر ہے، کیونکہ نفوس جب اس پر جبلی طور پر پیدا کئے گئے ہیں پھر ان کا اس سے روک دینا امر خارق عادت ہے، جو صدق مدعی پر دلالت کرتا ہے، اگرچہ اس نے وہ چیز پیش کی جو دوسروں کی طاقت میں ہو۔

اور تیسرا اعتراض یہ کہ شاید اس کا معارضہ کیا گیا ہو لیکن کسی معانع کی وجہ سے ظاہر نہ ہو سکا تو اس کا جواب اس طرح ہے کہ علم عادی ہے کہ ہر تقدیر پر قدرت معارضہ ضروری ہے، اس طرح یہ بھی علم عادی ہے کہ اس کا اظہار ضروری ہے، اس لئے کہ اس سے مقصود پورا ہوتا ہے اور بعض اوقات و اماکن میں مانع کے احتمال سے ضروری نہیں کہ تمام اوقات و اماکن میں احتمال پایا جائے، بلکہ ضروریات عادی کے سبب اس کا انتفا معلوم ہے، پس اگر معارضہ ہوا تو اس کا خفیہ رکھنا محال ہے کہ اصحاب مدعی کی جانب سے ان کے غلبے کے وقت اخفا ممکن نہیں ہے اور نہ ان کے علاوہ کوئی اخفا کر سکتا ہے، لہذا تمام احتمالات دفع ہو گئے اور قطعی دلالت ثابت ہو گئی۔

متکلمین کا اختلاف:

خوب جان لو کہ متکلمین ﴿اہل ملت﴾ نے قرآن کے اعجاز کی وجہ سے اختلاف کیا ہے، کہا گیا ہے کہ وہ نظم غریب اور اسلوب عجیب پر مشتمل ہے جو عرب کے نظم ونثر کے خلاف ہے، سورتوں اور قصوں کے شروع اور آخر میں جو ہیں اور وہ فواصل آیات جو کلام عرب میں بمنزلہ سجع ہیں یہ سب قرآن میں ایسے واقع ہوئے ہیں کہ کلام ﴿عرب﴾ میں ان کی مثال نہیں ملتی، چنانچہ وہ اس سے عاجز آ گئے، بعض معتزلہ کا یہی خیال ہے۔

○......اہل عربیہ اور جاحظ معتزلی کا بیان ہے کہ قرآن بلاغت کے اعلیٰ مقام پر اپنی ان ترکیبوں کی وجہ سے فائز ہے جن کی مثال ان ﴿اہل عرب﴾ کی ترکیبوں میں نہیں پائی جاتی، ان کی بلاغت کے درجے اس سے قاصر ہیں چنانچہ جس آدمی نے عربیت اور اس کے فنون بلاغت کو جان لیا اس نے قرآن کے اعجاز کو جان لیا۔

○......قاضی باقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: قرآن دو باتوں کا مجموعہ ہے، نظم غریب اور بلاغت کا درجہ عالیہ۔

○......بعض کہتے ہیں کہ قرآن کی وجہ اعجاز غیب کے بارے میں خبر دینا ہے، جیسے ﴿فرمایا﴾ 'وھم من بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین' اور وہ لوگوں کے غلبہ کے بعد چند برسوں میں غالب

آ جائیں گے، اس ﴿خبر﴾ میں یہ ﴿خبر غیب﴾ بتائی گئی ہے کہ اہل روم، اہل ایران پر تین سے لے کر نو سال کے عرصے تک غالب آ جائیں گے، بے شک ویسے ہوا جیسے خبر دی گئی تھی۔

○...... یہ بھی کہا گیا ہے کہ قرآن کی وجہ اعجاز اختلاف اور تناقض کا نہ ہونا ہے، حالانکہ اس میں طول و امتداد ہے، انہوں نے اس آیت سے تمسک کیا 'ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیرا'، یعنی اگر یہ غیر اللہ کی جانب سے ہوتا تو اس میں تم بہت زیادہ اختلاف پاتے۔

○......اور کہا گیا ہے کہ قرآن کا اعجاز بالصرفہ ہے، یعنی عرب بعثت سے پہلے قرآن کی مثل کلام لانے پر قدرت رکھتے تھے، لیکن اللہ نے ان کو معارضہ سے پھیر دیا، اس کیفیت صرف میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔

○......ہم میں سے استاد گرامی ﴿غالباً امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ﴾ اور معتزلہ میں سے نظام نے کہا کہ ان کو ان کی قدرت کے باوجود روک دیا گیا، یعنی وہ اس طرح کہ اس نے ان کے دواعی کو ان کی طرف پھیر دیا، باوجودیکہ ﴿معارضہ﴾ ان کی جبلت میں داخل تھا خصوصاً ان کے حق میں اسباب داعیہ بہت زیادہ تھے، مثلاً یہ کہ عجز متفرع اور ریاست اور تکلیف اطاعت کا استنزال ﴿وغیرہ﴾

○……شیعہ میں سے مرتضٰی نے کہا کہ ان سے وہ علوم چھین لئے گئے جن کی معارضہ میں ضرورت ہوتی ہے۔

اعجاز قرآن پر اعتراضات اور جوابات:

قرآن پاک کے اعجاز میں قادحین کے کچھ شبہات واعتراضات ہیں۔

پہلا اعتراض:

اعجاز کی وجہ کیلئے واجب ہے وہ اس شخص کیلئے ظاہر ہو جو اس سے استدلال کرتا ہے اور اس میں تمہارا اختلاف اس کے خفا کی دلیل ہے۔

جواب:

اختلاف اور خفا کسی ایک وجہ میں واقع ہو تو وہ اختلاف وخفا نہیں، بے شک قرآن کا مجموعہ، بلاغت، نظم غریب، اخبار غیب اور علم وعمل کے اعتبار سے حکمت بالغہ پر مبنی ہے اور اس کے علاوہ اعجاز کی جتنی وجوہ بیان کی گئی ہیں سب کے لحاظ سے معجز ہے، اگر اختلاف کسی ایک وجہ میں واقع ہوا تو یہ نظروں کا اختلاف ہے، یا ان نظر والوں کے مبلغ علم کا نتیجہ ہے، یہ بات ہرگز نہیں کہ اگر مذکورہ وجوہ میں سے کسی ایک وجہ سے معجز نہیں تو ان کے مجموعہ کی وجہ سے بھی معجز نہیں، بہت سے اہل بلاغت ایسے ہیں جو نظم یا نثر پر قدرت رکھتے ہیں اور دوسرے پر نہیں اور یہ بات بھی ہرگز درست نہیں کہ جو چیز ہر ایک کیلئے ثابت ہو وہ کل کیلئے اسی طرح ثابت ہو کہ وہ کل ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ پوشیدہ نہیں کہ اس جواب کا تقاضا یہ ہے کہ فقط قرآن کا مجموعہ معجز ہو مگر اس کی کسی چھوٹی سی سورت کی مقدار معجز نہ ہو، یہ واقعہ کے خلاف ہے، اسلئے کہ اس کی چھوٹی سی سورت کی مقدار بھی معجز ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

پس اگر تم کہو کہ جواب دینے والا یہ چاہتا ہے کہ قرآن کا مجموعہ ان مذکورہ وجوہ اعجاز کے مجموعہ کے باعث معجز ہے اور اس کی ہر سورت ان وجوہ اعجاز میں سے کسی ایک غیر متعین وجہ کے باعث معجز ہے تو میں کہوں گا کہ اس طرح معترض کا اعتراض دفع نہیں ہوسکتا، وجہ اعجاز کیلئے واجب ہے کہ وہ بالکل ظاہر ہو، اس تقدیر پر وجہ اعجاز ظاہر نہیں ہوتی جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو، اللہ بچائے کہ اس کے بین و متعین ہونے کے وجوب کو ممنوع کہا جائے، یہ کسی غور کرنے والے منصف مزاج پر پوشیدہ نہیں کہ یہ کھلا مکابرہ ہے، پس فہم اختیار کرو۔

دوسرا اعتراض:

فلاں صحابہ کرام نے قرآن پاک کے بعض حصے میں اختلاف کیا، حتیٰ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے فرمایا کہ فاتحہ اور معوذتین قرآن پاک میں داخل نہیں، حالانکہ یہ ﴿تینوں﴾ مشہور سورتیں ہیں، اگر اس کی بلاغت اعجاز کی حد تک ہوتی تو یہ غیر قرآن سے ممتاز ہوتا اور وہ ہرگز اختلاف نہ کرتے۔

جواب:

قرآن کی بعض سورتوں سے متعلق صحابہ کرام کا اختلاف بذریعہ آحاد مروی

ہے، جو ظن کا فائدہ دیتے ہیں، لیکن قرآن کا مجموعہ متواتر منقول ہے، جو کہ یقین کا فائدہ دیتا ہے، لہذا یہ آحاد ﴿تواتر کے خلاف﴾ التفات کے قابل نہیں، نیز ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ صحابہ کرام نے اس پر اختلاف نہیں کیا کہ یہ ﴿حصہ﴾ حضرت محمد مصطفیٰ کریم ﷺ پر نازل نہیں ہوا اور یہ کہ یہ اعجاز کی حد تک نہیں پہنچتا، بلکہ ﴿اختلاف﴾ صرف قرآن میں سے ہونے کے بارے میں ہے اور وہ بات ہمارے مقصود کیلئے نقصان دہ نہیں۔

تیسرا اعتراض:

جمع قرآن کے وقت جب ایسا کوئی آدمی ایسی آیت لے کر آتا جو ان کے ہاں عدالت میں غیر مشہور ہوتا تھا تو اس کو ایک شاہد یا قسم کے بغیر مصحف میں شامل نہ کرتے اگر اس کی بلاغت اعجاز کی حد تک پہنچی ہوتی تو اس ﴿بلاغت کی وجہ سے﴾ جان لیتے اور اسے شامل مصحف کرنے کیلئے عدالت اور ایک شاہد یا قسم کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔

جواب:

بیشک ان کا اختلاف قرآن پاک میں مقام آیت اور اس کی تقدیم و تاخیر کے بارے میں ہے، اس کے داخل قرآن ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، کیونکہ نبی اکرم ﷺ اس کی قرأت پر مواظبت فرماتے تھے، پس جس آیت کو کوئی آدمی لے کر آیا تو اس آیت کا داخل قرآن ہونا یقینی تھا، گواہ یا قسم کا مطالبہ محض

ترتیب کیلئے تھا، لہذا یہاں کوئی اشکال نہیں، نیز اگر بالفرض ایسے ہی تھا تو ایک یا دو آیتوں کا غیر معجز ہونا ہمیں نقصان دہ نہیں، کیونکہ معجز ہونے کیلئے ضروری ہے کہ ایک سب سے چھوٹی سورت کی مقدار ہو اور سورت کم از کم تین آیتوں پر مشتمل ہوتی ہے۔

چوتھا اعتراض:

ہر صناعت کی ایک حد معین ہے، وہ اس حد پر رک جاتی ہے، اس سے بڑھ نہیں سکتی اور ہر زمانہ میں ایک ایسے آدمی کا وجود لازمی ہے جو تمام اہل زمانہ سے فائق ہو تو شاید حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اپنے معاصر میں سب سے زیادہ فصاحت والے ہوں، انہوں نے ایسا کلام پیش کیا جس سے ان کے معاصر ہی عاجز رہے، اگر یہ معجز ہے تو صناعت کے ذریعے معاصرین پر فائق ہر شخص جو کوئی بھی چیز پیش کرے وہ معجز ہوگی اور ظاہر ہے کہ یہ غلط ہے۔

جواب:

معجزہ ہر زمانہ میں اسی جنس سے صادر ہوتا ہے جو اہل زمانہ پر غالب رہتا ہے اور وہ لوگ اس زمانے میں انتہائی اعلیٰ مقام پر پہنچ کر اس حد متعاد پر رک جاتے ہیں جہاں تک رسائی کسی فرد بشر کیلئے ممکن ہے، یہاں تک کہ وہ لوگ صناعت کی حد سے خارج کوئی ایسی چیز دیکھتے ہیں تو جان جاتے ہیں کہ یہ چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اگر یہ حالت نہ ہوتی تو قوم کے ہاں نبی کا معجزہ کبھی متحقق نہ ہوتا، مثلاً

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا رواج تھا، جادو والے جانتے تھے کہ جادو کی حد تخیل اور اس شے کا وہم پیدا کرنا ہے جس کا حقیقت میں کوئی ثبوت نہیں، پھر انہوں نے دیکھا کہ ﴿حضرت موسیٰ علیہ السلام﴾ کا عصا سانپ بن گیا اور ان کے تراشے ہوئے جادو کو کھانے لگا تو انہیں معلوم ہو گیا کہ یہ جادو سے باہر ہے اور انسانی طاقت سے ماورا ہے، چنانچہ وہ ﴿جادو والے﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے، لیکن فرعون اس فن میں عاجز ہونے کی وجہ سے یہ سمجھا کہ ان کا استاد ان کو تعلیم دیتا ہے، یہی حال طب کا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں اس کا رواج غالب تھا، ان لوگوں نے معلوم کر لیا کہ مردوں کو زندہ کرنا، مادر زاد اندھوں اور برص والے کو شفایاب کرنا فن طب کی دسترس سے باہر ہے لہذا یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بلاغت مقام بلند پر فائز تھی، اسی کی وجہ سے وہ ایک دوسرے پر فخر کرتے تھے، یہاں تک کہ انہوں نے سات قصیدے کعبہ کے دروازے پر آویزاں کر رکھے تھے کہ ان کے معارضہ کی تحدی کریں، سیر کی کتابیں اس پر شاہد ہیں، پھر جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہ چیز ﴿قرآن﴾ لے کر آئے جس کی مثال پیش کرنے سے جمیع اہل بلاغت عاجز ہو گئے، حالانکہ انہوں نے کثرت سے منازعہ اور مشاجرہ سے کام لیا اور آپ کی نبوت سے انکاری ہوئے، حتیٰ کہ بعض کفر پر مرے اور بعض آپ کی نبوت کے واضح ہونے پر اسلام لے آئے اور بعض منافقین کی طرح اسلام سے دلی نفرت کے باوجود ذلت و پستی کو اپناتے ہوئے ﴿بظاہر﴾ مسلمان کہلائے اور بعض معارضہ رکیکہ میں مشغول ہوئے کہ جو

عقل مندوں کے نزدیک مضحکہ خیز ہے، مثلاً انہوں نے اس کلام کے ساتھ معارضہ کیا ’والزارعات زرعا فالحاصدات حصداً والطاحنات طحنا، والطابخات طبخا فالاكلات اكلا‘ اور بعض وہ تھے جنھوں نے جنگ وجدل کو اپنایا اور جان ومال اور اہل وعیال کیلئے پیش کیا، لہذا معلوم ہوا کہ یہ ﴿کلام﴾ یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

پانچواں اعتراض:

قرآن میں لفظ ومعنی کے اعتبار سے اختلاف ہے، حالانکہ اختلاف کی نفی ایسے کی گئی ہے کہ اگر وہ غیر اللہ کی جانب سے ہوتا تو اس میں کثیر اختلاف پاتے، لفظی اختلاف کی مثال ’کالعهن النفوش‘ کی بجائے ’كالصوف المنفوش فاسعوا الى ذكر الله‘ کی بجائے ’فامضوا الى ذكر الله، فهی كالحجارة‘ کی بجائے ’فكانت كالحجارة اور ضربت عليهم الذلة والمسكنة‘ کی بجائے ’ضربت عليهم المسكنة والذله‘ ہے اور معنوی اختلاف کی مثال ’ربنا باعد بين اسفارنا‘ امر کے صیغہ اور رب کے ندا کے ساتھ ہے اور ربنا باعد صیغہ ماضی اور رب کے رفع کے ساتھ پہلی دعا اور دوسری خبر ہے۔

دوسری مثال هل يستطيع ربك صیغہ غائب اور ضمہ با کے ساتھ ہے، اور هل تستطيع ربك صیغہ خطاب کے ساتھ ہے، پہلی میں رب کے متعلق استخبار ہے اور دوسری میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حال پوچھنا ہے۔

جواب:

اگر اختلاف جو بذریعہ آحاد منقول ہے تو مردود ہے اور جو بذریعہ تواتر منقول ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی میں داخل ہے' انزل القرآن علی سبعة احرف کلها شاف کاف'، قرآن سات حرفوں ﴿قراتوں﴾ پر نازل ہوا ان میں سے ہر ایک شافی و کافی ہے، پس لفظی و معنوی اختلاف اس کے اعجاز میں قادح نہیں۔

چھٹا اعتراض:

اس میں لحن اور بے فائدہ تکرار پائی جاتی ہے، لحن یہ ہے قول عزوجل ہے ان هذان لساحران اور لفظی تکرار کی مثال سورۃ الرحمٰن میں ہے اور معنوی تکرار حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے قصے میں ہے۔

جواب:

پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ان هذا ن لساحران کے بارے میں کہا گیا ہے کہ کاتبوں کی غلطی ہے، ابوعمرو نے اسے ان هذین پڑھا ہے اور کہا گیا ہے کہ احوال کے دوران تثنیہ اور اسمائے ستہ میں ابقائے الف قبائل عرب کی لغت ہے، مثلاً یہ قول دیکھیں۔

ان ابا ها و ابا ابا ها
لقد بلغا فی المجد غا یتا ها

ان مواضع میں اہل مدینہ اور اہل عراق نے اس لغت پر پڑھا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ لفظ ھذا سے مخصوص ہے، اس میں نون زیادہ کیا گیا ہے اور الف کو اپنے حال پر باقی رکھتے ہوئے تبدیل نہیں کیا گیا جیسا کہ الذین میں کیا گیا، اس میں لفظ الذی پر نون کا اضافہ ہے، یا کو تینوں احوال میں برقرار رکھا گیا ہے اور وہ اس لئے ہے کہ کلمہ ھذا میں معرب ومبنی کے تثنیہ میں اور کلمہ الذی میں معرب ومبنی کے درمیان اختلاف ہوا ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں ضمیر الشان مقدر ہے، اس صورت میں لام مبتداء کے حیز میں داخل ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں اگرچہ قلیل ہو۔

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ تکرار میں فوائد پائے جاتے ہیں، ان میں ایک یہ کہ تحقیق معنی میں تقریر اور مبالغہ کی زیادت ﴿نظر آتی﴾ ہے۔

دوسرا یہ کہ ایجاز واطناب میں مختلف عبارت کے ساتھ ایک ہی معنی کے ایراد پر قدرت کا اظہار ﴿ثابت ہوتا﴾ ہے جو کہ شعب بلاغت میں سے ایک شعبہ ہے، تیسرا یہ کہ ایک قصہ امور کثیرہ پر مشتمل ہوتا ہے، کبھی اس کے بیان کا مقصد صرف بعض امور کا بیان ہے اور بعض امور تبعاً بیان ہو جاتے ہیں اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے۔

باقی معجزات مثلاً انشقاق قمر، کلام جمادات اور حضور اکرم ﷺ کی طرف انکا حرکت کرنا، کلام حیوانات، طعام قلیل سے خلق کثیر کا سیر شکم ہونا، انگلیوں سے چشمہ آب کا نکلنا، غیب کی خبریں دینا اور اس طرح کے افعال بہت زیادہ ہیں جن کا

احاطہ ناممکن ہے، یہ معجزات ہیں جن میں سے ہر ایک متواتر نہیں لیکن ان میں قدر مشترک یعنی ثبوت معجزہ بے شک متواتر ہے، جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور حاتم طائی کی سخاوت، یہ اثباتِ نبوت میں ہمارے لئے کافی ہے۔

وجہ دوم:

رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے اثبات کی دوسری وجہ جسے معتزلہ میں سے جاحظ نے اور ہم ﴿اہلسنت﴾ میں سے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے پسند کیا ہے، جیسا کہ پہلے کلام مذکور سے سمجھا گیا ہے، یعنی ﴿اعلان﴾ نبوت سے پہلے دعوت کے دوران اور دعوت کے تمام درجہ کے بعد آپ کے احوال، آپ کے اخلاق عظیمہ اور احکام حکیمہ اور وہ اقدام جن سے بڑے بڑے بہادر ڈریں اور اسی طرح ﴿دوسرے نظائر آپ کی نبوت کی دلیل ہیں﴾ آپ ﷺ نے مہمات دین اور مہات دنیا میں کبھی جھوٹ نہیں بولا، اگر ایک بار بھی جھوٹ بولا ہوتا تو آپ کے دشمن اس کی تشہیر میں بہت کوشش کرتے اور آپ نے کبھی اعلان نبوت سے پہلے نہ کبھی بعد کسی فعل قبیح کا ارتکاب کیا اور آپ غایت درجہ فصاحت کے مالک تھے، جیسا کہ آپ نے فرمایا، اوتیت جوامع الکلم مجھے جوامع کلم نصیب ہوئے، حالانکہ آپ اُمّی تھے، آپ نے تبلیغ الرسالۃ میں طرح طرح کی مشقتیں برداشت کیں، حتیٰ کہ فرمایا، وما اوذی نبی مثل ما اوذیت، کسی نبی کو اتنی ایذا نہیں دی گئی جتنی مجھے اور آپ نے عزیمت کے ساتھ بغیر فتور کے ہر ایذا پر صبر کیا اور جب دشمنوں پر استیلا حاصل کیا اور جانوں

اور مالوں میں نفاذ امر کیلئے بلند مرتبہ پر فائز ہوئے تو اپنی پہلی حالت تبدیل نہ فرمائی بلکہ آپ اول عمر سے آخر عمر تک ایک ہی طریقہ مرضیہ پر گامزن رہے، آپ اپنی امت پر حد درجہ شفیق تھے، ﴿اور ہیں﴾ جہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے خطاب فرمایا 'فلا تذهب نفسك عليهم حسرات، آپ ان کی حسرتوں میں اپنی جان نہ گنوا دینا اور فرمایا 'فلعلك باخع نفسك علىٰ آثارهم'

آپ حد درجہ سخاوت والے تھے کہ خدا تعالیٰ نے یوں فرمایا 'فلا تبسطها كل البسط' آپ دنیا کی طرف ہرگز التفات نہ کرتے تھے حتیٰ کہ جب قریش مکہ نے آپ کو مال، زوجہ اور ریاست کی پیش کش کی کہ اپنے دعویٰ کو ترک کر دیں، آپ نے اس کی طرف ہرگز توجہ نہ فرمائی، آپ فقیروں اور مسکینوں کے ساتھ غایت تواضع اور غنیوں اور دولت مندوں کے ساتھ غایت ترفع اختیار فرماتے تھے، آپ ﷺ اپنے دشمنوں سے کبھی فرار نہ ہوئے، اگرچہ عظیم خوف کا مقام ہوتا، جیسا کہ یوم احد، یوم احزاب ﴿اور اس طرح کے مواقع ہمارے سامنے ہیں﴾ وہ امر آپ کی قلبی قوت اور باطنی شہادت پر دلالت کرتا ہے، اگر آپ کو اللہ تعالیٰ کی حفاظت پر بھروسا نہ ہوتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا 'والله يعصمك من الناس، یعنی اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا، تو یہ عادۃً ناممکن ہوتا آپ ﷺ کا حال ہرگز متلون نہیں تھا، اگرچہ مختلف احوال درپیش ہوئے، الغرض جو آدمی ان ﴿حقائق﴾ اور ان کی امثال کا تتبع کرے تو جان لے کہ ان میں سے ہر ایک الگ الگ نبوت پر دلیل نہیں کیونکہ کسی شخص کا دیگر تمام شخصوں سے مزید فضل اس کے نبی

ہونے کا ثبوت نہیں لیکن ان کا مجموعہ یقیناً صرف انبیا کرام کو حاصل ہوتا ہے، پس آپ ﷺ کی ذات پاک میں ان جملہ امور کا اجتماع آپ کے نبی ہونے کے عظیم دلائل میں سے ایک دلیل ہے۔

وجہ سوم:

ان وجوہ میں سے تیسری وجہ وہ ہے جسے حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار فرمایا، حضور سراپا نور ﷺ نے اس قوم میں دعویٰ فرمایا جس کے پاس کوئی کتاب وحکمت نہیں تھی، بلکہ وہ لوگ حق سے اعراض کرتے تھے، وہ مشرکین عرب کی صورت میں بتوں کی عبادت کرتے یا یہود کی صورت میں دین تشبیہ اور صنعت تزویر اور لایعنی جھوٹی باتوں پر عمل کرتے یا مجوس کی صورت میں دو خداؤں کی پرستش اور محارم نکاح پر ﴿مائل﴾ تھے اور یا نصاریٰ کی طرح باپ بیٹے اور تثلیث کے قول پر ﴿قائل تھے﴾ آپ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب روشن اور حکمت باہر کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں کہ مکارم اخلاق کو مکمل کر دوں، اور لوگوں کو ان کی قوت علمیہ میں عقائد حقہ کے ساتھ اور ان کی قوت عملیہ میں اعمال صالحہ کے ساتھ کامل کر دوں اور تمام عالم کو ایمان اور عمل صالح کے ذریعے تابناک کر دوں، پس آپ نے ایسا کر دکھایا اور اپنے دین کو تمام دینوں پر غالب کر دیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا، چنانچہ کج دین کمزور ہو گئے، فاسد مقالے ختم ہو گئے، توحید کے آفتاب اور تنزیہ کے ماہتاب اقطار آفاق میں جگمگانے لگے اور نبوت کا یہی معنیٰ

ہے، نبی وہ ہے جو نفوس بشری کی تکمیل فرماتا ہے اور اکثر نفوس پر غالب آنے والے قلبی امراض کا علاج کرتا ہے، جب بیمار دلوں کے علاج اور ان کی ظلمات کے ازالے میں حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی دعوت کی تاثیر اکمل واتم تھی تو آپ کے نبی ہونے کا یقین واجب ہوگیا، وہ تمام نبیوں اور رسولوں سے افضل ہیں، حضرت امام نے اسے مطالب عالیہ میں بیان فرمایا اور یہ برہان لم میں سے برہان ظاہر ہے، ہم نے حقیقت نبوت کے متعلق بحث کی اور واضح کیا کہ یہ ماہیت کسی کو نصیب نہ ہوئی جیسا کہ آپ کو نصیب ہوئی، پس آپ اپنے ماسوا سے افضل ہیں اور رہا معجزہ کے ذریعے نبوت کا اثبات تو یہ برہان انَّ میں سے ہے اور اثبات نبوت میں یہ وجہ طریق حکما سے قریب ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ بیشک لوگ اپنے معاش و معاد میں اس انسان کامل کے محتاج ہیں جس کی تائید اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اور وہ ان لوگوں کیلئے ایسا قانون وضع کرے جو دو جہاں میں ان کو سعادت عطا کرے، دوسرا مقالہ مذمت فلاسفہ میں اور ان کے علوم کی ممارست اور کتابوں کے مطالعے سے حاصل ہونے والے نقصان کے بیان میں ہے۔

……◉……

اقبال کا اعترافِ عجز

جہاں تک شیخ مجدد الف ثانی کی عبارت کا تعلق ہے مجھے ڈر ہے کہ میں نفسیات حاضرہ کی زبان میں اس کے حقیقی معنی شاید ہی بیان کر سکوں کیوں کہ اس قسم کی زبان موجود ہی نہیں (تشکیل جدید الٰہیات: ۲۸۹)

☆

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ

☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسالہ ردِّ روافض

مصنف

حضور امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

غلام مصطفےٰ مجددی

(ایم اے علوم اسلامیہ)

فہرستِ مضامین

- ○ ابتدائیہ 113
- ○ رافضیوں کے مختلف گروہ 118
- ○ عقائد روافض کی حقیقت 126
- ○ صحابہ کرام کا دفاع 127
- ○ روافض کا جواب 128
- ○ حضرت مجدد کا محاکمہ 130
- ○ شان خلفاء ثلاثہ 135
- ○ سبِ صحابہ کفر ہے 142
- ○ روافض کا جواب 142
- ○ حضرت مجدد کا محاکمہ 143
- ○ صدیق اکبر کی صحابیت 148
- ○ روافض کا جواب 148
- ○ حضرت مجدد کا محاکمہ 149
- ○ حضرت امیر کی بشارت 150
- ○ روافض کا جواب 150

○ حضرت مجدد کا محاکمہ 152
○ شیعہ کا قتال واخذ اموال 157
○ روافض کا جواب 157
○ حضرت مجدد کا محاکمہ 157
○ مقام امیر معاویہ 160
○ شان صدیقہ پر اعتراض 161
○ مشاجرات صحابہ 165
○ مناقب اہل بیت 166
○ تحشیہ ﴿ضروری مباحث﴾ 172

﴿میر مومن بلخی رحمۃ اللہ علیہ کا پیغام﴾

اگر کبرسنی اور بعد مسافت مانع نہ ہوتی تو ضرور خدمت شریف میں حاضر ہوتے اور ساری عمر خدمت میں گزار دیتے ان بلند احوال وانوار سے مستنیر ہوتے جن کو نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی آنکھ نے دیکھا چونکہ یہ موانع درمیان میں ہیں تو التماس یہ ہے کہ اپنے مخلصین میں تصور فرما کر افاضات غائبانہ کے ساتھ ان محبین کے احوال کی طرف متوجہ ہوں جو اگرچہ بظاہر دور ہیں مگر دل سے حضور میں ہر وقت حاضر رہتے ہیں۔ ﴿زبدۃ المقامات:۲۱۹﴾

……

تعارف

نحمدہ و نصلیٰ علی رسولہ الکریم

یہ رسالہ فارسی زبان میں ہے، دسویں صدی ہجری کے اواخر میں، خراسان میں روافض نے حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خلاف فتنہ سب و شتم برپا کیا تو علمائے ماوراالنہر نے ان کے خلاف جہاد و قتال کے لزوم کا فتویٰ صادر فرمایا چنانچہ اہل اسلام نے ان کو خوب سزا دی، مشہد کا محاصرہ کیا، اس دوران رافضی علما نے، علمائے ماورا النہر کے فتویٰ کا رد لکھا، وہ تردیدی رسالہ ہندوستان میں پہنچ گیا اور وہاں بھی فتنہ برپا ہو گیا، اکبری و جہانگیری دور میں مرزا غیاث بیگ اور اس کی نور نظر نور جہاں کی بدولت روافض خوب پروان چڑھ رہے تھے، امرا اور روسا سے لے کر عوام تک ان کے اثرات دکھائی دینے لگے تو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے خاتمے کا تاریخی بیڑا اٹھایا، آپ نے روافض سے مناظرے کئے، یہ رسالہ رد روافض بھی انہی مساعی جمیلہ کی ایک کڑی ہے، حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ زبدۃ

المقامات میں فرماتے ہیں:

> "و بعضے رسائل شریفہ بہ تازی و بہ فارسی در نہایت بلاغت و فصاحت تصنیف فرمودہ کہ ازاں جملہ است رسالہ تہلیلہ و رسالہ رد شیعہ با آنکہ در ایام ارباب تشیع دران بلاد در غایت حشمت و جاہ بودند و بہ سلطان تقرب تمام و قرابت داشتند نیز بہ دین و ارباب دیں در نہایت عداوت بود لیکن جوش غیرت اسلام کہ حضرت ایشاں را حق تعالیٰ سبحانہ عطا فرمودہ بود ملاحظہ این و آں در خاطر عاطر شان فتور نمی نمود" ﴿صفحہ نمبر ۲۰۳﴾

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے کہ اس فتنے کو ختم کرنا مسلمانوں کی گردنوں پر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا احسان ہے۔

در حقیقت یہ رسالہ رافضی علما کے اس تردیدی رسالہ کا رد بلیغ ہے، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ پہلے علمائے ماوراالنہر کا فتویٰ نقل فرماتے ہیں، پھر شیعہ حضرات کا جواب اور اس کے جواب میں علمائے ماوراالنہر کی تائید میں دلائل و براہین سے اسلامی عقائد و نظریات کو ثابت کرتے ہیں: جزاہ اللہ عن الاسلام والمسلمین خیر الجزاء، منشی حسیب الدین سوزاں نے اس رسالہ پر خوب تبصرہ فرمایا ہے ؎

ہر نکتہ سر بستہ او نافہ مشک است
ہر نقطۂ او شوخی از چشم غزال است
فیض رقمش از تتق غیب سروش است

مد قلمش در افق فضل ہلال است
صد باز زسر تا سر ہر حرف گزشتم
لیلیٰ است کہ سر تا بہ قدم غنج ودلال است

دریوزہ گر زلہ او یند حریفاں
الحق رگ ابر قلمش ،بحر نوال است

یہ رسالہ مبارکہ آپ نے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہونے سے پہلے گویا اثبات النبوۃ کے بعد اور تہلیلیہ سے پہلے رقم فرمایا، اسطرح اسے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی فارسی تصنیف ہونے کا شرف حاصل ہے، اس رسالہ کا نام اکثر تذکروں میں رد مذہب شیعہ بھی وارد ہے، جناب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کا خیال ہے کہ یہ رسالہ ۱۰۰۲ھ میں تحریر کیا گیا ہے، اس رسالے سے شیعہ حضرات کے متعلق آپ کے خیالات کا بخوبی علم حاصل ہوتا ہے، آپ نے اپنے موقف کی تائید میں جا بجا آیات واحادیث اور عربی عبارات کا قابل قدر ذخیرہ فراہم کیا ہے جو معلومات کا انمول خزانہ ہے، آپ شیعہ حضرات کے متعلق دوٹوک الفاظ میں فیصلہ فرماتے ہیں کہ وہ صحابہ کرام کو برائی کے ساتھ یاد کرتے ہیں اور ان سب پر سب وشتم کرتے ہیں، اس لیے علمائے اسلام پر واجب ہے کہ ان کی پرزور تردید کریں اور ان کے مفاسد کو طشت ازبام کریں۔

……

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً علیہ کمایحب ربنا ویرضی والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد اکرم البشر المبعوث الی الاسود والاحمر کمایناسب بعلو شاہ وسحری وعلیٰ خلفاء الرشدین المہدیین و ذریتہ واھل بیتہ الطیبین الطاھرین وسائر اصحابہ المرضیین کمایلیق بمراتبہم العظمیٰ ودرجاتہم العلیاء

امابعد

ابتدائیہ:

یہ بندہ کمترین جو خداوند واحد وصمد کی رحمت کا محتاج ہے اور علمائے اہلسنت و جماعت کا خادم ہے، احمد بن عبد الاحد عمری و فاروقی نسباً سرہندی مولداً حنفی ملۃً و مذہباً کہتا ہے کہ دیار ہندوستان ہر چند تمام ممالک سے اسلام

میں متاخر ہے اور کوئی صحابی اس اقلیم میں تشریف فرما نہیں ہوا، لیکن پھر بھی اسلام یہاں ظاہر ہوا، سلاطین اسلام نے اسے مضبوط کیا اور مشائخ عظام اور اولیا کرام ''اطراف و جوانب'' سے تشریف لائے، زمانہ بہ زمانہ دین کے معالم اور اسلام کے اعلام ترقی کرتے رہے کہ اس ملک کو تمام ممالک سے ایک وجہ سے نہیں متعدد وجوہات سے ''مزیت وفضیلت'' حاصل ہوگئی، اس کے تمام اسلامی باشندے ''عقیدہ حقہ'' اہل سنت و جماعت پر ہیں اور اہل بدعت وضلالت کا اس دیار میں نشان نہیں، سب ''طریقہ مرضیہ حنفیہ'' رکھتے ہیں، حتیٰ کہ اگر کوئی شخص بالفرض مذہب شافعی و حنبلی رکھتا ہو، ڈھونڈنے سے نہیں ملتا اگرچہ یہ اہل حق کے مذاہب ہیں اور اہل ہوا و بدعت سے گریز پا ہیں، حضرت خواجہ امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ ملک ہند کی تعریف میں فرماتے ہیں:

خوشا ہندوستان و رونق دین
شریعت را کمال عز و تمکیں
زبردستان ہند و گشتہ پامال
فرودستان ہمہ در دادن مال
بدیں عزت شدہ اسلام منصور
بداں خواری سران کفر مقہور
بہ ذمت گر نہ بودے رخصت شرع
نہ ماندے نام ہندو ز اصل تا فرع

زغز نین تالب دریا دریں باب
ہمہ اسلام بینی بریکے آب
نہ ترسائے کہ از نا ترسگاری
نہد بر بندہ داغ کردگاری
نہ از جنس جہوداں جنگ و جوریت
کہ قرآن کند دعوی بہ توریت
نہ مغ کز طاعت آتش شود شاد
و زو باصد زباں آتش بہ فریاد
مسلمانانِ نعمانی روش خاص
زدل ہر چار آئیں رابہ اخلاص
نہ کیں باشافعی نے مہر بازید
جماعت راوسنت رابہ جاں صید
نہ اہل اعتزالے کز فن شوم
ز دیدار خدا گردند محروم
نہ رفض تا رسد زاں مذہب بد
جفائے بر وفا داران احمد
نہ زاں سگ خارجی کز سینہ سازی
کند باشیر حق روباہ بازی

زہے ملک مسلماں خیز و دیں جوئے
کہ ماہی نیز سنی خیزد از جوئے

یعنی ہندوستان رونق دین ہے، جہاں شریعت کو عزت و تمکنت کا کمال حاصل ہے، اسلام منصور ہے، کفر مقہور ہے، غزنی سے اس لب دریا تک اسلام ہی اسلام ہے، یہاں یہود و نصاریٰ، آتش پرست، معتزلہ، خارجی، رافضی کوئی نہیں، سب اہل سنت و جماعت مسلمان ہیں، یہاں کے دریا کی مچھلی بھی سنی کہلائے گی۔ ﴿ملخصا﴾

تقریبا پانچ سو سال اسی ''مرافت و لطافت'' میں گزرے، تا آنکہ خاقان اعظم عبداللہ خان کے دور میں شیعہ نے ﴿خراسان﴾ میں غلبہ و شیوع پیدا کر رکھا تھا، ﴿اس نے خراسان پر حملہ کیا﴾ بعض شیعہ قتل ہوئے اور بعض جلاوطن ہو کر ہندوستان آئے اور حکام و سلاطین کا تقرب حاصل کر کے بعض جہلاء کو جھوٹے مقدمات اور فریب زدہ مغالطات سے گمراہ کیا اور راہ سے دور لے گئے، ہر چند اقلیم خراسان میں فتنہ و فساد سے سکون ہوا اور مسلمان ان کی شرارت سے آزاد ہوئے، لیکن دیار ہند میں ان بدکیشوں کے ''قدوم بد'' کی بدولت مسلمانوں میں ''فتور عظیم'' واقع ہوا اور فتنہ از سر نو بیدار ہو گیا، منقول ہے کہ ایک بزرگ نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ دعا کی ''الٰہی اہل خراسان کی جمعیت پر نگاہ رکھ اور تفرقہ سے امان بخش! مریدوں نے کمال تعجب سے پوچھا ''یا شیخ یہ دعا کیا ہے، جو آپ نے ان بے دولتوں کے بارے میں کی، فرمایا ان کا تفرقہ تمام عالم کے ''تفرقہ و ضلالت'' کا

موجب اور فتنہ خفتہ کی بیداری کا سبب ہے۔

اسی دوران عبداللہ خان کے محاربہ مشہد کے وقت شیعہ نے جواباً ماوراالنہر کے علما کرام کو رسالہ لکھا، اس جوابی رسالہ میں باب "مسلمانوں پر تکفیر شیعہ اور ان کے اخذ اموال کی اباحت" میں اس قلیل البضاعت نے اس کے ابلہ فریب مقدمات کو بغور پڑھنے سے یہ ﴿نتیجہ﴾ حاصل کیا کہ اس میں خلفائے ثلاثہ کی تکفیر ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ذم و تشنیع ہے، بعض طلبہ شیعہ ان حدود سے متردد تھے اور ان مقدمات پر "افتخار و مباہات" ظاہر کرتے تھے، امراء و سلاطین کی مجالس میں ان مغالطات کو شہرت مل رہی تھی، اگر چہ یہ فقیر ان "مجالس و معارک" میں بالمشافہ ان "منقولہ و معقولہ" مقدمات کو رد کرتا اور ان کی صریح غلطیوں کی اطلاع دیتا رہا مگر میری حمیت اسلام اور رگِ فاروقی نے اس قدر "رد و الزام" پر کفایت نہ کی اور سینہ بے کینہ کی شورش کو تشفی نہ ہوئی، خاطر فاتر کا قرار اس میں ہے کہ ان کے مفاسد کا اظہار اور ان بدکیشوں کے مطالب کا ابطال جب تک "قید کتابت" اور حیز تحریر" میں نہ آئے گا فائدہ تمام اور نفع عام نہ ہوگا، پس میں نے ان کے "مقاصد فاسدہ" اور "عقائد کاسدہ" کی تردید کی، جو اس رسالہ میں وارد تھے، میں نے اللہ صمد و ودود کی مدد سے اپنا مقصود حاصل کیا، بے شک وہی حفاظت کرنے والا مولا ہے اور مددگار ہے، اور اسی کی طرف سے توفیق اور تحقیق ہے۔

رافضیوں کے مختلف گروہ:

جان لو! اللہ تعالیٰ نے تمہارا ارشاد اچھا کیا، شیعہ، حضرت پیغمبر اعظم ﷺ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امام برحق مانتے ہیں، نصِ جلی سے یا نص خفی سے، اور کہتے ہیں کہ امامت ان کی اولاد سے باہر نہیں جا سکتی، اگر جائے گی تو ظلم سے جو اُن کے غیر نے ان پر ڈھایا، یا تقیہ سے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کیا یا ان کی اولاد نے، شیعہ کے کثرت طرق اور تعدد اصناف کے باجود بائیس گروہ ہیں، ہر گروہ نے دوسرے گروہ کا رد کیا ہے اور اس کے ''قبائح وشنائع'' کو ظاہر کیا ہے۔

و کفی الله المومنين القتال

﴿اور اللہ نے مومنوں کو لڑائی کی کفایت فرمادی﴾

ہمیشہ باد خصوصت جہو دو تر سارا
کہ قتل ہر دو طرف خوب تر بود مارا

یعنی ہمیشہ یہود و نصاریٰ کی دشمنی کی ہوا اور ہر دو طرف کا قتل ہمارے لئے خوب تر رہا، ان کے قدما اور اقدمین میں اور ''اوائل و اواخر'' میں تفاوت عظیم ہے، مگر ان کے جمیع فرقے ''کمال تعصب وعناد'' کے سبب ''لعن وتکفیر'' کے مستحق ہیں کہ ان کا بہترین عمل اور فاضل ترین عبادت ہمارے اسلاف کو گالیاں دینا اور خلفائے راشدین پر طعن کرنا ہے، بلکہ ان کی تکفیر کرنا ہے، ان مباحث کی تحقیق عن قریب مذکور ہوگی، انہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی کو خرید کرلیا۔

حضرت خواجہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ ۔ فرماتے ہیں ؎

ترسم ایں قوم کہ بردرد کشاں میخندند
بر سر کار خرابات کنند ایماں را

ہم اپنے مقصود کے آغاز سے قبل ان کے چند گروہوں کا ذکر کرتے ہیں اوران کے مقاصد کی حقیقت پر اطلاع کرتے ہیں کہ ان بداندیشوں کے ''فضائح و شنائع،، مکمل طور پر معلوم ہوسکیں۔

1: طائفہ سبائیہ:

یہ عبداللہ بن سبا کے اصحاب ہیں، وہ ان کا قدیم رئیس ہے، اس نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو معبود کہا اور انہوں نے اسے شہر مدائن سے نکال دیا، وہ کہتا تھا کہ ابن ملجم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید نہ کیا بلکہ شیطان کو مارا جو ان کی صورت میں متمثل ہو چکا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ تو بادل میں ہیں، چنانچہ رعد ان کی آواز ہے اور برق ان کا تازیانہ ہے اور اس کے تابع دار آواز رعد کی سماعت کے دوران 'علیك السلام یاامیر المومنین' کہتے ہیں۔

2: طائفہ کاملیہ:

یہ ابو کامل کے اصحاب ہیں، یہ حضرت پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی تکفیر کرتے ہیں، اس لئے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کی نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بھی تکفیر کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنا حق ترک کیا اور وہ

تناسخ کے قائل ہیں۔

3: طائفہ بیانیہ:

یہ بیان بن سمعان کے اصحاب ہیں، یہ کہتے ہیں کہ خدا انسان کی صورت ہے، وہ چہرے کی سوا سب ہلاک ہو جائے گا، روح خدا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ میں، ان کے بعد محمد بن الحنفیہ رضی اللہ عنہ میں، ان کے بعد ان کے بیٹے ہاشم میں اور ان کے بعد بیان میں حلول کیا۔

4: طائفہ مغیریہ:

یہ مغیرہ بن سعید عجلی کے اصحاب ہیں، یہ کہتے ہیں کہ خدا مرد نورانی کی صورت میں ہے، اس کے سر پر نور کا تاج ہے اور اس کا دل حکمت کا منبع ہے۔

5: طائفہ جناحیہ:

یہ عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر ذی الجناحین کے اصحاب ہیں، تناسخ ارواح کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ روح خدا نے پہلے آدم میں پھر شیث میں اور اس طرح انبیا کرام اور ائمہ میں، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد میں حلول کیا، اس کے بعد عبداللہ میں حلول کیا، یہ گروہ منکر قیامت ہے، محرمات کو حلال جانتا ہے، مثلاً شراب، مردار اور زنا وغیرہ۔

6: طائفہ منصوریہ:

یہ ابو منصور عجلی کے اصحاب ہیں، وہ حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رہتا تھا، حضرت امام اس سے بیزار ہو گئے اور اس کو نکال دیا، سو وہ امامت کا دعویدار ہوا، اس کے اصحاب کا عقیدہ ہے کہ ابو منصور آسمان پر گیا اور حضرت حق سبحانہ نے اپنے ہاتھ سے اس کے سر پر مسح کیا اور فرمایا بیٹا جا! میرے لئے تبلیغ کر، اس کے بعد وہ زمین پر آیا، وہی کسف ہے جو اللہ تعالیٰ کا قول ہے 'وان یروا کسفاً من السماء ساقطاً یقولو اسحاب مرکوم' اور انہی کا قول ہے کہ رسالت غیر منقطع ہے، جنت سے مراد امام ہے، جس کی محبت پر ہم مامور ہیں اور نار اس شخص کی طرف کنایہ ہے جس کے بغض کا ہمیں حکم ہے، جیسے ابو بکر و عمر، اسی طرح فرائض سے مراد وہ جماعت ہے جس کی محبت کا امر فرمایا گیا اور محرمات سے مراد وہ طائفہ ہے جس کی نفرت کا امر فرمایا گیا۔

7: طائفہ خطابیہ:

یہ ابو خطا اسدی کے اصحاب ہیں، وہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رہتا تھا، جب حضرت امام کو اپنے بارے میں اس کا غلو معلوم ہوا تو بیزار ہو گئے اور اسے اپنی صحبت سے اٹھا دیا، پھر اس نے اپنی امامت کا دعویٰ کیا، اس گروہ کا کہنا ہے کہ ائمہ، انبیا ہیں، نیز ابو خطاب نبی ہے، بلکہ اس نے اس قدر گمراہی پر کفایت نہ کی، کہنے لگا، ائمہ خدا ہیں، جعفر صادق خدا ہے، مگر ابو خطاب

ان سے اور حضرت علی ؓ سے بھی افضل ہے، اس گروہ نے اپنے مخالف پر اپنے موافق کیلئے جھوٹی گواہی کو حلال ٹھہرایا، نیز کہتے ہیں کہ جنت دنیا کی نعمتوں کا نام ہے اور نار اس کے غموں کا نام ہے، دنیا ہرگز فنا نہ ہوگی، محرمات کو حلال اور فرائض چھوڑنے کو جائز مانتے ہیں۔

8: طائفہ غرابیہ:

اس گروہ کا کہنا ہے کہ حضور سراپا نور ﷺ، حضرت علی ؓ کے مشابہ تر تھے، جیسے کوے کو کوے سے، مگس کو مگس سے مشابہت ہوتی ہے، حق سبحانہ نے حضرت علی ؓ کی طرف وحی بھیجی، جبریل کو کمال مشابہت کی وجہ سے دھوکہ ہوا، انہوں نے وحی حضور سراپا نور ﷺ کو پہنچا دی، ان کا شاعر کہتا ہے۔

غلط الا مین فجازه عن حیدره

یعنی جبریل امین نے غلط کیا، خدا نے اپنے حیدر سے اس کو جائز قرار دیا، وہ حضرت جبریل علیہ السلام پر لعن کرتے ہیں۔

9: طائفہ ذمیہ:

یہ حضور محمد مصطفےٰ ﷺ کی توہین کرتے ہیں کہ حضرت علی ؓ خدا تھے، انہوں نے حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو مبعوث کیا کہ لوگوں کو ان کی طرف بلائیں، انہوں نے لوگوں کو اپنی طرف بلایا، بعض ذمیہ ان دونوں کو خدا مانتے ہیں، ان میں ایک جماعت حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو الوہیت میں مقدم مانتی ہے اور دوسری

جماعت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو، ان میں ایک جماعت پانچ خداؤں کی قائل ہے اور وہ ہیں اصحاب عبا، یعنی حضرت محمد ﷺ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حسن و حسین رضی اللہ عنہما، اس کا عقیدہ ہے کہ یہ پانچوں ہی شے واحد ہیں اور ان میں روح نے برابر حلول کیا ہے اور ایک کو دوسرے پر ہرگز کوئی مزیت وفضیلت نہیں، وہ فاطمہ کی تاء تانیث کو نہیں مانتے کہ شائبہ تانیث سے بچا جا سکے۔

10: طائفہ یونسیہ:

یہ یونس بن عبد الرحمٰن قمی کے اصحاب ہیں، یہ کہتے ہیں کہ خدا عرش پر ہے، ہر چند فرشتوں نے اس کو اٹھایا ہے مگر وہ فرشتوں سے زیادہ قوت والا ہے جیسا کہ کلنگ کہ وہ اپنے دونوں پیروں پر زور ڈالتا ہے، وہ اپنے دونوں پیروں کی بدولت بڑا اور زیادہ قوی ہے۔

11: طائفہ مفوضہ:

ان کا کہنا ہے کہ خدا تعالیٰ نے دنیا کو تخلیق فرمایا اور حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو تفویض کر دی اور ان کیلئے دنیا کی ہر چیز مباح قرار دی، بعض کا کہنا ہے، دنیا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو سونپ دی گئی۔

12: طائفہ اسماعیلیہ:

یہ باطن قرآن کے قائل ہیں نہ ظاہر قرآن کے اور کہتے ہیں کہ باطن کی نسبت ظاہر کے ساتھ اس طرح ہے جس طرح مغز کی چھلکے کے ساتھ اور جو کوئی

ظاہر قرآن سے تمسک کرتا ہے وہ اوامر کے امتثال اور نواہی سے اجتناب کے عذاب و مشقت میں گرفتار رہتا ہے اور باطن قرآن اس کے ظاہر سے ترک عمل تک لے جاتا ہے، اس مطلب میں وہ قرآن کی اس آیت سے تمسک کرتے ہیں، حق عزوجل نے فرمایا، فضرب بینهم بسور له باب باطنه فیه الرحمة و ظاهره من قبله العذاب، ﴿جبھی ان کے درمیان ایک دیوار، جس میں ایک دروازہ ہے، اس کے اندر کی طرف رحمت اور اس کے باہر کی طرف عذاب ہے، سورۃ الحدید﴾ وہ محرمات کو مباح جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شریعت کے ناطق پیغمبر سات ہیں، آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ، حضرت محمد ؑ اور محمد مہدی ؓ کو رسولوں میں خیال کرتے ہیں، ان کی دعوت کی اصل شرائع کا ابطال ہے، وہ احکام شریعت میں شکوک ڈالتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں حائضہ کیلئے روزے کی قضا ہے نماز کی کیوں نہیں؟ غسل منی سے کیوں واجب ہوتا ہے، پیشاب سے کیوں نہیں، بعض نمازوں میں چار رکعت، بعض میں تین رکعت اور بعض میں دو رکعت کیوں فرض ہوئیں، وہ شرائع کی تاویلیں کرتے ہیں، وضو سے مراد امام کی موالات اور نماز سے مراد رسول ہے، اس کی دلیل یہ آیت لیتے ہیں، ان الصلوٰة تنهیٰ عن الفحشاء والمنکر، اور کہتے ہیں کہ احتلام کسی نااہل انسان کے سامنے اسرار کو کھول دینے کا نام ہے اور غسل تجدید عہد ہے، زکات کو معرفت دین کے ساتھ تزکیہ نفس خیال کرتے ہیں، کعبہ نبی ہے اور باب علی، صفا حضرت محمد ﷺ ہیں اور مروہ حضرت علی ؓ اور طواف ہفتگانہ ائمہ سبعہ کے موالات کو تصور کرتے ہیں، جنت، تکالیف

سے جسموں کی راحت ہے اور نار مزاولت تکالیف سے جسموں کی مشقت، وہ اس قسم کی بہت سی خرافات رکھتے ہیں، نیز کہتے ہیں کہ خداوند موجود ہے اور نہ معدوم ہے، نہ عالم ہے اور نہ جاہل ہے، نہ قادر ہے اور نہ عاجز ہے، جب حسن بن صباح ظاہر ہوا تو اس نے اس دعوت کی تجدید کی اور خود کو نیابت احکام کا مستحق سمجھا ان کے زعم میں زمانہ امام سے ہرگز خالی نہیں، یہ عوام کو علوم میں غور کرنے سے اور خواص کو کتب متقدمہ کے دیکھنے سے روکتے ہیں کہ ان کی فضیحتوں اور قباحتوں سے آگاہ نہ ہوسکیں، یہ دامان فلاسفہ کو تھام کر احکام شریعت کا تمسخر اڑاتے ہیں۔

13: طائفہ زیدیہ:

یہ حضرت زید بن علی زین العابدین رضی اللہ عنہما کے ساتھ منسوب ہے، اس طائفہ کے تین گروہ ہیں، اول جارودیہ جو امامت علی پر نص خفی کے ساتھ قائل ہیں اور صحابہ کرام کی تکفیر کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت چھوڑ دی تھی، دوم سلیمانیہ جو کہتے ہیں کہ امامت خلائق کے درمیان شوریٰ ہے یہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو امام مانتے ہیں اگرچہ لوگوں سے خطا واقع ہوگئی کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے ان کی بیعت کی، ہاں وہ یہ خطا حد فسق تک نہیں لے جاتے۔

یہ حضرت عثمان، طلحہ، زبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کی تکفیر کرتے ہیں، سوم تبریہ، جو سلیمانیہ سے موافق ہیں، مگر یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں توقف

کرتے ہیں، اکثر زیدیہ اس زمانہ میں مقلد ہیں، وہ اصول میں معتزلہ کی طرف اور فروع کے مسئلوں میں مذہب ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف راجع ہیں۔

14: طائفہ امامیہ:

یہ خلافت علی پر نص جلی کے ساتھ قائل ہیں، اور صحابہ کرام کی تکفیر کرتے ہیں، امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی امامت تک ان کا اتفاق ہے، ان کے بعد امام منصوص علیہ کے بارے میں اختلاف ہے، ان کا مشہور اور مختار جمہور اس ترتیب پر ہے، امام جعفر کے بعد ان کے بیٹے موسیٰ الکاظم ﴿امام﴾ ہیں، ان کے بعد علی الرضا، محمد بن علی التقی، علی بن محمد النقی، حسن بن علی العسکری، محمد بن علی المہدی رضی اللہ عنہم جو امام منتظر ہیں ﴿امام ہیں﴾ اس طائفہ کے اولین ان ائمہ کرام کے ہم مذہب تھے، اور متاخرین تمادی ایام کے سبب بعض معتزلہ کی طرف رجوع کر گئے اور بعض مشبہ کی طرف چلے گئے۔

یہ ان گمراہ اور گمراہ کن فرقوں کا آخر بیان ہے، ان میں دوسرے چند گروہوں کا ذکر نہیں کہ وہ اصول وعقائد میں ان طوائف کے موافق ہیں مگر چند مسائل میں تھوڑا اختلاف رکھتے ہیں۔

عقائد روافض کی حقیقت:

پوشیدہ نہیں کہ جس شخص کو بھی ادنیٰ سی تمیز ودرایت حاصل ہے اور ان کے مطالب کی حقیقت سے آگاہ ہے، وہ دلائل کی طرف رجوع کیے بغیر ان کے مفاسد کا فیصلہ کرسکتا ہے، کیونکہ ان کے مقاصدِ موہومہ بالکل ظاہر ہیں اور ان کا بطلان

بدیہی ہے، وہ کمال جہالت سے خود کو اہلِ بیت پیغمبر اور ائمہ اثنا عشر سے منسوب کرتے ہیں، اور ان کی متابعت و موالات کا دعویٰ کرتے ہیں، حَاشاً و کلاثم حاشاً و کلا کہ وہ اِن کی محبت مفرطہ سے بیزار ہیں اور ان کی متابعت کو قبول نہیں فرماتے، ان بد کیشوں کی محبت نصاریٰ کے رنگ میں ہے، اِس کی تائید اُس روایت سے ہوتی ہے جو امام احمدؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کی، انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''تجھ میں عیسیٰ علیہ السلام کی مثال ہے، ان سے یہود نے بغض رکھا حتیٰ کہ ان کی پاک ماں پر بہتان لگایا، اور ان سے نصاریٰ نے محبت کی اور ان کو اس مقام پر کھڑا کیا جو ان کے لئے نہیں تھا، پھر فرمایا میرے بارے میں بھی دو افراد ہلاک ہوں گے، ایک افراط کرنے والا محبّ جو میرے بارے میں افراط کرتا ہے، اور دوسرا مجھ سے بغض رکھنے والا جو مجھ پر بہتان باندھتا ہے، اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے، اذتبرا الذین اتبعوا من الذین اتبعوا، یعنی جب متبوع اپنے تابعداروں سے بیزار ہوں گے، اور ان کی متابعت قبول نہ کریں گے، اُن کے حال میں نشان ہے، ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنك رحمة انك انت الوھّاب، لیجئے اب ہم ان کے اعتراضات واہیہ کا جواب شروع کرتے ہیں، معتصماً بحبل الله الملك الكبير انهٗ علىٰ مايشاء قدير وبالا جابة جدير.

صحابہ کرام کا دفاع:

علمائے ماوراالنہر شکر اللہ سعیہم نے فرمایا کہ حضرت پیغمبر اعظم ﷺ خلفائے

ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی کمال تعظیم وتوقیر فرماتے تھے، ہر ایک کی تعریف میں احادیث کثیرہ وارد ہوئیں چونکہ آں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمیع اقوال وافعال و ماینطق عن الھویٰ ان ھوالا وحی یوحیٰ، کے مطابق موجب وحی ہیں اس لئے شیعہ جوان کی مذمت کرتے ہیں وحی کی مخالفت کرتے ہیں اور وحی کی مخالفت کفر ہے۔

روافض کا جواب:

شیعہ نے ان کے جواب میں بطریق معارضہ کہا کہ اس دلیل سے تو خلفائے ثلاثہ کی قدح اوران کی خلافت کا بطلان لازم آتا ہے، کیونکہ شرح مواقف میں اکابر اہلسنت میں سے آمدی سے منقول ہے کہ حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے قریب اہل اسلام کے درمیان مخالفت واقع ہوئی۔

مخالفت اول یہ تھی کہ حضرت پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وصال میں فرمایا کہ ایتونی بقرطاس اکتب لکم شیا لا تضلوا بعدہ، میرے پاس کاغذ لاؤ کہ میں تمہارے لئے ایسی چیز لکھوں جس سے بعد میں تم گمراہ نہ ہوگے، حضرت عمر اس امر سے راضی نہ ہوئے اور کہا، ان الرجل غلبہ اللہ الوجع و عندنا کتاب اللہ حسبنا، بے شک حضور پر اللہ نے درد غالب کیا ہے اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب ہے جو کافی ہے، پس صحابہ نے اختلاف کیا کہ آواز زیادہ ہوگئی اور حضرت پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اس معنیٰ سے آزردہ ہوئے اور فرمایا اٹھ جاؤ! میرے پاس نزاع درست نہیں۔

مخالفت دوم یہ تھی کہ اس ''قضیہ مزبورہ'' کے بعد حضرت پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم

نے ایک جماعت مقرر فرمائی کہ وہ اسامہ کے ہمراہ سفر کرے، بعض جماعت نے اختلاف کیا اور ان سے عرض کی، آنحضرت ﷺ نے مکرر مبالغہ فرمایا کہ جهزوا جيش اسامة لعن الله من تخلف عنه، لشکر اسامہ کی تیاری کرو، اس سے مخالفت کرنے والے پر اللہ کی لعنت اور اس پر بھی بعض پیچھے رہے اور متابعت نہ کی۔

پس ہم کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے جو وصیت لکھنے کا حکم فرمایا مذکورہ آیت کریمہ کے تقاضا پر وحی ہے اور جو حضرت عمر نے منع کیا وہ وحی کا منع اور رد ہے اور وحی کا رد کفر ہے، جیسا کہ تم پہلے ہی اعتراف کر چکے ہو، اس پر حق تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی دلالت کرتا ہے ‘ومن لم يحكم بما انزل الله فاولئك هم الكافرون، جو اللہ کے اتارے ہوئے کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو وہی لوگ ٹھیک کافر ہیں اور کافر خلافت پیغمبر ﷺ کے قابل نہیں، نیز لشکر اسامہ کا تخلف بھی دلیل مذکور کے مطابق کفر ہے، باتفاق اس سے پیچھے رہنے والے خلفائے ثلاثہ بھی ہیں اور حضرات ماوراء النہر نے ”صحیفہ شریفہ“ میں اعتراف کیا کہ فعل آنحضرت ﷺ وحی ہے اور واقعہ بھی ایسا ہے، پس ہم کہتے ہیں کہ آپ کا مروان کو مدینہ طیبہ سے نکالنا ضرورت وحی سے ہے اور حضرت عثمان کا اسے واپس لانا اور اس کو امور تفویض کرنا اور اس کی تعظیم کرنا دو وجہوں سے کفر ہے، وجہ اول وہی ہے جو علمائے ماوراء النہر نے بیان فرمائی، وجہ دوم اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے، لاتجد قوماً يومنون بالله واليوم الاخر يوادون من حاد الله ورسوله ولو كانوا ابائهم او ابناء هم او اخوانهم او عشيرتهم، اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھنے والوں کو تو ہرگز نہ پائے گا کہ وہ اللہ اور

اس کے رسول کے دشمنوں سے محبت کریں اگرچہ وہ ان کے باپ، بیٹے، بھائی اور رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔

حضرت مجدد کا محاکمہ:

اقول و باللہ العصمۃ والتوفیق، ہمیں تسلیم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جمیع اقوال وافعال بموجب وحی ہیں اور اس آیت کریمہ ﴿وما ینطق عن الھوی﴾ سے ان کا استشہاد ناتمام ہے، کیونکہ وہ قرآن کے ساتھ مختص ہے، قاضی بیضاوی نے فرمایا، اللہ سبحانہ، کے فرمان کا معنی ہے، وما ینطق عن الھوی، یعنی قرآن سے جو کلام صادر ہوتا ہے وہ اپنی خواہش سے نہیں، اسی طرح اگر آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمیع افعال واقوال بہ موجب وحی ہوتے تو ان کے بعض افعال واقوال پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعتراض وارد نہ ہوتا اور عتاب[1] نہ آتا، جیسا کہ قول تعالیٰ ہے، 'یاایھاالنبی لم تحرم ما احل اللہ لک تبتغی مرضاۃ ازواجک' اے نبی آپ اس کو حرام کیوں کرتے ہیں جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کیا، اپنی ازواج کی مرضی چاہتے ہوئے اور قول تعالیٰ ہے، عفا اللہ عنک لم اذنت لھم، اللہ نے آپ کو معاف فرمایا آپ نے ان کو کیوں حکم دیا اور قول تعالیٰ ہے، ما کان لنبی ان یکون لہ، اسریٰ حتیٰ یثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا، کسی نبی کو نہ چاہیے کہ اس کے قیدی ہوں یہاں تک کہ زمین پر خون بہائے، تم دنیا کا سامان چاہتے ہو اور قول تعالیٰ ہے، ولا تصل علیٰ احد منھم مات ابدا اور آپ ان

میں سے کسی کے مرنے پر نماز ﴿جنازہ﴾ نہ پڑھیں۔

ایک روایت میں وارد ہے کہ یہ نہی اس وقت وارد ہوئی جب آں سرور ﷺ ابی منافق کی نماز جنازہ ادا کر چکے تھے، اور ایک روایت میں ادا سے پہلے اور عزم ادا سے بعد ہوئی، ہر تقدیر پر نہی، فعل محقق سے ہے، جوارح کا فعل اور دل کا فعل برابر ہے اور اس کی امثال قرآن میں بہت ہیں، پس ہوسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعض اقوال وافعال، رائے واجتہاد کے باعث ہوں، قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر میں فرمایا، قولہ عزوجل ما کان لنبی، اس پر دلیل ہے کہ انبیا کرام اجتہاد بھی کرتے ہیں اور وہ کبھی ﴿تعلیم امت کے بطور﴾ خطا بھی ہوسکتا ہے لیکن اس پر ان کا قرار نہیں ہوتا، صحابہ کرام ﴿بعض﴾ امور عقلیہ اور احکام اجتہادیہ میں ''مجال اختلاف'' اور ''مساغ خلاف''[۲] رکھتے تھے اور بعض اوقات وحی صحابہ کرام کی رائے کے موافق نازل ہوئی، چنانچہ اسیران بدر کے بارے میں امیر المومنین حضرت عمر ؓ کی رائے کے مطابق وحی آئی کہ حضور ﷺ امور عقلیہ میں کم توجہ فرماتے، قاضی بیضاوی نے فرمایا، روایت ہے حضور ﷺ کے پاس یوم بدر سے ستر قیدی پیش کئے گئے، ان میں عباس اور عقیل بن ابو طالب بھی تھے، آپ نے ان کے متعلق مشورہ طلب فرمایا تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے عرض کیا، یہ آپ کی قوم اور اہل ہیں، ان کو بچائیں شاید اللہ ان کو معاف فرمادے اور ان سے فدیہ لے لیں تاکہ آپ کے صحابہ کو قوت ملے، حضرت عمر ؓ نے عرض کی ان کی گردنیں ماریں کہ وہ کفر کے امام ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے فدیہ سے بے نیاز کیا ہے، مجھے

فلاں دے دیں کہ میں اسے قتل کردوں، حضرت علی اور حمزہ کو ان کے بھائی دے دیں کہ ان کو قتل کر دیں، اس مشورے کو رسول اللہ ﷺ نے ناپسند فرمایا اور فرمایا، اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کو نرم فرماتا ہے کہ وہ دودھ سے بھی زیادہ نرم ہو جاتے ہیں اور لوگوں کے دلوں کو سخت کرتا ہے کہ وہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتے ہیں، اے ابوبکر تیری مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح ہے، انہوں نے کہا جو میری اتباع کرتا ہے، وہ میرا ہے اور جو نافرمانی کرتا ہے، ﴿اے اللہ﴾ تو غفور رحیم ہے اور اے عمر تیری مثال حضرت نوح علیہ السلام کی طرح ہے، انہوں نے کہا، اے رب کسی کافر کو زمین پر سلامت نہ چھوڑ، پس آپ نے صحابہ کرام کو اختیار عطا فرمایا تو انہوں نے فدیہ لے لیا، اس پر آیت ﴿ما کان لنبی﴾ نازل ہوئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضور ﷺ کے پاس آئے تو ﴿دیکھا﴾ کہ حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گریہ زن ہیں، انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ مجھے بھی خبر دیجئے، اگر رونا آئے تو رو لوں، نہیں تو ویسی صورت بنالوں، آپ نے فرمایا، میں اپنے صحابہ کے فدیہ لینے پر گریہ زن ہوں کہ ان کا عذاب میرے سامنے پیش ہوا جتنا کہ یہ قریبی درخت ہے اور قاضی بیضاوی نے فرمایا مزید روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا، لو نزل العذاب لما نجا منه غيره عمر و سعد بن معاذ، اگر عذاب نازل ہوتا تو عمر اور سعد بن معاذ کے سوا کوئی نہ نجات حاصل کرتا اور اس طرح حضور ﷺ نے اثخان کی طرف اشارہ فرمایا، پس ہم کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کاغذ منگوانے، لشکر اسامہ کی تجہیز اور اسی طرح اخراج مروان کا حکم، حضور ﷺ نے طریق وحی سے نہ

فرمایا ہو بلکہ اجتہاد و رائے کے طریقے سے فرمایا ہو اور ہمیں تسلیم نہیں کہ اس کا خلاف کفر ہے، کیونکہ اس قسم کا خلاف صحابہ کرام سے وارد ہوا جیسا کہ اوپر گزرا، وہ نزول وحی کا زمانہ تھا اس کے باوجود اس خلاف پر کوئی انکار و عتاب نہ نازل ہوا جبکہ حال یہ تھا اگر حضور ﷺ کی نسبت کوئی معمولی سی چیز بھی صحابہ کرام سے صادر ہو جاتی تو حق سبحانہ فی الحال اس فعل سے روک دیتا اور اس کی مباشرت پر وعید فرما دیتا، جیسا کہ اس نے فرمایا، یا ایها الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم، اے ایمان والو اپنی آوازیں نبی اکرم ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو اور ان کیلئے اونچا نہ بولو جس طرح ایک دوسرے سے بولتے ہو کہ تمہارے اعمال ضبط ہو جائیں اور تمہیں شعور بھی نہ ہو، شارح المواقف نے آمدی سے نقل فرمایا کہ مسلمان وصال نبی ﷺ کے وقت ایک ہی عقیدہ پر تھے، مگر جو دل میں نفاق رکھتا اور وفاق کو ظاہر کرتا ﴿اس کا اور طریقہ تھا﴾ پھر ان میں امور اجتہادیہ میں خلاف پیدا ہوا جن سے نہ ایمان واجب ہو اور نہ کفر، اس سے ان کی غرض صرف ''مراسم دین'' کی اقامت اور ''مناہج شرع'' کی ادامت تھی، ان میں سے ایک خلاف یہ تھا جو مرض وصال میں قول نبی ایتونی بقرطاس، ﴿میرے پاس کاغذ لاؤ﴾ پر ہوا اور اس کے بعد اس اختلاف کی طرح جو لشکر اسامہ کے تخلف سے متعلق تھا، ایک جماعت نے حضور ﷺ کے فرمان، جهزوا جیش اسامة لعن الله من تخلف عنه، کو سامنے رکھ کر اتباع کو واجب سمجھا ﴿یاد رہے کہ لعن الله من تخلف عنه کے الفاظ اہل سنت کے ہاں نہیں ملتے﴾ اور ایک جماعت نے رسول اللہ ﷺ کی ''صحت طبع'' کے انتظار میں تخلف فرمایا۔

اگر کوئی کہے اور مقدمہ ممنوعہ کا اثبات کرے کہ آنسرور ﷺ کا اجتہاد بھی وحی تھا، پس صادق آیا کہ ان کے جمیع افعال و اقوال بموجب وحی تھے، اس طرح احکام اجتہادیہ بھی بموجب وحی تھے، ہم کہتے ہیں کہ یہاں فرق ہے، ہر ایک فعل اور ہر ایک قول وحی سے صادر ہوا تو اس جگہ وحی سے اجتہاد کا جواز ثابت ہوا ﴿کہ امت میں وحی تو جاری نہ رہے گی، اجتہاد جاری رہے، بلکہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ٹھہرے﴾ اور احکام اجتہادیہ ان کی تفاصیل کے ساتھ تفصیلی دلائل اور فکری مقدمات سے مستنبط ہوئے، اگر تم دیکھتے ہو کہ مجتہدین کے اقوال وحی سے نہیں اور ان کا اجتہاد وحی سے ثابت ہے تو وہ قول تعالیٰ ہے، فاعتبروا یا اولیٰ الابصار، ہم مزید کہتے ہیں کہ اس مقدمہ ممنوعہ کو تسلیم کرنا ﴿یہاں﴾ بے فائدہ ہے، کیونکہ ہمارے لئے بنیادی مقدمہ قائلہ یہ ہے کہ ﴿اجتہادی امور میں﴾ ان کا خلاف کفر ہے ﴿یا نہیں﴾ اس کی سند گزر چکی ہے، پس غور کرنا چاہئے۔

علمائے ماوراء النہر کی عبارات میں یہ واقع ہونا کہ آنحضرت ﷺ کے جمیع اقوال و افعال بموجب وحی ہیں تو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ یہاں ان کی مراد "امور اجتہادیہ" کے سوا ہوگی جو آنحضرت ﷺ سے صادر ہوئے، یہ برابر ہے کہ وحی جلی سے ہوں کہ وحی خفی سے ہوں اور ان کے مدعا کی اس قدر تعمیم ہی کافی ہے، جو احادیث، خلفائے ثلاثہ کی تعریفوں میں وارد ہوئیں وہ غیبی اخبار کے قبیلے سے ہیں اور وہ طریق وحی سے ہیں جس میں رائے اور اجتہاد کو کوئی دخل نہیں، اللہ عزوجل نے فرمایا، وعندہ مفاتیح الغیب لا یعلمها الا هو، غیب کی کنجیاں تو اللہ کے

پاس ہیں جن کو وہی جانتا ہے اور فرمایا، عالم الغیب فلا یظهر علیٰ غیبه احداً الا من ارتضیٰ من رسول ، وہ عالم غیب کسی پر اپنا غیب ظاہر نہیں کرتا مگر جس رسول کو چاہے، اس تقدیر پر لازم آتا ہے کہ آیت کریمہ 'وما ینطق عن الھوی' کی مراد قرآن اور وحی خفی کو عام ہے، یہ پوشیدہ نہیں اور شک نہیں کہ ان اقوال و افعال کے انکار اور مخالفت سے وحی کا انکار اور مخالفت لازم آتی ہے اور مخالفت وحی کفر ہے، ان کی تعریفوں میں جو احادیث مبارکہ وارد ہیں وہ اللہ سبحانہ کے اعلام سے بکثیر ہیں اور ''کثرت طرق'' اور ''تعدد روایت'' سے حد شہرت کو، بلکہ معناً حد تواتر کو پہنچتی ہیں، لہذا ہم ان میں سے چند ذکر کرتے ہیں:

شان خلفائے ثلاثہ:

○......امام ترمذی نے حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا کہ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم غار میں میرے صاحب ہو اور حوض پر میرے صاحب ہو۔

○......انہی سے ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا؛ میرے پاس جبریل امین علیہ السلام آئے اور میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے جنت کا دروازہ دکھایا جس میں سے میری امت داخل ہوگی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ، ﴿میری آرزو ہے﴾ کہ میں آپ کے ساتھ اس میں داخل ہوتا اور اسے دیکھتا، حضور ﷺ

نے فرمایا، اے ابوبکر تم پہلے جنت میں داخل ہو گے۔

○……بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کہ میں جنت میں داخل ہوا، یہاں تک فرمایا کہ میں نے ایک محل دیکھا جس کے صحن میں ایک کنیز تھی، میں نے کہا کس کیلئے، کہا گیا کہ عمر بن خطاب کے لئے، میں نے ارادہ کیا کہ اس میں داخل ہو جاؤں اور اسے دیکھوں مگر میں نے، ﴿اے عمر﴾ تمہاری غیرت یاد کی، حضرت عمر نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قربان کیا میں آپ کی غیرت کروں گا۔

○……ابن ماجہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا وہ شخص جو جنت میں میری امت کے اعلیٰ درجہ پر ہوگا، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم ہم عمر بن خطاب کے سوا کسی کو ''وہ شخص'' تصور نہ کرتے حتیٰ کہ وصال فرما گئے۔

○……بخاری نے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میں نے ابوبکر و عمر کو آگے نہیں بڑھایا لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں آگے بڑھایا ہے۔

○……ابو یعلیٰ نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس جبریل آئے اور میں نے کہا اے جبریل میرے سامنے عمر بن خطاب کے فضائل بیان کریں،

انہوں نے کہا اگر میں بیان کروں جتنی دیر نوح علیہ السلام اپنی قوم میں رہے تو بھی ان کے فضائل ختم نہ ہوں اور بے شک عمر، ابو بکر کی نیکیوں میں سے ایک نیکی ہے۔

○ ...... ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور ابن ماجہ نے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابو بکر اور عمر، نبیوں رسولوں کے علاوہ جنت میں اولین و آخرین کے تمام ادھیڑ عمروں کے سردار ہیں۔

○ ...... بخاری و مسلم نے اشعریٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، انہوں نے فرمایا کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ باغات مدینہ میں سے ایک باغ میں تھا، پس ایک شخص آیا اور دروازہ کھلوایا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس کیلئے کھول دو اور اسے جنت کی بشارت سناؤ، میں نے کھولا تو وہ ابو بکر تھے، پس میں نے انہیں بشارت سنائی، جو حضور نے فرمائی تھی، انہوں نے اللہ کی تعریف کی، پھر ایک شخص آیا اور دروازہ کھلوایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کیلئے کھول دو اور اسے جنت کی بشارت سناؤ، میں نے اس کیلئے کھولا تو وہ عمر تھے، پس میں نے انہیں خبر سنائی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی، انہوں نے اللہ کی تعریف کی، پھر ایک شخص نے دروازہ کھلوایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس کیلئے کھول دو اور اسے جنت کی بشارت سناؤ اس مصیبت کے

ساتھ جو اسے پہنچے گی، وہ عثمان تھے، میں نے انہیں خبر سنائی جو
حضور ﷺ نے فرمائی تھی، انہوں نے اللہ کی تعریف کی اور پھر کہا،
اللہ مدد کرنے والا ہے۔

یہ ہے اور مزید یہ کہ اگر تسلیم کیا جائے ''اخراج مروان'' بطریق وحی تھا تو ہمیں تسلیم نہیں کہ آنحضرت ﷺ کی مراد نفی دائمی ہوئی ہو گی، یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ ﴿اس کا﴾ اخراج اور جلاوطنی موقت و موجل تھی، جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے حد زنا کے متعلق فرمایا 'البکر بالبکر جلد مائةٍ و تغریب عامٍ' ﴿یعنی ایک سال جلاوطنی ہے ہو سکتا ہے مروان کی جلاوطنی بھی اسی طرح معین وقت تک ہو﴾ چونکہ حضرت امیر المومنین عثمان ؓ اس کے اخراج کی مدت کو جانتے تھے، اس عقوبت اور جلاوطنی کی مدت ختم ہونے پر اسے مدینہ طیبہ لے آئے ﴿یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے اس کی اجازت حضور ﷺ سے لے لی تھی﴾ اس میں کوئی قباحت نہیں اور آیت 'الاتجدقوما' مودت کفار سے منع کرتی ہے اور کفر مروان ثابت نہیں کہ اس کی مودت ممنوع ہو، پس غور کرو اور انصاف کرو، ہٹ دھرمی سے باز آؤ کہ پاگل اونٹنی کی طرح پاگل بن جاؤ۔

شیعہ حضرات نے دوبارہ منع و مناقضہ کی صورت میں کہا کہ حضور اکرم ﷺ سے مدح خلفائے ثلاثہ کا وارد ہونا فریقین کا متفق علیہ نہیں، کیونکہ کتب شیعہ میں اس کا اثر ناپید ہے اور جو بات ان کی مذمت پر دلالت کرتی ہے، مذکورہ دو روایتوں کی طرح، فریقین کی کتابوں میں مسطور ہے، نیز بعض اہل سنت برائے

مصلحت وضع حدیث کی تجویز کرتے ہیں پس غیر متفق علیہ حدیث پر اعتماد نہیں۔

ہم دفع اشکال میں ''مقدمہ ممنوعہ'' کے اثبات کے طریق پر کہتے ہیں، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم، چونکہ شیعہ کمال تعصب وعناد سے سلف پر طعن کرنا اور خلفائے ثلاثہ کو گالیاں دینا بلکہ ان کی تکفیر کرنا اپنا اسلام اور عبادت خیال کرتے ہیں، ان کی مدائح ومناقب میں وارد احادیث صحاح پر بے سند ودلیل جرح کرتے ہیں اور ان میں تحریفات وتصرفات سے کام لیتے ہیں، حتیٰ کہ کلام اللہ کہ جس پر اسلام کا مدار ہے اور صدر اول سے بتواتر منقول ہے اور جس میں کوئی شبہ نہیں پایا جاتا اور وہ کوئی زیادت ونقصان قبول نہیں کرتا، اس میں بھی ''آیات محرفہ'' اور ''کلمات مزخرفہ'' داخل کردیتے ہیں اور قرآنی آیات میں تصحیفات تراشتے ہیں، چنانچہ آیت کریمہ 'ان علینا جمعه و قرانه فاذا قرانا ہ فاتبع قرانه' کو اس طرح تصحیف وتحریف کا نشانہ بناتے ہیں 'ان علیاً جمعه و قراته فاذا قرانا ہ فاتبع قرانه' اور کمال ضلالت سے کہا کرتے ہیں کہ بعض آیات قرآنی کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوشیدہ رکھا ہے کہ وہ اہل بیت اطہار کی مدائح میں ﴿وارد﴾ تھیں اور ان کو قرآن میں داخل نہ کیا۔

پہلے گزر چکا ہے کہ ان کا ایک گروہ اپنے ''نفع وصلاح'' کیلئے جھوٹی گواہی کو تجویز کرتا ہے، لہذا ان مفاسد کے سبب شیعہ مورد طعن ہو گئے، ان کا ''اعتماد وعدالت'' سرے سے برطرف ہوگئی اور ان کی کتب مدونہ درجۂ اعتبار سے ساقط ٹھہریں اور تورات وانجیل کی صورت ''محرفہ'' ثابت ہوئیں، ﴿جبکہ﴾ کتب اہل سنت مثل صحیح بخاری جو کتاب اللہ کے بعد ''اصح الکتب'' ہے اور صحیح مسلم وغیرہ

میں خلفائے ثلاثہ کی مدح و تعظیم کے علاوہ کچھ ﴿منقول﴾ نہیں، جن ﴿مباحث﴾ کو شیعہ اپنے ''فساد طبیعت'' اور ''انحراف مزاج'' سے مذمت خیال کرتے ہیں ﴿یہ انکا﴾ تصور باطل اور خیال فاسد ہے، ﴿یہ عادت﴾ ''وجدان صفراوی کے قبیل سے ہے کہ ﴿آدمی﴾ شکر کو بھی تلخ کہتا ہے، اس کی تحقیق جو شیعہ کہتے ہیں کہ بعض اہل سنت، برائے مصلحت، وضع حدیث کی تجویز کرتے ہیں، پس غیر متفق علیہ حدیث پر اعتماد نہیں، تو یہ تو اس صورت میں ہے کہ اہل سنت نے ان کے بعض کلام کو رد نہیں کیا اور اس کا انکار نہیں کیا اور ان کا جھوٹ ظاہر نہیں کیا واقعہ تو ایسا نہیں ہے، بلکہ انہوں نے اپنی کتابوں میں اس کے کذب و افترا کی تصریح کی ہے اور اسے اعتبار و اعتماد کے درجہ سے ساقط ٹھہرایا ہے، پس اس کی طرف کوئی اعتراض نہیں آتا اور وہ حق جس کی برہان واضح و بین ہے اس کو اس باطل سے نہ ملاؤ جس کا بطلان ظاہر و مبین ہو چکا ہے۔

ایک اشکال کا جواب:

پھر شیعہ نے جواب میں بطریق منع کہا کہ ہم نہیں مانتے کہ خبر واحد کی مخالفت کفر ہے کہ اخبار آحاد کی مخالفت تو مجتہدین سے بھی واقع ہوئی۔

پوشیدہ نہ رہے کہ جو احادیث خلفائے ثلاثہ کی توصیف و تعظیم میں وارد ہوئیں اگرچہ از روئے الفاظ ''آحاد'' ہیں مگر ''کثرت روات'' اور ''تعدد طرق'' سے معناً حد تواتر تک پہنچتی ہیں، جیسا کہ ثابت ہوا اور اس میں شک نہیں کہ ان کے

مدلول کا انکار کفر ہے اور مجتہدین سے ایسی اخبار آحاد کی مخالفت ﴿ہرگز﴾ واقع نہیں ہوئی ، بلکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ جو اہل سنت کیلئے رئیس ہیں تو مطلق خبر واحد بلکہ اقوال صحابہ کو قیاس پر مقدم جانتے اور ان پر مخالفت تجویز نہ فرماتے۔

ایضاً شیعہ نے خلفائے ثلاثہ کی مدح وارد کو تسلیم کر کے جواب میں کہا اور مقدمہ صحیحہ کو منع کیا کہ خلفائے ثلاثہ کی نسبت حضرت پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر، ان کی مخالفت کے صدور سے قبل تھی ، وہ ان کے حسن خاتمہ اور سلامت آخرت پر دلالت نہیں کرتی ، کیونکہ صدور عصیاں سے پہلے سزا دینا درست نہیں اگر چہ اس کا صدور معلوم ہو جیسا کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ ابن ملجم کے عمل سے خبر دار تھے مگر اسے سزا نہ دی پوشیدہ نہ رہے کہ ان کی مدائح میں وارد احادیث ﴿ان کے﴾ حسن خاتمہ اور سلامتی عاقبت پر دلالت کرتی ہیں اور امن خاتمہ کی خبر دیتی ہیں، چنانچہ احادیث مذکورہ سے بھی یہ دلالت سمجھ آسکتی ہے، اس کی امثال ”صحاح وحسان“ کی حدیثوں میں بہت زیادہ ہیں اور یہ کہنا کہ صدور عصیاں سے پہلے عقوبت درست نہیں اگر چہ اس کا صدور معلوم ہو، اسی طرح کسی معلوم الذم ﴿جس کا ذم معلوم ہو﴾ اور مستوجب عقوبت کی تعریف بھی جائز نہیں، پس ان کی تعریف کا ورود حالاً و مالاً ان کے حسن ﴿خاتمہ﴾ پر دلیل ہے، لہذا حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے جو ہر چند ابن ملجم کو سزا نہ دی، تو اس کی مدح وتوصیف بھی تو کسی طرح نہیں کی ، ان مباحث کی تحقیق آیت کریمہ 'لقد رضی اللہ عن المومنین ' کے تحت مذکور ہوگی۔

سَبِّ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کفر ہے:

علمائے ماوراء النہر رحمہم اللہ سبحانہ نے فرمایا کہ خلفائے ثلاثہ آیت کریمہ 'لقد رضی اللہ عن المومنین اذیبا یعونك تحت الشجرۃ' ﴿بیشک اللہ ایمان والوں سے راضی ہوا جب انہوں نے درخت کے نیچے آپ کی بیعت کی﴾ کے مطابق اللہ مالک و منان کی رضا سے مشرف ہوئے ہیں پس ان کو گالی دینا کفر ہے۔

روافض کا جواب:

شیعہ حضرات نے بطریق مناقضہ جواب دیا اور ان سے ''امر رضوان'' کے استلزام کو منع کیا کہ عند التحقیق آیت کا مدلول اس فعل خاص ﴿بیعت﴾ کے ساتھ حضرت اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور اس کا کوئی منکر نہیں کہ بعض ''افعال حسنہ مرضیہ'' بھی ان سے واقع ہوئے، کلام اس میں ہے کہ بعض افعال قبیحہ ان سے وجود میں آئے جو اس عہد و بیعت کے مخالف ہیں، جیسا کہ انہوں نے امر خلافت میں نص پیغمبر کی مخالفت کی اور خلافت غصب کی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آزردہ کیا، چنانچہ صحیح بخاری میں مذکور ہے اور مشکوٰۃ میں ان کے مناقب میں منقول ہے 'من اذاھا فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ' جس نے ان کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ کو ناراض کیا، کلام صادق میں بھی یہ مضمون ناطق ہے،' ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ ' جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کو ستایا ان پر دنیا و آخرت میں

اللہ کی لعنت، حاصل ہوا کہ ان افعال ذمیہ، ﴿مثلاً﴾ حضرت پیغمبر ﷺ کی وصیت کی تردید اور لشکر اسامہ سے تخلف کی وجہ سے یہ لوگ مورد طعن و مذمت ہوئے لہذا "سلامت عاقبت"، عملوں کے حسن خاتمہ سے اور حضرت رسول متعال ﷺ کا عہد و بیعت پر وفا کرنے سے ﴿مشروط﴾ ہے۔

حضرت مجدد کا محاکمہ:

مقدمہ ممنوعہ کے اثبات کے استلزام کے بیان میں ہم کہتے ہیں کہ آیت کریمہ کا مدلول، بہ تحقیق و تدقیق ان مومنوں کے ساتھ رضائے حق ہے جنھوں نے اس وقت آنحضرت ﷺ کی بیعت کی، یہ تو بالکل ثابت ہے، تدقیق کا بھی یہی تقاضا ہے کہ ان کی بیعت اللہ سبحانہ کی خوشنودی کی علت ہے جو ان پر ہوئی، ہاں بیعت کا پسندیدہ ہونا اس سے ہی ذہن نشین ہوتا ہے وہ رضا کی علت ہے، وہ لوگ اس کے سبب پسندیدہ ہو چکے ہیں تو بیعت طریق اولیٰ پسندیدہ ہوگی، لیکن بیعت کا اصالۃً بغیر اس کے پسندیدہ موصوفین کے پسندیدہ ہونا جس طرح کہ شیعہ حضرات کا زعم ہے، اصلاً خلاف فہم ہے جیسا کہ جس کو اسلایب کلام کی ادنیٰ سی درایت بھی ہے، اس پر یہ بات پوشیدہ نہیں، جب حق کا ان پر التباس ہو گیا تو انہوں نے اپنی خطا کا نام تدقیق رکھ لیا۔

پس ہم کہتے ہیں کہ جس جماعت کے ساتھ حق سبحانہ و تعالیٰ راضی ہو چکا ہو اور وہ ان کے سرائر و بواطن کو جانتا ہو اور ان پر سکینہ و طمانیت نازل فرما چکا ہو جس

پر اس کے قول نے دلالت کی 'فعلم مافی قلوبهم فانزل السكينة عليهم ' اس نے ان کے دلوں کو جانا اور ان پر سکینہ نازل فرمائی اور آنحضرت ﷺ نے انہیں جنت کے ساتھ مبشر بنایا ہو تو وہ ضرور سوء خاتمہ کے خوف اور عہد و بیعت کے نقص سے معون و مامون ہوگی۔

جو ہم نے نقل کیا اس پر اگر آیت سے مراد رضائے حق تعالیٰ ہو اور وہ فعل خاص بیعت ہے جیسا کہ وہ گمان بھی کرتے ہیں کہ ہر گاہ کہ حق سبحانہ وتعالیٰ ان کی بیعت سے راضی تھا اور اس فعل کو مستحسن بنایا تو جو جماعت اس سے موصوف ہے وہ پسندیدہ اور ''محمود العاقبت'' ہوگی کہ اللہ تعالیٰ افعال کفار سے اور اس طرح مذموم العاقبت جماعت کے اعمال سے راضی نہیں ہوتا اور ان کے افعال کو مستحسن نہیں بناتا اگرچہ وہ فی نفسہا حسنہ وصالحہ ہی ہوں، وہ کافروں کے اعمال صالحہ کے باب میں فرماتا ہے 'والذين كفرو ااعمالهم كسراب بقيعة يحسبه الظمان ماء حتیٰ اذا جاء ه لم يجد شيا '' کافروں کے اعمال سراب کی طرح ہیں جیسے صحرا میں پیاسا پانی تصور کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کے قریب آتا ہے تو کچھ نہیں پاتا۔ دوسرے مقام پر فرماتا ہے 'ومن يرتد منكم عن دينه فيمت وهو كافر فاولئك حبطت اعمالهم فى الدنيا والاخرة ' اور جو تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے، پس مر جائے اور کافر ہو، وہی ہیں جن کے اعمال دنیا و آخرت میں تباہ ہوگئے، پس وہ فعل جو آخرت میں کارآمد نہ ہو اور ناچیز ہو، اس فعل کے ساتھ رضائے حق سبحانہ وتعالیٰ کا ہرگز کوئی معنی نہیں، اس لئے کہ رضا، مرتبہ قبول کی نہایت

ہے اور خدا تعالیٰ کے رد و قبول کا اعتبار انجام کار کے ساتھ ہے، 'العبرة للخواتیم' عبرت تو خاتموں سے ہے۔

اور یہ کہ امیر المومنین علی ؓ کی خلافت کیلئے حضرت پیغمبر اعظم ﷺ سے نص کا ورود ثابت نہیں، بلکہ اس کے ''امتناع ورود'' پر دلیل قائم ہو چکی ہے، کیونکہ اگر دلیل وارد ہوتی تو یہ تواتر منقول ہوتی، اسلئے کہ اس کے نقل پر بہت سے دواعی ہوتے' کقتل الخطیب علی المنبر، منبر پر خطیب کے قتل کی طرح ﴿کہ وہ مشہور ہوتا ہے﴾ نیز حضرت علی ؓ اس دلیل کے ساتھ احتجاج کرتے اور حضرت ابو بکر صدیق ؓ کو خلافت سے روکتے، جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے انصار کو اس خبر کے ساتھ امامت سے روکا کہ ' الائمة من قریش 'امام قریش سے ہیں اور انصار نے اس کو قبول کیا اور امامت کو چھوڑ دیا تھا، شارح تجرید نے فرمایا کہ جو ﴿دین سے﴾ ادنیٰ سا تعلق بھی رکھتا ہے وہ کیسے سوچ سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام جنھوں نے نصرت رسول، شریعت کی اقامت، حکم رسول کے انقیاد اور ان کی طریقت کی اتباع میں اپنی جانیں نثار کیں، اپنے ذخیرے قربان کئے اور اپنے رشتہ داروں اور قریبیوں کو قتل کیا، وہ ان کی تدفین سے پہلے ہی ﴿انکے﴾ مخالف ہو گئے، پھر ان قطعی وظاہری اور مراد پر دلالت کرنے والی نصوص کے وجود کے ہوتے ہوئے ﴿یہ کیسے ممکن ہے﴾ اس مقام پر بہت سی روایات واشارات ہیں جن کو ان نصوص کی امثال کے نہ ہونے پر جمع کرنا قطعی فائدہ مند ہے اور ان کی محدثین کرام نے حضرت امیر ؓ کے ساتھ اپنی شدت

محبت کے باوجود تبثیت وتوثیق نہیں فرمائی جبکہ انہوں نے ان کے امر دین ودنیا کے مناقب وکمالات میں بہت سی احادیث نقل کی ہیں، ﴿وہ نصوص ان کے﴾ خطبوں، رسالوں، مخاصموں اور مفاخروں اور تاخر بیعت کے وقت بھی بیان نہیں ہوئیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شوریٰ کو چھ اشخاص کے درمیان مقرر فرمایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شوریٰ میں داخل کیا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا اپنا ہاتھ دو، میں تمہاری بیعت کروں یہاں تک کہ لوگ پکار اٹھیں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے چچا ہیں، جنھوں نے ان کے عم زاد کی بیعت کر لی ہے، پس تم سے دو آدمی بھی اختلاف نہ کریں گے، تو انہوں نے کہا ہم ابو بکر سے تنازعہ نہیں کرتے، اس امر میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا ہوتا، اب امام کوئی ہو، ہم اس سے تنازعہ نہیں کریں گے، خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے پر لوگوں سے مجادلہ کیا، جس میں نبی اکرم ﷺ کی کوئی نص پیش نہ فرمائی۔

آزار فاطمہ کی توجیہ:

آزاد فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ممانعت جو حدیث میں وارد ہوئی ظاہر ہے کہ وہ بہ ہر وجہ مطلق مراد نہیں ہو سکتی، کیونکہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا بعض اوقات، حضرت امیر رضی اللہ عنہ سے بھی آزردہ ہوئیں جیسا کہ اخبار و آثار میں آیا ہے، نیز حضرت پیغمبر اعظم ﷺ نے اپنی بعض ازواج مطہرہ کو فرمایا 'لا توذینی فی عائشة فان الوحی لا یاتینی فی ثوب امراۃِ الا عائشة' تم مجھے عائشہ کے متعلق اذیت نہ دو

مجھے عائشہ کے سوا کسی زوجہ کے پردے میں وحی نہیں آتی، یہاں حضور ﷺ نے آزار عائشہ کو اپنا آزار قرار دیا اور اس میں شک نہیں کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت امیر سے آزردہ ہوئیں، پس ہم کہتے ہیں کہ یہ ممکن ہے کہ جس ایذاء کی ممانعت احادیث میں وارد ہوئی ہے وہ ایذائے مخصوص ہو جو ہوائے نفسانی اور ارادہ شیطانی سے پہنچائی جائے، جو حدیث ونص کے مطابق ہونے والے اظہار کلمہ حق کے ممر سے آزار حاصل ہو وہ ممنوع اور منہی عنہ نہیں، یہ معلوم ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے آزار کا باعث ورثہ فدک کی رکاوٹ تھی اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اس رکاوٹ میں اس حدیث نبوی سے تمسک کیا تھا کہ 'نحن معاشر الانبیاء لانورث ماترکناهٗ صدقه'، ہم معاشر انبیاء وارث نہیں بناتے، جو ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے، ﴿اس مضمون کی روایت شیعہ حضرات کی کتاب اصول کافی میں بھی موجود ہے﴾ وہ ہوائے نفسانی کے تابع نہ تھی لہذا وعید میں داخل نہیں۔

اگر کوئی کہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ حدیث سے متمسک ہوئے اور وہ حکم بیان کیا جو آں سرور ﷺ سے سنا تھا تو پھر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کیوں ناراض اور آزردہ ہوئیں کہ وہ آزار فی الحقیقت آں سرور ﷺ کا آزار تھا اور وہی منہی عنہ ہے۔

جواب میں ہم کہتے ہیں کہ یہ غضب وآزار اختیاری وقصدی نہ تھا بلکہ طبع بشری اور جبلت عنصری کے سبب تھا اور یہ قدرت واختیار کے تحت داخل نہیں اور اس کے ساتھ نہی ومنع کا کوئی تعلق نہیں پس غور کرنا چاہئے، ﴿یہ یاد رہے کہ یہاں حضرت زہرا کا آزردہ ہونا راوی حدیث کا خیال ہے جو محل نظر ہے، حضرت زہرا نے حدیث مبارک سنی

اور تقاضائے فدک چھوڑ دیا، خاندان اہل بیت اور خاندان صدیق اکبر کے درمیان خوشگوار تعلقات بدستور قائم تھے، یہاں تک کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو آخری غسل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے دیا، حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ کی امامت کرائی جیسا کہ فریقین کی کتابوں سے ثابت ہے، مترجم﴾

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صحابیت:

علمائے ماوراء النہر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضرت پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا صاحب کہا اور صاحب پیغمبر قابل ذم و لعن نہیں ہوتا۔

روافض کا جواب:

شیعہ حضرات نے ''بطریق منع'' کہا کہ آیت 'قال لصاحبه وهو يحاوره اكفرت' ﴿اس نے صاحب سے کہا ﴿جہاں تک کہ﴾ وہ اس سے لڑتا تھا ﴿کہ﴾ تو نے کفر کیا﴾ ﴿اس پر﴾ دال ہے کہ مسلم و کافر کے درمیان مصاحبت واقع ﴿ہو سکتی﴾ ہے اور آیت 'یاصاحبی السجن ارباب متفرقون خیرام الله الواحد القهار' ﴿اے میرے اسیر ساتھیوں! کیا متفرق رب بہتر ہیں یا اللہ واحد قہار﴾ اس مقصود کی موید ہے، پس ہم کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام پیغمبر ہیں اور انہوں نے دو بت پرستوں کو صاحب کہا، ظاہر ہوا کہ مجرد صاحب پیغمبر ہونا کوئی دلیل خوبی نہیں۔

ہر کرا روئے بہ بہبود نہ داشت
دیدن روئے نبی سود نہ داشت

حضرت مجدد کا محاکمہ:

ہم مقدمہ ممنوعہ کو ثابت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ البتہ مصاحبت، بہ شرط مناسبت موثر ہے اور اس کی تاثیر کا انکار بداہت سے متصادم اور عرف و عادت سے معارض ہے، ایک بزرگ نے فرمایا ہے ؎

ہر کہ از آثار صحبت منکر است
جہل او بر ما مقرر می شود

اور جب مسلم و کافر کے درمیان مناسبت متحقق نہ تھی تو ایک دوسرے کی تاثیر صحبت کو قبول کرنے سے محروم رہ گئے، اس کے ساتھ منقول ہے کہ دو بت پرست حضرت یوسف علیہ السلام کی صحبت کی برکت سے مسلمان ہوئے اور مشرکوں کی عادت سے بیزار ہو گئے، پس حضرت صدیق رضی اللہ عنہ، آنحضرت ﷺ کی صحبت کی سعادت سے مناسبت تمام رکھنے کے باوجود کیوں ﴿سعادت مند﴾ نہ ہوئے اور ان کے کمالات و معارف سے کیوں محروم رہے، حال تو یہ ہے کہ آنسرور ﷺ نے فرمایا 'ماصب الله شیافی صدری الا وقد صببته فی صدر ابی بکر' اللہ نے جو چیز میرے سینے میں رکھی میں نے اس کو ابو بکر کے سینے میں رکھ دیا اور ہر چند مناسبت بیشتر ہو، فوائد صحبت افزوں تر ﴿ہوتے ہیں﴾ لہذا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جمیع اصحاب سے افضل ہوئے اور ان میں سے کوئی بھی ان کے مرتبہ کو نہ پہنچا، اس لئے کہ ان کی سرور عالم ﷺ کے ساتھ مناسبت سب سے زیادہ تھی،

حضور ﷺ نے فرمایا 'مافضل ابی بکر بکثرة الصلوٰة ولا بکثرة الصیام ولکن بشی و قرفی قلبه '، یعنی ابوبکر نماز وروزہ کی کثرت کی وجہ سے افضل نہیں بلکہ ایک اور چیز کی وجہ سے ﴿افضل﴾ ہیں جو ان کے دل میں ڈالی گئی ہے، ﴿یہ حدیث شیعہ کتاب مجالس المومنین میں بھی ہے﴾ علما کرام فرماتے ہیں کہ وہ چیز محبت پیغمبر ہے اور اس میں فنا ہے، پس انصاف کرنا چاہئے کہ ایسا مصاحب پیغمبر کیوں قابل ذم ولعن ہوگا' کبرت کلمة تخرج من افواههم ان یقولون لا کذبا'، ان کے مونہوں سے بہت بڑی بات خارج ہوتی ہے، وہ جھوٹ کے سوا اور کچھ نہیں کہتے۔

حضرت امیر کی بشارت:

علمائے ماوراء النہر نے فرمایا کہ حضرت امیر علی رضی اللہ عنہ نے کمال شجاعت کے باوجود خلفاء ثلاثہ کی بیعت کرتے وقت لوگوں کو منع نہ فرمایا اور خود بھی ﴿ان کی﴾ متابعت و مبایعت فرمائی یہ دلیل حقیقت بیعت ہے وگرنہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ پر اعتراض لازم ہوگا۔

روافض کا جواب:

شیعہ حضرات نے جواب میں بطریق نقض کہا اور الزام مشترک سے اس کا رد کیا اور اس کی توجیہ بھی بطریق منع ممکن ہو سکتی ہے جیسا کہ مناظرہ میں تھوڑی سی درایت رکھنے والے پر پوشیدہ نہیں، انہوں نے یہ ظاہر کیا کہ قبل اس کے کہ حضرت

امیر ؓ تجہیز وتکفین سے فارغ ہوتے خلفائے ثلاثہ نے سقیفہ بنی ساعدہ میں اکثر اصحاب کو جمع کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی بیعت کی جائے، حضرت امیر ؓ ﴿اپنے﴾ متبعین کی قلت پر اطلاع پانے اور اہل حق کے "بیم ہلاک" کے ﴿سبب﴾ یا بباعث دیگر، لڑائی پر آمادہ نہ ہوئے، یہ ﴿وجہ﴾ حقیقت بیعت پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ حضرت امیر ؓ باکمال شجاعت حضرت پیغمبر ﷺ کی ملازمت میں رہتے تھے اور حضرت پیغمبر ﷺ بھی ان سے شجاعت وقوت میں کمتر نہیں تھے اور ہمارے پیغمبر ﷺ نے حضرت امیر اور تمام صحابہ کرام کے ساتھ ہوتے ہوئے کفار قریش سے جنگ نہ فرمائی اور مکہ معظّمہ سے ہجرت فرمائی، پھر ایک مدت کے بعد مکہ کی طرف متوجہ ہوئے اور حدیبیہ میں صلح کی اور مراجعت فرمائی، پس ﴿قریش مکہ سے﴾ حضرت پیغمبر ﷺ، حضرت امیر اور تمام صحابہ کے جنگ نہ کرنے کی جو بھی وجہ ہوسکتی ہے تنہا حضرت امیر کے جنگ نہ کرنے کی بھی ہوسکتی ہے، اس پر زائد یہ بات کہ کفار قریش کا حق ہونا تو اصلاً متصور نہیں اور اہل تحقیق کے نزدیک یہ نقض تو اوپر بھی جاسکتا ہے کہ فرعون چار سو سال تک دعویٰ خدائی میں مسند سلطنت پر رہا اور شداد و نمرود وغیرہما سے ہر کوئی بھی کئی سال اس باطل کا مدعی ہوا اور حضرت اللہ تعالیٰ نے کمال قدرت سے ان کو ہلاک نہ کیا، ہرگاہ دفع خصم میں حق تعالیٰ نے جو تاخیر فرمائی بندہ تنہا کے مادہ میں ﴿وہ تاخیر﴾ بطریق اولیٰ ہوسکتی ہے اور جو علما کرام نے فرمایا کہ حضرت امیر نے ان کی بیعت کی اس کا وقوع "اکراہ وتقیہ" کے بغیر ممنوع ہے۔ ﴿یعنی اکراہ وتقیہ کے ساتھ جائز ہے﴾

حضرت مجدد کا محاکمہ:

ہم اشکال کے حل میں کہتے ہیں اور اللہ سبحانہ ہی حقیقت حال کو زیادہ جانتا ہے، علمائے ماوراء النہر نے حضرت ابو بکر صدیق ؓ سے حضرت امیر ؓ کی ''تاخیر حرب'' اور ان کی متابعت کرنے کو خلافت ابو بکر کی حقانیت پر دلیل ٹھہرایا ہے اور بیشک وہ ﴿دلیل﴾ کفار قریش کے ساتھ حضرت پیغمبر ﷺ کی ''تاخیر حرب'' سے اور فرعون وشداد ونمرود کے اہلاک میں، اللہ تعالیٰ کی تاخیر سے منتقض نہیں ہو سکتی، ﴿اس لیے﴾ کہ دلیل کی دوسری شق اس جگہ سرے سے متحقق نہیں بلکہ اس کی نقیض ثابت ہے، کیونکہ حضرت پیغمبر ﷺ اور حضرت اللہ تعالیٰ نے ان کی ''مذمت و تشنیع'' کے علاوہ کچھ نہیں فرمایا اور ان کو ''بدی وبدعملی'' کے سوا یاد نہ کیا' فاین هذا ان من ذاك 'اس سے بھلا اس کا کیا رشتہ اور جب شیعہ حضرات کو حضرت امیر ؓ کی بیعت صدیق سے مجال انکار نہ رہی کہ یہ خبر حد تواتر تک پہنچی تھی اور اس کا انکار بدیہی عقل سے متصادم تھا تو ﴿نظریۂ﴾ ضرورت ﴿کے تحت﴾ اکراہ وتقیہ کے قائل ہو گئے، انہوں نے خلافت صدیق کے ابطال میں اس سے بہتر ''مجال سخن'' نہ پائی اور وہ اس کے بغیر اپنے لئے کوئی خلاصی ﴿کی راہ﴾ پیدا نہ کر سکے۔

خلافت صدیق اکبر ؓ کی حقانیت کے بیان میں اور اکراہ و تقیہ کے احتمال کو دور کرنے کیلئے ہم کہتے ہیں کہ حضرت پیغمبر ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرام تدفین سے پہلے ''نصب امام'' میں مشغول ہو گئے اور انہوں نے ﴿ظاہری﴾

زمان نبوت گزر جانے کے بعد امام کا تقرر واجب سمجھا بلکہ اہم ترین واجب تصور کیا کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے ﴿ان کو﴾ حدود کی اقامت، دروں کی رکاوٹ، جہاد اور اسلام کی حفاظت کیلئے لشکروں کے بندوبست کا حکم دیا تھا اور جو واجب مطلق پورا نہیں ہوتا مگر جس کے ساتھ وہ مقدور ہو تو وہ واجب ہے، لہذا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا 'یاایھاالناس من کان یعبد محمداً فان محمداً قدمات ومن کان یعبدالله فان الله حی لایموت لابدلهذاالامرممن یقوم بی فانظرواوھاتوارایکم فقالوصدقت ' اے لوگو! جو کوئی محمد مصطفیٰ ﷺ کی عبادت کرتا تھا ﴿سن لے﴾ وہ وصال فرما گئے اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا ﴿وہ بھی سن لے﴾ کہ اللہ زندہ ہے، کبھی نہ مرے گا، اس امر کیلئے ضروری ہے کہ کوئی ﴿بطور حاکم﴾ کھڑا ہو پس دیکھ لو اور اپنی رائے پیش کرو، سب نے کہا، آپ نے سچ فرمایا، پھر سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی، بعد ازاں مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم میں سے جمیع صحابہ کرام نے بیعت کی، ان کی بیعت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ برسر منبر تشریف لائے اور قوم کی جانب ملاحظہ کیا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو نہ پایا، فرمایا کہ ان کو حاضر کیا جائے، جب وہ حاضر ہوئے تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، کیا آپ مسلمانوں کے اجماع کو توڑنا چاہتے ہیں، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا ' لا تشریب یا خلیفة رسول الله ' اے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ ایسا ہرگز نہیں، پس انہوں نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی ﴿ایک بار﴾ پھر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے قوم کو ملاحظہ فرمایا تو حضرت امیر کو نہ پایا، فرمایا ان کو طلب کیا جائے،

جب وہ حاضر ہوئے تو حضرت صدیق اکبر ؓ نے فرمایا، کیا آپ ﴿بھی﴾ مسلمانوں کے اجماع کو توڑنا پسند کرتے ہیں، حضرت امیر ؓ نے کہا 'لا تثریب یاخلیفة رسول اللہ فبایعہ' اے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ ایسا ہرگز نہیں، پس انہوں نے ﴿بھی﴾ ان کی بیعت فرمائی، پھر حضرت امیر ؓ اور حضرت زبیر ؓ نے اپنی بیعت کی تاخیر کا عذر بیان کیا کہ ہمیں تو مشورہ میں پیچھے رکھنے کا غصہ تھا، ﴿اب﴾ ہم نے دیکھا کہ ابو بکر سب لوگوں سے زیادہ ﴿خلافت﴾ کے حقدار ہیں، بے شک وہ صاحب غار ہیں اور یہ کہ سب لوگوں میں سے حضور اکرم ﷺ نے انہی کو نماز پڑھانے کا حکم دیا ہے، امام شافعی ؒ نے فرمایا، خلافت ابو بکر پر سب لوگ جمع ہوئے، اسی طرح وہ ہی رسول اللہ ﷺ کے بعد افضل تھے اور لوگوں نے آسمان کے نیچے کسی کو ان سے بہتر نہ دیکھا، سو انہوں نے اپنی گردنیں ان کو پیش کر دیں، ایضاً حضرت ابو بکر صدیق ؓ، حضرت علی اور حضرت عباس ؓ کی خلافت کی حقانیت پر اجماع واقع ہو چکا تھا، حضرت علی ؓ اور حضرت عباس ؓ نے حضرت ابو بکر صدیق ؓ سے تنازعہ نہ کیا بلکہ انہوں نے بیعت کی، پس حضرت ابو بکر صدیق ؓ کی امامت پر اجماع تمام ہو گیا، اگر حضرت ابو بکر صدیق ؓ برحق نہ ہوتے تو حضرت علی وعباس ان سے تنازعہ کرتے، جیسا کہ حضرت علی ؓ نے حضرت امیر معاویہ ؓ سے منازعت کی، شوکت معاویہ کے باوجود ﴿اپنا﴾ حق طلب کیا تا آں کہ خلق کثیر قتل ہو گئی، مزید یہ کہ اس وقت حق طلب کرنا بہت ہی مشکل تھا، ابتدائی طور پر تو بہت آسان تھا کہ ان کا زمانہ نبی اکرم ﷺ کے ﴿دور ظاہری

کے﴾ بہت قریب تھا اور ان کی ہمت ان کے احکام کو نافذ کرنے کیلئے بہت ہی راغب تھی، ایضاً یہ کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر رضی اللہ عنہ سے بیعت کی خواہش کی، حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے قبول نہ فرمائی، اگر وہ ان کی جانب حق دیکھتے تو ضرور کر لیتے اور حال یہ تھا کہ حضرت زبیر با کمال شجاعت ان کے ساتھ اور بنو ہاشم اور جمع کثیر بھی ان کے ساتھ متفق تھا، لہذا خلافت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے برحق ہونے کیلئے اجماع کافی ہے، اگرچہ ان کی خلافت پر نص ﴿قطعی﴾ وارد نہیں ہوئی ہے جیسا کہ جمہور علما کرام نے فرمایا، بلکہ نصوص غیر متواترہ سے اجماع زیادہ مضبوط ہے، اس لئے کہ اجماع کا مدلول قطعی ہوتا ہے اور ان نصوص کا مدلول ظنی ہوتا ہے، پھر بھی ہم کہتے ہیں کہ ان کی خلافت کے حق ہونے پر نصوص بھی وارد ہوئیں، جیسا کہ محقق محدثین و مفسرین نے ذکر فرمایا، بعض محققین کے ذکر کردہ جمہور علمائے اہل سنت کے قول کا معنیٰ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے کسی کیلئے خلافت منصوص نہیں فرمائی اور نہ کسی کیلئے اس کا حکم دیا ہے، جو ہم نے بیان کیا اس نے خلافت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی حقیت ظاہر کر دی اور اکراہ و تقیہ کا احتمال باطل کر دیا۔

مزید یہ کہ اکراہ و تقیہ کا احتمال تو اس زمانے سے ہو سکتا ہے جس زمانے کے لوگ تابع حق نہ ہوں اور خیر القرون قرنی کی سعادت سے مستعد نہ ہوں، ابن صلاح اور منذری نے فرمایا ’الصحابة کلھم عدول‘ صحابہ کرام سب کے سب عدول ہیں اور ابن حزم نے کہا ’الصحابة کلھم من اھل الجنة‘ صحابہ کرام سب کے سب اہل جنت ہیں کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ’لا یستوی منکم من

انفق من قبل الفتح و قاتل اولئك اعظم درجة من الذين انفقوا من بعد و قاتلوا و كلا وعد الله الحسنىٰ 'یعنی تم میں سے فتح مکہ سے پہلے مال خرچنے والے اور جہاد کرنے والے جو اونچے درجے والے ہیں ان لوگوں کے برابر نہیں جنھوں نے فتح مکہ کے بعد مال خرچا اور جہاد کیا اور اللہ نے سب سے بھلائی کا وعدہ فرمالیا تو اس ارشاد کے ﴿وہ سب﴾ مخاطب ہیں اور ان سب کیلئے الحسنیٰ ثابت ہے اور وہ ہے جنت، یہ نہ سوچا جائے کہ انفاق اور جہاد کی تقیید سے وہ صحابہ خارج ہو گئے جو ان سے متصف نہیں، کیونکہ یہ قیود بطور غالب عائد کی ہیں، ان کا مفہوم اس کے خلاف نہ لیا جائے، اس سے مراد یہ بھی ہوسکتا ہے جو عزم و قوت کے ساتھ ﴿انفاق و جہاد سے﴾ متصف ہوا۔

اور یہ ہے کہ اکراہ و تقیہ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ کے نقص کو مستلزم ہے، کیونکہ اکراہ میں ترک عزیمت ہے اور تقیہ میں کتمان حق ہے جس سے منع کیا گیا ہے، ہرگاہ عام مومن بھی طاقت رکھتے ہوئے ترک اولیٰ سے راضی نہیں ہوتا اور امر ممنوع کا ارتکاب نہیں کرتا، خدا کے شیر اور بنت رسول کے شوہر جو شجاعت و صفدریت میں بے نظیر تھے کے متعلق کیسے سوچا جائے کہ وہ ان ناشائستہ امور کے مرتکب ہوئے تھے، شیعہ حضرات، ''کمال جہالت'' اور ''فرط ضلالت'' سے ان کے قدح کو مدح خیال کرتے ہیں اور ان کے نقصان کو کمال سمجھتے ہیں 'افمن زين له سوء عمله فراه حسنا' کیا جس کیلئے اس کے برے عمل اچھے دکھائے گئے تو وہ اس کو واقعی اچھا دیکھتا ہے۔

شیعہ کا قتال اور اخذ اموال:

علمائے ماوراء النہر نے فرمایا، جب شیعہ حضرات شیخین اور ذوالنورین اور بعض ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم کے سب و لعن جو کہ کفر ہے کو تجویز کرتے ہیں تو مالک حقیقی کے حکم کے مطابق دین حق کی بلندی کے لیے ان کا قتل و قمع بادشاہ اسلام اور تمام رعایا پر واجب و لازم ہے، ان کے مالات کی تخریب اور ان کے اموال و امتعہ کا حاصل کرنا جائز ہے۔

روافض کا جواب:

شیعہ حضرات نے اس کے جواب میں بطریق منع کہا کہ شارح عقائد نسفی نے سب شیخین کے کفر ہونے پر اشکال ﴿ظاہر﴾ کیا ہے اور صاحب جامع اصول نے شیعہ کو اسلامی فرقوں میں شمار کیا ہے اور صاحب مواقف نے بھی یہی کہا ہے، امام غزالی کے نزدیک سب شیخین کفر نہیں اور شیخ اشعری، شیعہ بلکہ سب اہل قبلہ کو کافر نہیں جانتے، پس ان حضرات نے تکفیر شیعہ میں جو فرمایا ”سبیل مومناں“ کے موافق اور قرآن وحدیث کے مطابق نہیں ہے۔

حضرت مجدد کا محاکمہ:

مقدمہ ممنوعہ کے اثبات کیلئے ہم کہتے ہیں کہ شیخین کو گالی دینا کفر ہے اور اس پر احادیث صحیحہ دال ہیں، جیسا کہ

○......المحاملی وطبرانی اور حاکم نے عویمر بن ساعدہ ؓ سے روایت کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے اصحاب اختیار کئے تو ان میں سے وزیر بنائے اور مددگار بنائے اور رشتہ دار بنائے، جس نے ان کو گالی دی تو اس پر اللہ اور تمام فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت، اللہ اس کے کسی صرف وعدل کو قبول نہ کرے گا۔

○......دار قطنی نے حضرت علی ؓ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد ایک قوم آئے گی جسے رافضی کہا جائے گا، پس ان کی علامت کیا ہے، فرمایا! وہ ﴿تمہاری شان﴾ میں افراط کریں گے جو تم میں نہیں اور سلف پر اعتراض کریں گے، ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ ابوبکر وعمر کو گالیاں دیں گے، جس نے اصحاب کو گالی دی اس پر اللہ، فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت۔

اس قسم کی بہت سے احادیث ہیں مگر یہ رسالہ ان کے ذکر کی گنجائش نہیں رکھتا، اور یہ کہ گالی ان کے بغض کا موجب ہے اور ان کا بغض کفر ہے، اس خبر کے ساتھ ﴿حضور ﷺ نے فرمایا﴾ جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے ان کو تنگ کیا اس نے مجھے تنگ کیا اور جس نے مجھے تنگ کیا اس نے اللہ کو تنگ کیا اور اسی طرح ابن عساکر نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ابوبکر وعمر کی محبت ایمان ہے اور ان کا بغض کفر ہے، عبداللہ بن احمد نے حضرت

انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا، میں اپنی امت کیلئے ابو بکر وعمر کی محبت ﴿جو اس میں ہے﴾ میں اسی طرح پر امید ہوں جیسے اس کے قول 'لا الہ الا اللہ' میں پر امید ہوں اور ان کے بغض کو ان کی محبت پر قیاس کرنا چاہئے کیونکہ وہ دونوں ایک دوسرے پر نقیض ہیں، نیز تکفیر مومن کفر ہے جیسے حدیث صحیح میں وارد ہے، جس نے کسی آدمی کو کافر کہا یا اللہ کا دشمن کہا اور وہ نہیں ہے تو ﴿وہ حکم﴾ اس پر لوٹ آیا ہم یقین سے جانتے ہیں کہ ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما ﴿عظیم﴾ مومن ہیں، خدا کے دشمن نہیں اور جنت سے مبشر ہیں، پس ان کی تکفیر اس حدیث کے مطابق قائلین تکفیر کی طرف راجح ہوگی تو ﴿اسلئے﴾ شیعہ کی تکفیر کا حکم ہے، یہ حدیث اگر چہ خبر واحد ہے لیکن اس سے حکم تکفیر معلوم کیا جائے گا، اگر چہ اس کا منکر کافر نہ ہوگا۔

اپنے زمانے کے امام شیوخ اسلام میں اجل حضرت ابو زرعہ الرازی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اگر تو دیکھے کہ کوئی شخص کسی ایک صحابی رسول کی تنقیص کر رہا ہے تو جان لے کہ وہ زندیق ہے، وہ اس لئے کہ قرآن حق ہے، رسول حق ہے اور جو ان کے ساتھ آیا وہ حق ہے، یہ تمام ﴿باتیں﴾ ہم تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوا کسی نے نہیں پہنچائیں، پس جس نے ان پر جرح کی اس نے کتاب وسنت کے ابطال کا ارادہ کیا، پس اس شخص پر جرح کرنی چاہئے اور اس پر زندقہ، ضلالت، کذب اور عناد کا حکم لگایا جائے کہ یہی سب سے قوی اور سب سے بہتر ہے۔

حضرت سہل بن عبد اللہ التتری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان کا علم وزہد اور معرفت وجلالت تمہیں ﴿ان کی گستاخی سے﴾ منع کرتی ہے، جس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

کا احترام نہ کیا گویا کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان ہی نہ لایا۔

مقام امیر معاویہ:

حضرت عبد اللہ بن مبارک ؓ جن کا علم و جلالت تمہیں کافی ہے، سے پوچھا گیا کہ حضرت امیر معاویہ ؓ افضل ہیں یا عمر بن عبد العزیز ؓ، انھوں نے فرمایا، رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ جو غبار امیر معاویہ کے گھوڑے کے ناک میں داخل ہوا عمر بن عبد العزیز ؓ سے بہتر ہے، «امیر معاویہ کا تو ذکر ہی کیا» اس طرح انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت و زیارت کی فضیلت کی طرف اشارہ فرمایا کہ اس سے کوئی چیز نہیں بڑھ سکتی، یہ مقام ان کا ہے جو لوگ مجرد زیارت رسول سے معزز ہوئے تو ان کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور «کافروں سے» جہاد کیا اور اپنے اموال و ذخائر خرچ کئے، اپنی جاں نثار کی یا بعد والے کیلئے شریعت کی کوئی چیز پہنچائی تو یہ ہے «وہ شان» جس کے فضل کا ادراک اصلاً ممکن نہیں۔

اور شک نہیں کہ شیخین اکابر صحابہ سے ہیں بلکہ اُن سے بھی افضل ہیں، پس ان کی تکفیر بلکہ تنقیص کفر و زندقہ اور گمراہی کا موجب ہوگی جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔

حضرت امام محمد ؒ نے محیط میں «کہا» کہ رافضہ کے پیچھے نماز جائز نہیں اس لئے کہ انہوں نے خلافت صدیق ؓ کا انکار کیا، ان کی خلافت پر صحابہ کرام کا اجماع ہو چکا ہے اور خلاصہ میں ہے کہ جس نے خلافت صدیق ؓ کا

انکار کیا وہ کافر ہے اور مرغینانی میں ہے کہ صاحب ہوا و بدعت کے پیچھے نماز مکروہ ہے، رافضہ کے پیچھے نماز جائز نہیں، پھر فرمایا جس کا یہ حاصل ہے کہ ہر اس شخص کے پیچھے نماز نا جائز ہے جو ہوائے ﴿نفسانی﴾ سے کفر کرتا ہے ورنہ جائز ہے لیکن مکروہ ہے، صحیح قول میں خلافت عمر کے منکر کا بھی یہی حکم ہے، ہر گاہ ان کی خلافت کا انکار کفر ہوگا، تو اس کا کیا حال ہے جس نے ان کو گالی دی یا لعنت کی، ظاہر ہوا کہ تکفیر شیعہ احادیث صحاح کے مطابق اور طریق سلف کے موافق ہے اور جو بعض اہل سنت سے ”عدم تکفیر شیعہ“ نقل کرتے ہیں اس کی صحت و دلالت کی تقدیر ان کی عدم تکفیر میں کسی توجیہ و تاویل پر محمول ہے کہ وہ احادیث اور جمہور علما کرام کے مذہب کے مطابق ہو جائے۔

شان صدیقہ پر اعتراض:

اور یہ کہ شیعہ حضرات نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سب و لعن سے انکار کیا مگر وہ ان کے بارے میں ﴿حکم قرآن کی﴾ مخالفت کے باعث طعن و تشنیع ثابت کرتے ہیں اور کہا کہ لوگ ان کے بارے میں جو ”خبث و فحش“ شیعوں سے منسوب کرتے ہیں حاشاً ثم حاشا ﴿یعنی یہ سب درست نہیں﴾ مگر حضرت عائشہ نے ‘قرن فی بیوتکن’ ﴿اپنے گھروں میں رہیں﴾ کے امر ﴿قرآنی﴾ کی بصرہ میں آکر مخالفت کی اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ سے جنگ کا اقدام کیا اور ‘حربک و حربی’ ﴿تم سے لڑائی مجھ سے لڑائی﴾ کے حکم حدیث کے مطابق حضرت امیر رضی اللہ عنہ سے جنگ، حضرت

پیغمبر ﷺ سے جنگ اور حضرت پیغمبر ﷺ سے لڑنے والا یقیناً مقبول نہیں، اس بنا پر وہ مورد طعن ہوئی، ہم کہتے ہیں کہ پوشیدہ نہ رہے، ملازمت بیوت کا حکم اور ان سے خروج کی ممانعت کہ مطلق جمیع حالوں اور زمانوں کے شامل ہو، ﴿یہاں﴾ مراد نہیں اور بعض ازواج آں سرور کائنات کا ان کے ساتھ بعض سفروں میں ﴿جانا﴾ اس پر دلالت کرتا ہے، لہذا گھروں میں رہنے کا حکم ایک وقت و حال کے ساتھ دوسرے وقت و حال کے بغیر، مخصوص تھا اور عام مخصوص البعض کے رنگ میں تھا اور عام مخصوص البعض مدلول کی رو سے ظنی ہوتا ہے، مجتہد کو جائز ہے کہ دوسرے افراد کو بھی علت مشترکہ کے ساتھ اس سے خارج کر لے، شک نہیں کہ حضرت صدیقہ ؓ عالمہ مجتہدہ تھیں، ترمذی نے ابو موسیٰ ؓ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم اصحاب رسول کو کوئی حدیث مشکل میں ڈالتی تو ہم عائشہ صدیقہ ؓ سے پوچھتے تو ہم ﴿اس کا﴾ علم ان کے پاس ضرور دیکھتے، پس ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہ نے اپنے خروج کو بعض اوقات یا بعض احوال میں منافع و مصالح کیلئے اس ﴿حکم﴾ سے مخصوص کر لیا ہو، اس میں کوئی عیب اور طعن نہیں، اس پر ہم نقل کرتے ہیں کہ یہ فرمان باری کے سیاق سے ظاہر ہے، فرمایا' لا تبرجن تبرج الجاهلية الاولیٰ ، پہلی جہالت کی زینت کی طرح زینت نہ کریں، اس سے مراد ستر حجاب کے بغیر نکلنے کی ممانعت ہے، ستر و حجاب کے ساتھ نکلنا اس ممانعت سے خارج ہے اور حضرت صدیقہ ؓ کا خروج جنگ کیلئے نہیں تھا، اصلاح ﴿احوال﴾ کیلئے تھا، جیسا کہ بعض محققین نے فرمایا اور جنگ کیلئے بھی ہوتا جیسا کہ مشہور ہے تو اس میں

بھی اعتراض نہیں کیونکہ وہ اجتہاد سے تھا نہ کہ ہوائے ﴿نفسانی﴾ سے، شارح مواقف نے آمدی سے نقل کیا ہے کہ جمل وصفین کے واقعات اجتہاد کی رو سے تھے اور اگر مجتہد خطا بھی کرے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں، قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر میں فرمایا، اللہ کا فرمان ہے لولا کتاب من الله سبق لمسکم 'اگر اللہ کی طرف سے پہلے نہ لکھا ہوتا، تو تمہیں عذاب ملتا، یعنی اگر لوح میں پہلے سے یہ حکم نہ ہوتا اور وہ حکم یہ ہے کہ خطا کرنے والے مجتہد کو عذاب نہ ہوگا یا ہم کہتے ہیں کہ مجتہد کی خطا بھی خداتعالیٰ کے ہاں داخل ہدایت ہے۔

حضرت رزین نے عمر بن خطاب ؓ سے نقل کیا، انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ فرمایا، میں نے اپنے اور اپنے صحابہ کے اختلاف کے متعلق اپنے رب سے سوال کیا تو اللہ نے وحی فرمائی اے محبوب! تمہارے صحابہ میرے نزدیک آسمان میں ستاروں کی طرح ہیں، جن کے بعض، بعض سے قوی ہیں، اور سب کیلئے نور ہے، پس جس نے ان میں سے کوئی چیز اخذ کی وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہے، پھر فرمایا میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں، تم کسی کی بھی پیروی کروگے، ہدایت حاصل کروگے۔

حدیث " حربک حربی " ہوسکتا ہے حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کے نزدیک ثبوت کو نہ پہنچی ہو، یا مخصوص جنگ سے مخصوص ہوگی کہ ہوسکتا ہے کہ اضافت "برائے عہد" ہو، ﴿یعنی کوئی مخصوص جنگ جو حضرت علی سے کرے وہ جنگ مجھ سے کرے گا﴾ اور یہ کہ حضرات شیعہ نے اپنی باطل کتابوں کی ترویج اور اہل سنت کی

کتابوں کی تزئیف کیلئے کہا ہے کہ کتب شیعہ میں ﴿یہ واقعہ﴾ یوں ہے، ابن مکتوم نابینا ﴿صحابی﴾ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں موجود تھے کہ ان کے اہل حرم میں سے کسی ﴿زوجہ﴾ کا گزر ہوا، حضرت پیغمبر ﷺ نے بایں معنیٰ اعتراض فرمایا، اس نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ شخص نابینا ہے، حضرت پیغمبر ﷺ نے فرمایا، تو، تو نابینا نہیں اور علمائے اہل سنت نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت پیغمبر ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے شانہ اقدس پر اٹھایا کہ میں ایک جماعت کا تماشا دیکھوں جو گلی میں ساز بجا رہی تھی، کچھ مدت بعد فرمایا: اے حمیرا کیا تم سیر ہو گئیں، پس اس عمل کو کسی کمترین آدمی سے بھی نسبت نہیں دے سکتے، ﴿یعنی دونوں میں تضاد ہے اور شیعہ حضرات یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اہل سنت کی کتابوں میں جناب رسالت ﷺ کی توہین والے واقعات ہیں لہذا انہیں نہ دیکھا جائے﴾

پوشیدہ نہ رہے کہ ہوسکتا ہے یہ واقعہ آیت حجاب کے نزول سے پہلے متحقق ہوا ہو اور ابن مکتوم سے ممانعت ﴿والا واقعہ﴾ نزول کے بعد پیش آیا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کھیل، مشروع ہو، ممنوع نہ ہو، چنانچہ اخبار صحاح میں وارد ہے اور عنقریب مذکور ہوا چاہتا ہے کہ مسجد حضرت پیغمبر میں حبشی لوگ، نیزہ بازی کر رہے تھے وہ تیر اندازی کی طرح ہے، درحق وہ دونوں جہاد کے ہتھیار ہیں تیر اندازی مشروع ہے تو اس کی مثل بھی مشروع ہے، نیز اس کھیل کا مسجد میں وقوع اس کی مشروعیت پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ مخفی نہیں، اگر کہا جائے کہ ﴿یہ واقعہ﴾ آیت حجاب کے نزول کے بعد ہوا تو ہم کہتے ہیں کہ حضرت صدیقہ اس وقت صغیرہ تھیں،

﴿اس حکم کی﴾ مکلفہ نہیں تھیں جیسا کہ بخاری و مسلم کی روایت سے دکھائی دیتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا خدا کی قسم میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ وہ میرے حجرے کے دروازے پر کھڑے ہیں اور حبشی ﴿لوگ﴾ مسجد میں ہتھیاروں کے ساتھ کھیل رہے ہیں، حضور ﷺ نے مجھے اپنی چادر میں ڈھانپ لیا کہ میں حضور ﷺ کے شانوں اور کانوں کے درمیان سے ان کا کھیل دیکھوں، پھر آپ میری رضا کیلئے کھڑے رہتے حتیٰ کہ میں واپس ہوتی تو چھوٹی عمر کی اس لڑکی کا اندازہ لگاؤ جسے کھیل ﴿دیکھنے کا﴾ شوق تھا اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اس دوران صغیرہ غیر مکلفہ تھیں اور کھیل مشروع تھا، ممنوع نہیں تھا، جب اعداد میں جہاد کیلئے تیر اندازی کی مانند ہتھیاروں کے ساتھ کھیل، کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ مسجد میں ہو رہا تھا پس ظاہر ہوا کہ ان کا بیان ﴿درست نہیں﴾

کیا تم نہیں دیکھتے کہ مسجد میں بمنزلت تیر اندازی، یعنی ہتھیاروں سے جہاد کیلئے کھیلنا نے ظاہر کیا کہ ان کا قول ''حضرت عائشہ کو اٹھایا'' اور ان کا قول 'یضربون المعازف' ﴿ساز بجا رہے تھے﴾ ان کی تحریفات میں سے ہے، اللہ ان کو برباد کرے۔

مشاجرات صحابہ:

جاننا چاہیئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان آنا اور ان کے لیے کوئی فیصلہ دنیا ''کمال بے ادبی'' اور ''فرط بے سعادتی'' ہے اور بہترین طریقہ یہ ہے کہ جو

منازعات و اختلافات ان کے درمیان واقع ہوئے ان کو علم حق سبحانہ پر رہنے دیا جائے اور ان تمام کو نیکی کے سوا یاد نہ کیا جائے، ان کی محبت کو پیغمبر اسلام کی محبت سمجھا جائے 'من احبهم فبحبي احبهم' جس نے ان سے محبت کی میری محبت کی وجہ سے کی، حدیث صحیح ہے، امام شافعی نے فرمایا، یا عمر بن عبد العزیز نے فرمایا، یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا، ہم اپنی زبان کو ان سے پاک رکھتے ہیں، مگر شیعہ شنیعہ، صحابہ عظام رضی اللہ عنہم کو برائی کے ساتھ یاد کرتے ہیں اور ان کے سب و لعن کی جرأت دکھاتے ہیں، علمائے اسلام کو واجب و لازم ہے ان کا رد کریں اور ان کے مفاسد کو ظاہر کریں، اس باب میں اس حقیر سے جو بعض سخن تحریر میں آئے وہ اسی قبیل سے ہیں جیسا کہ رسالہ کے آغاز میں ذکر ہوا۔

ربنا لا تواخذنا ان نسینا او اخطانا ربنا و لا تحمل علینا اصراً کما حملته علی الذین من قبلنا ربنا و لا تحملنا ما لا طاقة لنا به واعف عنا واغفرلنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا علی القوم الکافرین

ترجمہ: اور ہم اس رسالہ کو خاتمہ حسنہ کے ساتھ اور اہل بیت کے مناقب، مدائح اور فضائل کے ذکر کے ساتھ ختم کرتے ہیں

مناقب اہل بیت:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا "بے شک اللہ کا ارادہ تو یہی ہے کہ وہ اے اہل بیت تم

سے آلودگی کو دور کر دے اور تمہیں پاک رکھے جیسے اس کا حق ہے، اکثر مفسرین کرام اس پر ہیں کہ یہ آیت حضرت علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کی شان میں نازل ہوئی، کیونکہ ضمیر عنکم اور اس کے بعد بھی ضمیر مذکر ہے اور کہا گیا ہے، حضور اکرم ﷺ کی ازواج مطہرہ کی شان میں اتری کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ’واذکرن مایتلیٰ فی بیوتکن‘ یعنی ان کو یاد کریں جو ان کے گھروں میں تلاوت کی جاتی ہیں، یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب ہے اور کہا گیا ہے، اس سے مراد واحد نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی ہے، امام احمد نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ یہ آیت حضور نبی اکرم ﷺ، حضرت علی و فاطمہ، حسن و حسین رضی اللہ عنہم ان پانچوں کے بارے میں نازل ہوئی اور ثعلبی نے کہا اس کی مراد تمام بنو ہاشم ہیں، رجس سے مراد ہے گناہ اور ایمان کے واجبات میں شک کرنا، بعض طرق میں آگ پر ان کی تحریم کو ثابت کیا، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے ہے کہ انہوں نے فرمایا، جب یہ آیت ’ندع ابناء نا و ابناء کم‘ نازل ہوئی تو حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی و فاطمہ، حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور عرض کیا، اے اللہ! یہ ہیں میرے اہل بیت۔

○ ...... مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فاطمہ میری جگر گوشہ ہے جس نے اس سے بغض رکھا، اس نے مجھ سے بغض رکھا ایک روایت میں ہے وہ مجھے تکلیف دیتا ہے جس نے اسے تکلیف دی۔

○ ...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں حضور اکرم ﷺ کے

ہمراہ دن کے کسی حصے میں باہر نکلا حتیٰ کہ حضور اکرم ﷺ کاشانہ فاطمہ پر تشریف لائے اور فرمایا، کیا یہاں بچہ ہے، کیا یہاں بچہ ہے، یعنی حسن ہے، کچھ دیر بعد حسن دوڑتے ہوئے آئے اور دونوں آپس میں لپٹ گئے، اس وقت حضور اقدس ﷺ نے کہا، اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت کر اور اس سے محبت کر جو اس سے محبت کرے۔

○...... حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کوئی بھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے زیادہ حضور اکرم ﷺ سے مشابہ نہیں تھا اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی انہوں نے یہی فرمایا کہ وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے سب سے زیادہ مشابہ تھے۔

○...... حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، بیشک میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں، اگر تم ان کو پکڑ لو گے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گے، ان میں ایک دوسری سے بڑی ہے ﴿وہ﴾ اللہ کی کتاب ہے، آسمان سے زمین کی طرف سیدھی رسی ہے اور میری عترت، میرے اہل بیت، یہ دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے جہاں تک کہ حوض پر ملیں، پس دیکھو، میرے بعد تم ان سے کیا کرتے ہو،

○...... انہی سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت علی،

فاطمہ، حسن و حسین رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ میں ان سے جنگ کرنے والے کا دشمن ہوں اور ان سے دوستی رکھنے والے کا دوست ہوں۔

○...... جمیع ابن عمیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اپنی پھوپھی کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا، اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ کون حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب ہے، انہوں نے فرمایا فاطمہؓ کہا گیا مردوں سے، فرمایا ان کا شوہر،

○...... حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حسن اور حسین رضی اللہ عنہم دنیا سے میرے پھول ہیں۔

○...... حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا بیشک حسن رضی اللہ عنہ سینے سے لے کر سر تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ مشابہ ہیں اور حسین'' سینے سے قدموں تک سب سے زیادہ مشابہ۔

○...... حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے شانۂ اقدس پر اٹھا رکھا تھا، ایک آدمی نے کہا اے بیٹے تیری سواری کتنی ہی اچھی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور سوار بھی کتنا ہی اچھا ہے۔

○...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ بے شک لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا چاہنے کیلئے میری باری کے دن زیادہ ہدیے بھیجا کرتے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرہ کے دو گروہ تھے،

ایک گروہ میں عائشہ، حفصہ، صفیہ اور سودہ تھیں اور دوسرے گروہ میں ام سلمہ اور ساری ازواج، ام سلمہ کے گروہ نے ام سلمہ سے کہا کہ وہ حضور اکرم ﷺ سے بات کریں کہ حضور لوگوں کو ارشاد فرمائیں کہ وہ وہاں ہدیے بھیجا کریں جہاں وہ موجود ہوں، حضور نے ان سے فرمایا مجھے عائشہ کے بارے میں اذیت نہ دو، بے شک مجھے عائشہ کے سوا کسی زوجہ کے پردے میں وحی نہیں آتی، انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ میں آپ کو اذیت دینے سے اللہ کے ہاں توبہ کرتی ہوں، پھر اس گروہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس معاملہ کیلئے حضور اکرم ﷺ کے پاس بھیجا، حضور ﷺ نے ان سے فرمایا اے بیٹی کیا تو اس سے محبت نہیں کرتی جس سے میں محبت کرتا ہوں، انہوں نے عرض کی ''کیوں نہیں''، حضور ﷺ نے فرمایا تو مجھے عائشہ سے محبت ہے۔

○......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، میں نے ازواج رسول میں سے کبھی کسی پر اتنی غیرت نہ کھائی جتنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر، حالانکہ میں نے ان کو دیکھا بھی نہیں تھا، لیکن حضور اکرم ﷺ ان کا اکثر ذکر فرمایا کرتے تھے، بہت مرتبہ بکری ذبح فرماتے تو اس کے اعضا کاٹ کر ان کی سہیلیوں کو بھیجتے، میں نے کئی بار ان سے عرض کی، حضور! کیا دنیا میں حضرت خدیجہ کے سوا کوئی اور عورت نہیں؟

فرمایا جو وہ تھیں سو وہی تھیں، ان سے میری اولاد ہوئی۔

○...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عباس مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔

○...... انہی سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ سے محبت کرو کہ وہ تمہیں کھلاتا ہے اور اللہ کی محبت کیلئے مجھ سے محبت کرو اور میری محبت کیلئے میرے اہل بیت سے محبت کرو۔

○...... حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انہوں نے کعبہ مشرفہ کے دروازہ کو تھام رکھا تھا، جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ خبر دار میرے اہل بیت کی مثال تم میں کشتی نوح کی ﴿طرح﴾ ہے جو اس میں سوار ہوا نجات پا گیا اور جو اس سے پیچھے رہ گیا ہلاک ہو گیا، یہی بیان اس رسالہ کا آخر ہے۔

الٰہی بحق بنی فاطمہ
کہ بر قول ایماں کنی خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی ور قبول
من و دست و دامان آلِ رسول

الحمد لله سبحانه علىٰ الاختتام و الصلوٰة و السلام علی حبیبهٖ محمد النبی الامی سید الانام الی یوم القیام.

﴿تحشیہ﴾

۱: یہاں عتاب کا لفظ ان معنوں میں نہیں جو دوسروں کیلئے مستعمل ہیں، اس عتاب میں محبت کے ہزاروں باب ہیں، اس جلال میں عنایت کے لاکھوں جمال ہیں، محبوب کی یہ وہ جفا ہے جو بقول مجدد وفا سے زیادہ لذت بخش ہے، ﴿مکتوب ۵۷ جلد ۲﴾

۲: امور عقلیہ اور احکام اجتہادیہ میں صحابہ کرام کی مجال اختلاف اور مساغ خلاف کا ذکر آیا تو خوب یاد رہے کہ یہاں اختلاف وخلاف کا معروف معنوں میں استعمال نہیں ہے، شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق اس کلام میں ''اضطراب وخلط' کے طور پر استعمال ہوا ہے، جہاں تک وحی نہ آنے کی صورت میں حضور اکرم ﷺ کے اجتہاد کا تعلق ہے تو اس پر تمام اہل اصول متفق ہیں، حضور اکرم ﷺ کے وہ احکام اجتہادیہ اور امور عقلیہ جن پر حضور اکرم ﷺ نے عزم فرمایا، جن کا حکم دیا، جن کی اتباع کو واجب قرار دیا، ان سے تمسک بالکل وحی الٰہی سے مستند احکام سے تمسک کی طرح ہے، اس پر قرآن پاک شاہد ہے، خدا کی پناہ حضرت مجدد کا یہ منشا نہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے اس اختیار تشریعی کے مقابلے میں ان کو مجال اختلاف اور مساغ خلاف حاصل تھا، اس کی وضاحت انہوں نے خود آگے چل کر فرمادی ہے۔

ہاں جو کام حضور اکرم ﷺ نے بسبیل عادت اور استحباب کے طور پر سر انجام دیئے ان کے ترک میں شرعاً کوئی حرج نہیں کہ جس پر کوئی زبان طعن دراز کی جائے، حدیث ایتونی بقرطاس کا حکم بھی اسی قبیل سے تھا، اگر یہ منصب نبوت کے

فرائض وواجبات سے ہوتا تو جو نبی اکرم ﷺ کفار مکہ کے تند وتیز ماحول میں اپنے فرائض و واجبات پہنچا کر رہے وہ اپنے صحابہ کے ماحول میں کیسے فراموش کر دیتے، یہ ایک مستحب تھا جس پر صحابہ سے اضطراب ظاہر ہوا اور وہ بھی حضور اکرم ﷺ کی علالت طبعی کو دیکھ کر ہوا یا دیگر احکام استحباب میں انہوں نے اپنے طور پر دین اور پیغمبر دین کی عزت وحرمت سمجھتے ہوئے ان میں اپنا اضطراب ظاہر کیا اور اللہ اور رسول کے عطا فرمودہ اظہار رائے کا استعمال کیا تو اس سے وہ مجرم نہیں ہوئے اور اللہ اور اس کے رسول کے کسی فرمان نے انہیں مجرم قرار نہ دیا۔...

یہ مسئلہ سمجھنے کیلئے جاننا ضروری ہے کہ احکام شریعت میں ”اختلاف و خلاف“ کے متعدد معانی متعین ہیں، اس کا معنی رد وانکار بھی ہے، جو کفر ہے، یہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں کیے گئے کلام اعراض پر بھی منطلق ہے جس پر حضور ﷺ نے کوئی اقدام نہ فرمایا، جس کی کوئی مخالفت نہ فرمائی، اگر یہ اختلاف کے حقیقی معنی میں نہ ہو تو جائز ہے جب نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام سے مشورہ لیتے اور ان سے صریح رائے یا دلیل طلب فرماتے تو صحابہ کرام ﴿اس قسم کے خلاف﴾ سے بھی کام لیتے تھے، کئی بار اس کا اطلاق امر ونہی کے بارے میں معصیت پر بھی ہوتا ہے جس سے درجات اختلاف کے لحاظ سے فسق یا بدعت یا مکروہ کے احکام نکلتے ہیں، بعض دفعہ اس کا اطلاق اس کام کے چھوڑنے پر ہوتا ہے جو کلام نبی اکرم ﷺ نے عبادت کے علاوہ بطور عادت سرانجام دیا، اس میں کوئی قباحت نہیں، کیونکہ ترک مندوبات اور فعل مکروہات کی سزا نہیں۔

لہذا حضور ﷺ کے احکام اجتہادیہ میں صحابہ کرام کی ''مجال اختلاف'' حقیقی معنوں پر محمول نہیں کی جاسکتی، اس کا جو جائز معنی ہے وہی حضرت مجدد کی مراد ہے 'كماصرح فی تحقيقه'

حضرت مجدد نے جو قاضی بیضاوی کا قول نقل فرمایا کہ انبیا کرام اجتہاد فرماتے ہیں اور وہ کبھی خطا ہوتا ہے اگرچہ اس پر ان کا استقرار نہیں ہوتا، خبردار! یہ خطا بھی اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور وہ فعل ہے جو خلاف معمول ہوا 'ما كان لنبی' آیت کی شان نزول میں دراصل خطائے اجتہادی بعض صحابہ کرام سے سرزد ہوئی مگر خطاب حضور ﷺ سے کیا گیا جیسا کہ قرطبی نے فرمایا 'هذه الايه نزلت يوم بدر عتابا من الله لا صحاب نبيه' یہ آیت بدر کے دن اللہ کی طرف سے اصحاب نبی کیلئے عتاباً نازل ہوئی ﴿کیونکہ انہوں نے حضور کو فدیہ کا مشورہ دیا تھا﴾ یاد رہے کہ بعض دفعہ حکم سماوی میں مخاطب نبی ہوتا ہے اور مراد امت ہوتی ہے، نیز جس خطا پر استقرار نہ ہو وہ حقیقت میں خطا نہیں ہوتی 'كما لا يخفى علىٰ اهل البصيره'

کیا نبی اکرم ﷺ کا ہر قول وحی الٰہی ہوتا ہے؟

> حضرت مجدد کے رسالہ مبارکہ رد روافض میں متعدد مقامات کی وضاحت حضرت غزالی زماں مولانا سید احمد سعید کاظمی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس تحقیقی مضمون میں دیکھی جاسکتی ہے، افادہ عام کیلئے یہ مضمون شامل کیا جارہا ہے۔

سوال: شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تحفہ اثنا عشریہ میں مطاعن فاروق اعظم

کے تحت لکھا ہے کہ نبی کا ہر قول وحی الہٰی نہیں ، اپنے اس دعوے کی دلیل میں انہوں نے چند آیات کو نقل فرمایا ہے مثلاً

(۲) 'لو لا کتاب من اللہ الا یۃ ' بدر کے قیدیوں سے فدیہ قبول کرنے پر اس قدر سختی کیوں وقوع میں آئی ، حالانکہ ہم اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ نبی کا ہر قول وحی ہے کہ ابوداؤد شریف کی حدیث ہے 'فو الذی نفسی بیدہ مایخرج منہ الاالحق ' ذرا وضاحت فرما دیجئے کیوں کہ اس کی اشد ضرورت ہے ، مولوی محمد صدیق معرفت سید محمد عبداللہ شاہ مدرسہ انوار الابرار بیرون دہلی گیٹ ملتان ۔

جواب: مولانا المحترم وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ! کارڈ پہنچا جسے پڑھ کر اس لئے افسوس ہوا کہ اس زمانے میں علم کا فقدان ہوتا جا رہا ہے ، آپ نے لکھا ہے کہ 'ہم اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ نبی کا ہر قول وحیِ خدا ہے'' کسی اہل سنت کا عقیدہ نہیں بلکہ اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ نبی کا ہر قول 'من حیث النبوۃ والرسالہ' وحی ہے ، قرآن و حدیث میں واضح طور پر فرما دیا گیا ہے کہ نبی کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں ' (ا) نبوت اور رسالت (۲) بشریت ' نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کے ہر قول کا وحی منزل من اللہ ہونا پہلی جہت کے ساتھ مختص ہے ' نبی کریم ﷺ کے ایسے قول کو قبول نہ کرنا کفر ہے جو نبوت و رسالت کی جہت سے صادر ہوا ہو ، بخلاف اس قول کے جس کا صدور 'من حیث البشریہ' ہو کہ اسے تسلیم نہ کرنا ہرگز کفر نہیں ، حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحفہ اثناء عشریہ میں حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ذات مقدسہ سے اس طعن کو دفع فرما رہے ہیں کہ انہوں نے حکم نبوی ' ایتونی بقرطاس '

کو " حسبنا کتاب اللہ " کہہ کر رد کر دیا طعن کا خلاصہ یہ ہے کہ پیغمبر کا ہر قول وحی منزل من اللہ ہے اور وحی منزل من اللہ کا رد کفر ہے لہذا حضرت عمر ﴿معاذ اللہ﴾ کافر ہو گئے، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم وحی نہیں، شاہ صاحب کا مقصد یہ ہے کہ وحی منزل من اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہی حکم ہے جو من حیث الرسالہ ہو اور اسی کا رد کرنا کفر ہے لیکن جو حکم من حیث البشریہ ہو وہ وحی منزل من اللہ نہیں ہو سکتا اور نہ اس کا انکار کفر قرار پا سکتا ہے، لہذا جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ کوئی حکم من حیث الرسالہ ہے اس وقت تک اس کے انکار کو کفر قرار دینا ہرگز صحیح نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم " ایتونی بقرطاس " من جہت الرسالہ نہ تھا کیونکہ اس کے مقتضی پر کسی نے عمل نہیں کیا اگر اس حکم کو من جہت الرسالہ کہا جائے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ پر بھی حکم خداوندی ' فاستقر کما امرت ' کی خلاف ورزی کا الزام عائد ہوگا جو باطل محض ہے، لہذا واضح ہو گیا کہ یہ امر من جہت الرسالہ نہ تھا، پھر اسے تسلیم نہ کرنے کی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر طعن کرنا اور ان پر کفر کا الزام لگانا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔

یہ امر آخر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر وہ قول جو من جہت البشریہ ہو وحی منزل من اللہ نہ ہونے کے باوجود بھی حق ہے کیونکہ حق ہونے کیلئے وحی ہونا ضروری نہیں ان دونوں میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے ہر وحی کا حق ہونا ضروری ہے اور ہر حق کا وحی ہونا ضروری نہیں، ابوداؤد شریف کی حدیث ' ما یخرج منہ الا الحق ' وارد ہے " الا الوحی " نہیں، حضرت شاہ صاحب نے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول

کے وحی ہونے کی نفی کی ہے حق ہونے کی نفی نہیں کی، رہا یہ امر کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آیۃ کریمہ 'ان ھو الا وحی یوحی' کو قرآن مجید کے ساتھ مخصوص قرار دیا تو یہ شان نزول کے اعتبار سے ہے اور اس تخصیص کا مقصد صرف یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا جو 'نطق من حیث الرسالہ' نہ ہو اس آیۃ کریمہ سے اسے وحی منزل من اللہ ہونا ثابت کرنا اور اس پر طعن کی بنیاد رکھنا بناء الفاسد ہے، یہ مقصد ہرگز نہیں کہ قرآن مجید کے سوا حضور ﷺ کا کوئی نطق بھی وحی الٰہی نہیں ہے، خواہ وہ 'من حیث الرسالہ' ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اس تقریر پر علیٰ الاطلاق تمام احادیث نبویہ کے وحی ہونے کا انکار لازم آئے گا جو کفر خالص ہے، جن آیات کو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دعویٰ کی دلیل میں پیش فرمایا ان کے مطالب میں ادنیٰ تامل کے بعد یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ جن اقوال و افعال مبارکہ پر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی طرف عتاب نازل فرمایا، وہ فی الواقع 'من حیث الرسالہ' حضور اکرم ﷺ سے سرزد نہ ہوئے تھے، اسی لئے وہ وحی الٰہی بھی نہیں ہو سکتے لیکن ان کے وحی نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ معصیت یا حق کے خلاف تھے، کیونکہ حضور ﷺ اس سے معصوم ہیں کہ آپ سے کوئی معصیت یا خلاف حق قول یا فعل صادر ہو، البتہ یہ ممکن ہے کہ 'من حیث البشریہ' حضور ﷺ سے کوئی ایسا قول یا فعل سرزد ہو جائے جو خلاف حق تو نہ ہو مگر کسی اعتبار سے خلاف اولیٰ ہو اور واقعہ یہ ہے کہ ایسے ہی امور منشاء عتاب ہیں، یہاں اس امر کو بھی نظر انداز نہ کرنا چاہئے کہ عتاب میں خواہ شدت بھی کیوں نہ ہو وہ محض صورۃً عتاب ہے حقیقتاً مبنی بر حکمت ہونے کی وجہ سے خطاب محبت ہے، اس اجمال کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، ہم نے

دیگر مضامین میں مدلل طور پر اسے بیان کر دیا ہے، خلاصہ یہ کہ نبی کریم ﷺ کا نطق مبارک مطلقاً ھوئی سے پاک ہے اور وہ دو حال سے خالی نہیں، یا 'من جہت الرسالہ' ہوگا یا 'من جہت البشریہ'، پہلی صورت میں وحی الٰہی ہے، عام اس سے کہ وحی متلو ہو یا غیر متلو اور دوسری صورت میں حق ہے عام اس سے کہ کسی اعتبار سے وہ خلاف اولیٰ ہو یا نہ ہو، جن علمائے اہل سنت نے رسول اللہ ﷺ کے جمیع اقوال و افعال اور جملہ احوال شریفہ کو وحی قرار دیا ان کے پیش نظر صرف جہت رسالت ہے اور جن حضرات نے حضور اکرم ﷺ کے جمیع اقوال وافعال واحوال 'من حیث الکلیہ ﴿من ناقلہ﴾' وحی ہونے کا انکار کیا ان کے پیش نظر جہت رسالت کے ساتھ جہت بشریت بھی ہے، ان حضرات نے صرف انہی اقوال وافعال کو وحی قرار دیا جو جہت رسالت سے ہوں اور جن کا صدور جہت مبشریت سے ہو ان کی وحی منزل من اللہ ہونے کی انہوں نے نفی فرمائی اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ دونوں میں کوئی تعارض نہیں لیکن کسی اہل سنت عالم دین نے حضور نبی کریم ﷺ کے کسی قول یا فعل یا حال کو خلافِ حق قرار نہیں دیا حتیٰ کہ بعثت مقدسہ سے قبل بھی حضور ﷺ کو خلافِ حق امور سے پاک مانا مضمون کی حد تک فقیر نے وضاحت کر دی ہے اور یہ وضاحت ایسی ہے کہ اس کی روشنی میں اہل علم پر اس کے دلائل واضح ہوتے چلے جائیں گے اگر اب بھی کوئی شبہ باقی ہو تو تحریر کیجئے انشاء اللہ جواب دیا جائیگا اور اگر آپ مطمئن ہو جائیں تو بذریعہ خط فقیر کو اطلاع ضرور دے دیں تا کہ تردد نہ رہے۔

……

خلقِ کریم

یہ کچھ اشعارِ بے جاں یا مجدد کہاں ہیں تیرے شایاں یا مجدد
یہ مانا ہیں میرے جذبات ناقص مگر پھر بھی ہوں نازاں یا مجدد
مجھ ایسوں پر نگاہِ لطف کرنا تری شانِ فراواں یا مجدد
تو ثروت میں ہے حاتم سے فزوں تر سخا میں رشکِ شاہاں یا مجدد
خدا والوں پہ بے حد مہرباں تو عدو پر برقِ سوزاں یا مجدد
ہمہ تن غرق تو عشقِ نبی میں تو ذکرِ حق میں پیچاں یا مجدد
خدا کے خوف کے اشکوں سے تیری تر و تازہ ہیں مژگاں یا مجدد
تجھے ہر گمرہی سے سخت نفرت تو بدعت سے ہے نالاں یا مجدد
طہارت میں کہاں ہم دوش تیرے جناں کے حور و غلماں یا مجدد
ترے اخلاق پر سنت کا غلبہ اطاعت تیرا ساماں یا مجدد
کھلا ہے ہند میں تیری بدولت ہدایت کا دبستاں یا مجدد
بنی ضرب المثل تیری عزیمت تو حق کا مردِ میداں یا مجدد
مٹے کفر اور پھیلے نورِ اسلام یہی تھا تیرا ارماں یا مجدد
غلامِ زار کو اور چاہیے کیا جو ہے تیرا ثنا خواں یا مجدد

* * *

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسالہ تہلیلیہ

مصنف

حضور امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ الصمدانی

مترجم

علامہ غلام مصطفےٰ مجددی

(ایم اے علوم اسلامیہ)

فہرست مضامین

○ تقدیر ''خبر لا'' کی بحث 184

○ لفظ اللہ کی تحقیق میں تحیر عقلا کا راز 185

○ لفظِ جلالت میں لطائف عجیبہ 188

○ وحدانیت کی دلیل 189

○ کلمہ طیبہ کے فضائل 190

○ عوام کی توحید اور خواص کی توحید 192

○ فلاسفہ کا مذہب 196

○ کلمہ طیبہ کا دوسرا حصہ 198

○ نبوت کی دلیل 199

......⊙......

……﴿تعارف﴾……

"حامداً و مصلیا علی رسول اللہ"

یہ رسالہ عربی زبان میں ہے جس کا نام تہلیلیہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس میں کلمہ طیبہ " لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ " کے بارے میں عظیم حقائق اور جلیل اسرار کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے، ان حقائق و اسرار سے مصنف شہیر کے فکری و علمی، روحانی و وجدانی کمال کا اظہار ہوتا ہے، اس کا تاریخی نام معارف " لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ " ﴿۱۰۱۰ھ﴾ ہے، یہ اکبر اعظم کا دور تھا جب دین اسلام پر " دین الٰہی " کے کلہاڑے چل رہے تھے، متعدد عقائد و نظریات کو تبدیل کیا جا رہا تھا جہاں تک کہ اسلام کی بنیاد کلمہ طیبہ کو بھی بدلنے کی سازش کی گئی، محمد رسول اللہ کی جگہ معاذ اللہ اکبر خلیفۃ اللہ کے الفاظ کا حکم نافذ کیا گیا، ان حالات میں حضور امام ربانی مجدد الف ثانی ؒ نے فاروقی غیرت و حمیت کا ثبوت دیا اور لوگوں کو کلمہ طیبہ کے فضائل و لطائف، توحید باری کے دلائل اور وجود باری سے متعلق صوفیہ و فلاسفہ کے افکار و آرا سے آگاہ فرمایا اور آخر میں اپنے اہم موضوع یعنی حضور ختم نبوت ﷺ کے محامد و محاسن کو نہایت دلآویز پیرائے میں تحریر کیا، نیز قرآن حکیم کے معجزۂ نبوت ہونے پر شواھد پیش کئے، اس رسالہ کی تحقیق و تحریر کے موقع پر آپ کی عمر مبارک چھتیس سال تھی، جس سے آپ کے علمی رتبہ کا

اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے، اس میں آپ کا صوفیانہ رنگ خوب نکھرا ہے، حضرت ابوالحسن زید فاروقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "یہ رسالہ نسبت نقشبندی حاصل ہونے سے پہلے لکھا گیا" کیونکہ اس میں صوفیہ وجودیہ کے احوال و آثار سے استفادہ کیا گیا ہے، یہ بات زبدۃ المقامات میں بھی ہے، اگر یہ درست ہے تو اس کا سال تصنیف ۱۰۰۸ھ سے پہلے ہونا چاہئے، ﴿واللہ اعلم الصواب﴾ رسالہ تہلیلیہ کے بہت سے مباحث معارف لدنیہ اور مکتوبات شریفہ میں بھی مذکور ہیں، اس میں آپ نے اپنے رسالہ اثبات النبوۃ کا بھی ذکر فرمایا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسالہ تہلیلیہ، رسالہ اثبات النبوۃ کے بعد تحریر فرمایا گیا ہے، ان دونوں رسالوں کی بہت سی چیزیں مشترک بھی ہیں، مثلاً دونوں میں حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات کا خوبصورت جہان آباد ہے۔

……﴿شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد﴾……

> ان دنوں میاں شیخ احمد ﴿مجدد الف ثانی﴾ سلمہ اللہ تعالیٰ سے فقیر کی صلح و صفائی حد سے زیادہ ہو چکی ہے اور پردۂ بشریت و جبلیت درمیان میں نہیں رہا، انصاف و عقل اور رعایت طریقہ سے قطع نظر جو اس قسم کے عزیزوں اور بزرگوں کو برا نہ سمجھنا چاہیے، باطن میں ذوق و وجدان اور غلبہ سے وہ بات آتی ہے کہ زبان اس کے بیان سے قاصر ہے…… میں جانتا ہوں کہ میرا حال کیا ہے اور کس طرح ہے ﴿اخبار الاخیار:۳۲۶﴾

……⊙……

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلوٰة
والسلام علىٰ رسوله محمد واله و اصحابه اجمعين

یہ رسالہ کلمہ شریفہ

”لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ“

کی تحقیق میں رقم ہے۔

تقدیر ”خبرلا“ کی بحث:

سوال: اگر آپ کہیں کہ خبر لا سے پہلے تقدیر ضروری ہے تو ایسے عبارت لا الہ موجود الا اللہ ہوگی، جو دوسرے معبود کے ”عدم امکان“ کو مفید نہیں، اگر عبارت ایسے ہولا الہ ممکن الا اللہ تو یہ ”وجودِ مستثنیٰ“ پر دلیل نہیں، لہذا یہ دونوں باطل ہیں۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ ہم صورت اول کو اختیار کرتے ہیں جیسا کہ خبر لا کی تقدیر میں مشہور ہے اور اس کے غلط نتیجے کو باطل قرار دیتے ہیں، کیونکہ دوسرے خدا کا موجود ہونا ممکن نہیں اور یہ ضروری ہے کہ ہم یہ عقیدہ رکھیں، لیکن یہ لازم نہیں

کہ کلمہ توحید ہی اس طرح کی ہر بات پر دلالت کرے، البتہ اتنا جائز ہے کہ یہ اس پر کافی ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، یہی اس کا مقصد ہے اور یہ اس مطلب میں نہایت عمدہ ہے۔

سوال: اگر آپ کہیں بنو تمیم کی زبان کے مطابق لا کو خبر ثابت کرنے کی ضرورت نہیں جیسا کہ ابن الحاجب سے منقول ہے، وہ اس کو خبر نہیں مانتے۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ یہ بات محققین کے نزدیک ''غیر معتمد'' ہے، حتیٰ کہ اندلسی نے کہا" لادری من این نقله ولعل مقالته" میں نہیں جانتا کہ یہ کہاں سے لی گئی ہے، ہوسکتا ہے یہ اس کا قیاس ہو، حق یہ ہے کہ بنو تمیم اس کو اس وقت چھوڑتے ہیں جب یہ کسی سوال کا جواب ہو اور جب کوئی قرینہ اس پر دلالت کرتا ہو، جب کوئی قرینہ نہ ہو تو اس کے خلاف قطعاً جائز نہیں، پھر اس صورت میں تو بالکل جائز نہیں ہو سکتا جب اس پر دلیل بھی نہ ہو، ﴿واللہ اعلم﴾

لفظِ اللہ کی تحقیق میں تحیر عقلا کا راز:

السید السند نے الکشاف کے حواشی میں فرمایا: جس طرح عقلا اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں عظمت و جبروت کے انوار کی بدولت حیرت زدہ ہیں اس طرح لفظ اللہ میں حیرت زدہ ہیں، گویا اس کی طرف بھی ان انوار کی کرنیں عکس انداز ہیں کہ مستبصرین کی آنکھیں خیرہ ہیں، چنانچہ ان میں اختلاف ہوا کہ لفظ اللہ عبری ہے، کہ عربی، اسم ہے کہ صفت، یہ کسی اصل سے مشتق ہے اور غیر مشتق ہے تو کیا ہے عَلَم

ہے یا غیر عَلَم؟ ﴿اس میں کئی اقوال ہیں﴾

○…… کہا گیا ہے کہ اس کی اصل الہ ہے، ہمزہ محذوف ہے، اس کی جگہ الف اور لام آ گئے، اسی لئے قطع کر کے ''یا اللہ'' کہا گیا ہے، اگر آپ کا موقف ہو کہ کیا وجہ ہے کہ صورتِ ندا میں ہمزہ قطعی ہو گا اور بصورت دیگر اصلی، ہم کہتے ہیں کہ صورت ندا میں ہمزہ، الف لام معرفہ کے عوض قطعی ہو گا، اور بصورت دیگر یہ مفہوم اس سے بالکلیہ خارج نہیں ہوتا لہذا معناً معرفہ ہو گا اس کو خوب جانئے، لفظ اللہ بالحق معبود کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ ''اُلْاِلٰہ'' اصل میں ہر معبود کو کہا جا سکتا ہے، وہ حق ہو یا باطل، پھر یہ غالب طور پر معبود برحق کے لئے بولا جانے لگا۔

○…… اور کہا گیا ہے کہ اس کی اصل اُلْاِلٰہ ہے، ہمزہ اپنی ثقالت کی وجہ سے محذوف ہوا اور لام شامل ہوا۔

○…… اور کہا گیا ہے کہ اس کی اصل الاھیة والوھیة واُلوھیة ہے یعنی، عَبَدَ بمعنی تَعبَّد اور تالّہ واَستَاَلَہ، بھی اسی سے مشتق ہیں ﴿یعنی اس نے عبادت کی﴾

○…… اور کہا گیا ہے، اَلِہَ سے ہے، جب حیران رہ جائے، گویا عقول اس کی معرفت میں حیران ہیں، یا اَلِھتُ الی فلان سے ہے، ﴿اس کا مطلب ہے﴾ اس کی جانب سے سکون نصیب ہوا، تو بے شک ارواح اس کی معرفت سے تسکین لیتی ہیں۔

○…… اور کہا گیا ہے کہ وہ اس کی ذات مخصوصہ کیلئے عَلَم ہے، گویا جامد ہے، اس کیلئے کوئی اشتقاق نہیں کہ اس کی توصیف کی جاتی ہے، اس کے ساتھ تعریف نہیں' تو یہ ضروری ہوا کہ اس کا کوئی اسم گرامی ہو جو اُس کی صفاتِ کاملہ کی پہچان ہو

کہ اس کے علاوہ کسی اور لفظ کا اطلاق اس پر صحیح نہ ہو، اگر اسے صفت مانا جائے تو قول 'لا الہ الا اللہ ' توحید نہیں جیسا کہ 'لا الہ الا الرحمن نہیں ہے کہ اس سے شرک نہیں رکتا۔

یہ بات محل نظر ہے کہ دلائل مذکورہ ثبوتِ مطلب پر دلالت نہیں کرتے کیونکہ دلیل اول ''نفی وصفیت'' پر دلالت کرتی ہے نہ کہ ثبوت علمیہ پر، جبکہ اجناس کے اسما اور ''لفظ الشی'' ایک طرح ہیں اور دلیل ثانی ثبوت علمیہ پر دلالت نہیں کرتی جیسا کہ پوشیدہ نہیں اور دلیل ثالث اس لئے درست نہیں کہ ممکن ہے یہ ''اوصاف غالبہ'' میں سے ہو، دوسرے کیلئے مستعمل نہ ہو اور شرکت غیر کو مانع ہو لیکن اس کے باوجود علم بھی نہ ہو اور لا الہ الا الرحمٰن توحید کیلئے کیوں مفید نہیں، لفظ رحمٰن کا اطلاق بھی غیر خدا پر نہیں ہوتا اور خدا کے سوا کسی کی اس کے ساتھ تعریف نہیں کی جاتی، یہ علم کی مانند ہے جو ''شرک'' کو روکتا ہے، جیسا کہ تم دیکھتے ہو لہذا اس پر غور کرنا چاہیے۔

قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی ذات مخصوصہ کیلئے علم سے روکا ہے کہ اس کی ذات ایسی ہے جو ہر اعتبار سے حقیقی اور انسان کی عقل سے بالا ہے، لہذا ایک لفظ کا اس پر دلالت کرنا ناممکن ہے، یہ بھی محل نظر ہے کیونکہ محض یہ وجہ قابل قبول نہیں کہ اس لفظ ''اللہ'' کو مقرر کرنے والا وہ خود سبحانہ وتعالیٰ ہے، جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔

اگر آپ کہیں کہ بے شک کسی شے کا علم ایک طریقے سے حاصل ہو، تو اس علم سے مغائر ہوگا جو دوسرے طریقے سے حاصل ہو، یہ علمائے کثیر کا قول مختار ہے،

پھر اس طرح جائز ہے کہ اس کی ''ذاتِ مشخصہ'' کو کسی طریقے سے جانا جائے جیسا کہ واجب بالذات اور معبود بالحق، وہ لفظ اللہ ذاتِ معلومہ کیلئے اس لئے مقرر فرماتا ہے کہ یہ لفظ اس پر دلالت کرتا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ اس جگہ خصوصیت ذات کی وجہ سے علماً ضروری ہے کہ وہ لفظ مانع شرک ہو، ورنہ کسی چیز کا عام علم اور کلی مفہوم اس مطلب کیلئے کفایت نہیں کرتا یہاں تامل ضروری ہے کہ یہ پیچیدہ مسئلہ ہے۔ ﴿واللہ المستعان﴾

لفظ جلالت میں لطائف عجیبہ:

بعض محققین نے لفظ اللہ کے لطائف میں فرمایا ہے اگر اس کا تلفظ ہمزہ کے ساتھ نہ ہو، یعنی للہ ہو، ﴿تو بھی بامعنیٰ ہے﴾ 'للہ جنود السموٰات والارض' اللہ کیلئے ہیں زمینوں اور آسمانوں کے لشکر، اگر لام باقیہ چھوڑ دیا جائے تو باقی ''ہائے مضمومہ'' ہوگی جو ھو سے ہے، ﴿تو بھی بامعنیٰ ہے﴾ 'لا الہ الا ھو، اس میں واو زائدہ ہے، اس کی سقوط میں ھما اور ھم رہ جاتے ہیں، اس میں تامل ہے جیسا کہ عربی میں ادنیٰ درایت رکھنے والے پر بھی پوشیدہ نہیں، اب رہا معنیٰ کے حساب سے تو آپ اس کو لفظ ''اللہ'' کے ساتھ پکاریں گے تو ایسے ہے جیسے آپ نے اسے تمام صفات کے ساتھ پکارا، بخلاف دوسرے تمام اسماء کے، لہذا فقط اسی لفظ سے کلمہ کی شہادت زیادہ درست ہے۔

وحدانیت کی دلیل:

اس ذات سبحانہ کے واحد ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اگر دو قدرت والے خدا ہوتے تو مقدورات کی نسبت دونوں کی طرف یکساں ہوتی، کیونکہ علت قدرت اور علت مقدوریت دونوں میں پائی جاتی، پس اس سے لازم ہوا کہ وہ مقدورِ معین دونوں کی قدرت سے ہوتا اور یہ محال ہے کیونکہ مقدورِ واحد پر دو مستقل قدرتوں کا وارد ہونا ممکن نہیں اور دونوں میں سے ایک ایسا کرے تو بھی محال ہے کہ اس سے ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے، پس حاصل ہوا کہ متعدد خداؤں کو تسلیم کرنے سے ممکنات کی کسی چیز کا وجود صحیح نہیں رہتا کیونکہ مذکورہ دونوں محالات میں سے ایک محال کو اختیار کرنا ہوگا اور محال کا التزام بھی محال ہوتا ہے، جیسا کہ پوشیدہ نہیں اس پر یہ برہان حق دلیل کافی ہے، لو کان فیهما الهة الا الله لفسدتا ، اگر زمین وآسمان میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو فساد برپا ہوتا، اس مطلب کے اثبات کیلئے یہ دلیل مشہور ہے جو بیان سے بے نیاز ہے۔

حکماء نے کہا ہے کہ اگر واجب الوجود دو ہوتے تو ان کے نزدیک ثابت ہوسکتا ہے کہ وجوب کے نفس ماہیت میں تمایز ہے، اس سے ان کا مرکب ہونا لازم آتا ہے اور یہ محال ہے، کیونکہ مرکب ہونے کیلئے ضروری ہے کہ کوئی واجب الوجود نہ ہو، ترکیب، وجوب کے منافی ہے، جبکہ فرض اس کے خلاف کیا تھا، شرح مواقف میں درج ہے کہ اس مسئلہ میں وثنیہ اور ثنویہ کے علاوہ کوئی مخالف نہیں، وہ دو الہوں

کے وجود کو واجبی نہیں کہتے اور نہ بتوں کو صفات الٰہیہ سے متصف کرتے ہیں، اگرچ ان پر ''اسم الٰہ'' کا اطلاق کرتے ہیں، بلکہ انہوں نے نبیوں، زاہدوں، فرشتوں اور ستاروں کی تماثیل تراش لیں اور عبادت کی غرض سے ان کی تعظیم میں مشغول ہو گئے تا کہ ان تماثیل کے ذریعے وہ معبود حقیقی تک رسائی حاصل کر سکیں۔

کلمہ طیبہ کے فضائل:

اور لیجئے اب اس کلمہ شریفہ کے فضائل جن میں سے کچھ مندرجہ ذیل ہیں:

○...... بخاری و مسلم نے حضرت معاذ ؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے بھی صدق دل سے گواہی دی 'لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ' اس پر اللہ نے آگ حرام کر دی۔

○...... بخاری و مسلم نے حضرت ابو ذر ؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس بندے نے کہا 'لا الہ الا اللہ' اور اسی پر فوت ہوا، وہ جنت میں داخل ہوا، میں نے عرض کیا، اگر چہ وہ زنا اور چوری کرے؟ فرمایا: اگر چہ وہ زنا اور چوری کرے، میں نے عرض کیا، اگر چہ وہ زنا اور چوری کرے؟ فرمایا: اگر چہ وہ زنا اور چوری کرے، میں نے عرض کیا، اگر چہ وہ زنا اور چوری کرے؟ فرمایا ابو ذر کی ناک خاک آلودہ ہوا، گر چہ وہ زنا اور چوری کرے۔

وہ عطا پر عطا ہی کرتے ہیں
گو خطا پر خطا کرے کوئی ﴿مترجم﴾

○ ...... مسلم نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا جس نے گواہی دی ' لا الہ الا اللہ و ان محمداً رسول اللہ، اللہ نے اس پر آگ کو حرام کر دیا۔

○ ...... مسلم نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو فوت ہوا اور جانتا تھا کہ لا الہ الا اللہ وہ جنت میں داخل ہوا۔

○ ...... احمد نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت کی چابیاں یہ شہادت ہے لا الہ الا اللہ ۔

○ ...... ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: افضل الذکر لا الہ الا اللہ ہے اور افضل الدعا الحمد للہ ہے۔

○ ...... شرح السنہ میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی، مولا مجھے ایسی چیز سکھا جس کے ساتھ تیرا ذکر کروں اور جس کے ساتھ تیرے حضور دعا کروں، فرمایا: اے موسیٰ! لا الہ الا اللہ کہا

کرو، عرض کیا مولا یہ تو ہر بندہ کہتا ہے، میں کوئی مخصوص چیز چاہتا ہوں، فرمایا: اے موسیٰ! اگر ساتوں آسمان اور ان میں میرے سوا تمام بسنے والے اور ساتوں زمینیں ایک طرف ہوں اور 'لا الہ الا اللہ' ایک طرف تو 'لا الہ الا اللہ' والا پلڑا وزنی رہے گا۔

○...... مفسرین نے قول سبحانہ 'یصعد الکلم الطیب' کے بارے میں کہا ہے کہ اس سے مراد کلمات توحید 'لا الہ الا اللہ' ہیں اور وہ 'لا یتکلمون الامن اذن لہ الرحمن و قال صوابا' کے ضمن میں کہتے ہیں کہ اس سے مراد درست قول ہے اور وہ ہے شفاعت کرنے والا قول لا الہ الا اللہ جو دنیا میں کہا تھا۔

عوام کی توحید اور خواص کی توحید:

جان لو کہ اہل اسلام میں عوام کی توحید یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ شرک کا انکار کیا جائے کہ واجب لذاتہٖ وہی ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے، اسی پر نجات اخروی اور سعادت ابدی کا مدار ہے اور ظاہر میں تمام انبیاء کرام نے یہی تبلیغ فرمائی اور صوفیہ جو کہ اللہ والے، کشف والے، مشکوٰۃ نبوت سے اقتباس کرنے والے، جو زمین کے اوتاد ہیں، جن کی برکات سے اہل زمین کی طرف رحمت نازل ہوتی ہے اور جن کے صدقے ان کو بارش دی جاتی ہے، رزق دیا جاتا ہے، جو وہ قوم ہیں جن کا ساتھی کبھی شقی نہیں ہوتا، ان کی توحید اس سے عبارت ہے کہ وجود میں اس کے شریک کی نفی کی جائے کہ ان کے نزدیک اس کے سوا کوئی موجود نہیں، وہ مطلق تھا اور اس

کے ساتھ کوئی کون وقید نہیں تھی اور وہ اب بھی مطلق ہے اور جس کو عالم، غیر و ماسوا یا مقید کہا جاتا ہے، وہ محض دکھاوا ہے، انتقاش ہے، جیسا کہ عارف نے کہا ؎

دوئی را نیست رہ در حضرت تو
ہمہ عالم توئی و قدرت تو

حضرت شیخ صدر الدین قونوی رحمۃ اللہ علیہ نے النصوص میں فرمایا کہ وجود واحد میں بڑے شبہات وحجابات اور تعددات واقعہ وہی ہیں جن کو اعیان ثابتہ کے آثار کہتے ہیں، ان سے یہ گمان ہوتا ہے کہ اعیان ثابتہ بھی وجود میں بالوجود ظاہر ہیں، جو آثار اس میں ظاہر ہوئے تو وہ ظاہر نہیں ہوئے اور کبھی نہیں ہو سکتے کہ ان کی ذات میں ظہور کا حوصلہ نہیں۔

ہمارے شیخ والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ کنز الحقائق میں فرمایا کہ یہ قید عالم محض دکھاوا ہے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی صناعی ہے جس نے ہر چیز کو ٹھہرایا ہے، لہذا یہ موجودِ حقیقی کے نمائندہ کا حکم رکھتا ہے اور اس پر دنیوی واخروی احکام کا ترتب ہے، جیسا کہ کتاب وسنت سے منطوق ہے، پس یہ ابدی بن گیا ہے کہ کسی کے زوال دینے سے زوال پذیر نہ ہوگا ماسوا اس کے جس نے اسے اثر بقا دیا ہے، اسی لئے اس کو مراتب وجود عطا کئے اور ہرگز یہ قید عالم نفس الامر میں موجود حقیقی نہیں، بلکہ معدوم محض ہے ’الاعیان ماشمت رائحة الوجود‘ اعیان نے وجود کی بو تک نہیں سونگھی اور موجود حقیقی اللہ واحد قہار کے سوا کوئی نہیں، اس لئے وجود مرتبت تنزل سے موسوم ہے، اللہ سبحانہ کے لیے نہ تنزل ہے اور نہ ترقی، وہ تو ہر قید سے پاک ہے حتیٰ

لمہ اطلاق کی قید سے بھی، مطلق الوجود مراتب احکام کے لیے جامع ہے لیکن ہر مرتبہ کیلئے احکام مختص ہیں جن سے تجاوز نہیں کیا جا سکتا، جو ان کی حفاظت نہیں کرتا، زندیق ہے، لہذا اس نے ان کے بیان و حفاظت کیلئے کتابوں کو نازل فرمایا اور رسولوں کو ارسال کیا، اس مطلب شریف کے ادراک کے لیے صوفیہ کرام کے پاس وجدان صحیح اور مکاشفات حقانی کی شان ہے، انہوں نے فرمایا کہ ہمارے لئے کشف و عیان سے ظاہر ہوا کہ اللہ سبحانہ کا وجود عین ذات ہے اور اس کے سوا حقیقتاً کوئی موجود نہیں اور تمام اشیاء شیون و اعتبارات سے اس کی ذات کے ساتھ لاحق ہیں، حقیقی وجود اس سبحانہ کا ہے جو اپنی ذات سے قائم ہے، وجود اور موجود ایک ساتھ ہیں، لان معنیٰ الموجود ما قام به الوجود، کہ موجود کا معنیٰ ہے جو وجود کے ساتھ قائم ہو، یہ برابر ہے کہ یہ قیام صفت بالموصوف کی قبیل سے ہو یا شے کا قیام بنفسہٖ ہو، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حقیقتاً وجود وہی ہے جو اپنی ذات کے ساتھ قائم ہو نہ کہ جو غیر کے وصف سے قائم ہو، پس مناسب نہیں کہ اس کا غیر اصلاً موجود ہو، لہذا مرتبۂ وجود میں نہج کمال پر ممکن اور واجب میں تفاوت اور تباعد ہوگا، یہی وجہ ہے کہ ذات سبحانہ عین وجودہٖ ہے اور ذات ممکن عین وجودہٖ نہیں، وہ اپنے وجود سے متصف اور اپنے وجود کیلئے معروض نہیں، بلکہ ممکن تو وجود کیساتھ نسبت حاصلہ کے سبب نظر آتا ہے، گویا وجود ممکنات کا موجود ہونا اس نسبتِ خاص سے عبارت ہے جو اسے اس قائم بالذات وجود سے ہے، ہاں یہ نہیں ہوسکتا اس کا وجود ان ممکنات سے قائم ہو، مثلاً لوہار اس شخص کو کہتے کہ لوہا جس کی صنعت کا مصنوع ہو، اس کو لوہے سے نسبت خاص

ہو، نہ کہ لوہا اس کی ذات کے ساتھ قائم ہو، یا شمس کی طرح کہ اس پانی کو کہتے ہیں جس نے سورج کے ساتھ نسبت خاص حاصل کی اور اس کے محاذات سے وہ تپش لیتا ہے، پس عالم مرتبہ وجود میں مرتبہ وجود الحق سے بہت ہی نیچے ہے، تراب کا رب الارباب سے کیا مقابلہ، مطلق بے نیازی اور کمالات صوری و معنوی حق سبحانہٗ کیلئے ثابت ہیں، وہی عین وجود اور اصل کمالات ہے ؎

ولو وجهها من وجهها قمر
و لعينها من عينها كحل

چاند اس کے رخ روشن سے روشن ہے اور آنکھ اسی کی آنکھ سے سرمگیں ہے۔

مخلوق میں ذاتی طور پر ذلت اور احتیاج ہے کہ حقیقت میں اس کا وجود و نمود نہیں، بلکہ وہ تو وجودِ حق سبحانہٗ کا عکس ہے جو اعیان کے شیشوں میں اور اس کی جلوہ گاہوں میں ظاہر ہوا، وہ ان کے اعدام پر باقی ہے، جیسے پانی، برتن کے رنگ کے ظہور کے سامنے، اس میں عدم رنگ پر بقا ہے، وہ اس کے غیر کا رنگ ہے، اس کا اپنا کوئی رنگ نہیں، حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ سے توحید کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: لون الماء لون اناءہ ، پانی کا رنگ اس کے برتن کا رنگ ہے، یعنی بے شک وجود اور کمالات جو اعیان میں ظاہر ہوئے، وہ نہیں مگر حق کیلئے اور اصلاً اعیان نے تو وجود کی بو تک نہیں سونگھی، پس عالم ان اعیان سے عبارت ہے جو حق سبحانہ کی تجلی کا واسطہ تصور کی جاتی ہیں، جن میں اس کا مشاہدہ ہوتا ہے، سو تمام نظام عالم اس وجود ظاہر اور اس اعدام کے ساتھ ہے، كما قال العراقی ؎

روز و شب باہم آشتی کردند
کار عالم ازاں گرفت نظام

دن رات میں جو باہم ربط ہے اس سے کارِ عالم کا نظام قائم ہے، یعنی وجود و عدم کے اختلاط کے واسطہ اور امتزاج سے نظام ہستی ہے، شیخ العارف عبدالقدوس حنفی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں ’’حقیقت میں ہستی مطلق حق سبحانہٗ ہے، مگر حجاب والوں کی آنکھ میں لباس کونی نے خاک ڈال دی ہے اور ان کو دور اور مہجور کر دیا ہے‘‘ گویا اس سبحانہٗ کا اعیان ثابتہ کی صفات کے ساتھ ظہور اور عارضی احکام کے ساتھ انصباغ ہی حجاب والوں کے ادراک کے احتجاب کا سبب ہوا اور نہ حق سبحانہ کے سوا ظاہر، مرئی اور مشہود کوئی نہیں۔

شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ’’ان صوفیہ میں سے کسی نے کہا ’’الحق محسوس والخلق معقول ‘‘ حق تعالیٰ محسوس ہے اور خلق معقول ہے۔ وہ سبحان ہے کہ شدت ظہور سے پوشیدہ ہوا، غایت قرب سے دور ہوا اور ادراک کا ادراک بھی مفقود ہے اس لئے نہ پہچانا گیا، اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ معمولی ادراک بھی نہ ہو، وہ تو ہر فرد کو ہے اور ان سے اس کا اصلاً عدم انفکاک ہے، پس انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت اور تکالیف شاقہ اس ادراک الادراک کی تحصیل کیلئے ہیں۔

فلاسفہ کا مذہب:

یاد رہے کہ حکما، صوفیہ کے ساتھ اس میں موافق ہیں کہ ’’وجود الحق

سبحانه عين ذاته ' حق تعالیٰ کا وجود عین ذات ہے اور وجود غیر اس قائم و واجب بالذات کے وجود کی نسبت خاص سے عبارت ہے، یہ نہیں کہ وجود اس کا وصف ہو اور اس سے قائم ہو، جیسا کہ لوہار اور شمس کی مثالیں دی گئیں، فلاسفہ نے واجب تعالیٰ کے وجود کے عین ذات ہونے پر دو وجہوں سے استدلال کیا ہے۔

پہلی وجہ:

اگر اس کا وجود اس کی ذات پر زائد ہو تو اسے اتصافِ وجود کیلئے کسی علت کی احتیاج ہوگی، اگر اتصاف کیلئے علت ہو اگرچہ اس کی ذات ہو تو اتصافِ ذات کا وجود سے تقدم لازم آئے گا اور اتصاف بالوجود میں اس کی تاثیر ہوگی کہ یہ ضرورت عقل کا محاکمہ ہے، بان الایجاد فرع الوجود یعنی ایجاد وجود کی فرع ہے اور اگر وجود سابق ہو اور عین وجود لاحق ہو تو اپنے نفس پر شے کا تقدم لازم آئے گا، اگر لاحق ہونے والا غیر ہو تو ہم اس غیر سے اس کے اتصاف پر کلام کریں گے، جہاں تک کہ وجود میں تسلسل لازم آئے گا، پس انتہا اس وجود پر ہوگی جو عین ذات ہے، لیکن شے واحد کے وجود میں تعدد کا ہونا محال ہے جیسا کہ فطرت سلیم بھی اس پر گواہ ہے۔

دوسری وجہ:

جو چیز وجود میں آتی ہے تو وجود اس کی ذات کی طرف دیکھنے سے مسلوب عنہ ہے، یعنی پوشیدہ ہے، یہ بات جمہور میں مشہور ہے، اس کی ماہیت ایک ہی جیسی ہوتی ہے، امور عارضہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں اور اس کے وجود کا ثبوت اس کی

ذات سے نہیں ہوا جیسا کہ گزرا ’’الا یجاد فرع الوجود‘‘، پس یہ صحیح نہیں کہ ذات جیسی کہ وہ ہے، بغیر شرط وجود کے موجد ہو، یہ ایک ہی بات ہے کہ وہ اپنے آپ کی موجد ہے یا اپنے غیر کی موجد، لہذا یہی ہے کہ واجب تعالیٰ کی حقیقت ایک وجود متاکد ﴿ضروری﴾ ہے، جو اپنی ذات کے ساتھ قائم ہو، اس کا وجود ہونا اور موجود ہونا ایک ساتھ ہے، جیسا کہ بیان کیا گیا۔

کلمہ طیبہ کا دوسرا حصہ:

محمد اللہ کے رسول ہیں، اولاد آدم کے سردار ہیں، قیامت کے دن آپ کی اتباع کرنے والے دوسرے نبیوں کے تابع داروں سے زیادہ ہوں گے، اور اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ اولین و آخرین سے افضل ہیں، سب سے پہلے آپ کا مزار پُرانوار شق ہوگا اور پہلے شفاعت کریں گے، آپ کی شفاعت قبول ہوگی، آپ سب سے پہلے جنت کے دروازہ پر دستک دیں گے، آپ کیلئے اللہ اس کو کھول دے گا، قیامت کے دن پرچم حمد کو اٹھائیں گے جس کے نیچے آدم اور سب انبیا کرام علیہم السلام ہوں گے، آپ نے فرمایا: ہم آخری ہیں اور ہم قیامت کے دن پہلے ہوں گے، میرا یہ قول فخریہ نہیں، میں رسولوں کا سالار ہوں، کوئی فخر نہیں، میں نبیوں کا خاتم ہوں، کوئی فخر نہیں، میں لوگوں کا اول ہوں جب وہ اٹھیں گے، میں لوگوں کا قائد ہوں، جب وہ وفد بنیں گے، میں لوگوں کا خطیب ہوں، جب وہ خاموش ہوں گے، میں لوگوں کا شفیع ہوں، جب وہ روک دیئے جائیں گے، میں لوگوں کا مبشر ہوں،

جب وہ مایوس ہوں گے، بزرگی اور چابیاں اس دن میرے ہاتھ میں ہوں گی، میں اپنے رب کے ہاں اولادِ آدم کا بزرگ ہوں میرے گرد ہزار خادم طواف کر رہے ہوں گے، جیسے سفید انڈے یا بکھرے موتی، جب روز قیامت ہوگا میں نبیوں کا امام، خطیب اور ان کی شفاعت والا ہوں گا، اس پر کوئی فخر نہیں، اگر حضور سراپا نور ﷺ نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا نہ کرتا اور نہ اپنی ربوبیت کو ظاہر کرتا اور وہ اس وقت بھی نبی تھے جب آدم علیہ السلام مٹی اور پانی کے درمیان تھے۔

نبوت کی دلیل:

حضور سراپا نور ﷺ کی نبوت کے اثبات کیلئے جمہور کے نزدیک یہ دلیل معول ہے کہ حضور ﷺ نے نبوت کا دعویٰ فرمایا اور ان کے ہاتھ پر معجزات کا ظہور ہوا، جو یہ خصوصیت رکھتا ہو وہ نبی ہے اور آپ کا دعویٰ نبوت کرنا تواتر سے ثابت ہے اور ایسے ہی آپ سے صدورِ معجزات ہوا اور قرآن پاک بھی آپ کا معجزہ ہے، قرآن پاک اس لئے معجزہ ہے کہ حضور ﷺ نے اس کے مقابلہ کی دعوت دی اور عرب کے فصحا و بلغا کو کہا کہ اسی جیسی ایک سورت ہی بنا لاؤ، وہ کثیر التعداد تھے اور غایت عصبیت اور حمیت و جہالیت کے باوجود بھی اس جیسی ایک چھوٹی سورت بنانے سے بھی عاجز آ گئے، جہاں تک کہ انہوں نے قلمی معارضت کی بجائے سیفی مقارعت کو ترجیح دی، اگر وہ قلمی مقابلہ کر سکتے تو ضرور کرتے اور اگر کرتے تو ہم تک تواتر سے منقول ہوتا، اس کو نقل کرنے کے بہت سے طریقے ہیں جیسا کہ خطیب منبر پر بیان

کرتا ہے اور اس طریقے سے ضرورت عادیہ کے مطابق علم حاصل ہوتا ہے کیونکہ حِس کی طرح عادت بھی حصول علم کا طریقہ ہے۔

جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے اور معجزے ظاہر کرے وہ نبی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ عادت جاری کی کہ مخلوق میں مدعی نبوت کی سچائی کا علم پیدا کیا جب اس کے ہاتھ پر معجزے کا ظہور ہو، کیونکہ کاذب کے ہاتھ پر معجزے کا ظہور نہیں ہوسکتا، مثلاً کوئی کہے کہ میں نبی ہوں، پھر پہاڑ کو اٹھا کر لوگوں کے سروں پر کھڑا کر دے اور کہے اگر تم مجھے جھٹلاؤ گے تو یہ تم پر گر پڑے گا، اگر میری تصدیق کرو گے تو یہ تم سے ہٹ جائے گا، پھر جب وہ تصدیق کرنا چاہیں تو ان سے ہٹ جائے اور جب تکذیب کرنا چاہیں تو ان کے قریب آجائے، اس سے ضروری علم حاصل ہوگا کہ وہ صادق ہے اور عادت بھی یہی فیصلہ دیتی ہے کہ کاذب یہ کام نہیں کرسکتا۔

لوگوں نے یہ مثال بھی دی ہے کہ جب کوئی آدمی بادشاہ کے دربار میں ہجوم غفیر کے سامنے کہے کہ وہ اس بادشاہ کا تمہاری طرف رسول ہے، وہ دلیل مانگیں تو کہے کہ اگر بادشاہ اپنی عادت کے خلاف اٹھ کر ایسے مقام پر جا بیٹھے جہاں بیٹھنے کی اسے عادت نہیں، تو یہ اس کی تصدیق ہوگی اور اس کی سچائی کے علم ضروری کیلئے فائدہ مند ہوگی، اس مثال کا یہ مطلب نہیں کہ غائب کو موجود پر قیاس کرلیا ہے، ہمارا دعویٰ تو یہ ہے کہ بے شک ظہورِ معجزہ، علمِ ضروری کو سچائی کے ساتھ مفید ہے اور اس کا علم اس کیلئے مفید ہے، ضرورت عادی کے ساتھ معلوم ہے، یہ مثال تفہیم کیلئے اور زیادت تقریر کیلئے ہے، اس پر جو سوالات وارد ہوئے اور ان کے

جوابات ﴿دیئے گئے وہ سب﴾ کتابوں میں مذکور ہیں، ہم نے اپنے رسالہ اثباۃ النبوۃ میں اس کی تفصیل لکھی ہوئی ہے۔

اس کے سوا جو معجزات ہیں وہ اپنی تفاصیل کے ساتھ متواتر نہیں لیکن ان میں قدر مشترک یہ ہے کہ ان کا ثبوت معجزہ متواتر ہے، بلاشبہ جیسا کہ حضرت علی المرتضیٰ ﷛ کی شجاعت اور حاتم کی سخاوت، وہ ہمیں اثباتِ مطلب کیلئے کافی ہے، اس پر حضور پرنور ﷺ کے احوال سے استدلال ہوسکتا ہے خواہ وہ اعلان نبوت سے پہلے کے ہوں یا اس کے بعد آپکے اخلاق کریمہ احکام حلیمہ اور سخت حالات میں اقدام اور مہمات دینی و دنیوی میں جھوٹ کا قطعاً صادر نہ ہونا، اگر ایک مرتبہ بھی جھوٹ صادر ہوجاتا تو آپ کے دشمن اس کو خوب پھیلاتے، آپ کا اعلان نبوت سے پہلے اور بعد میں کبھی کسی فعل قبیح کی طرف قدم نہ اٹھانا، اُمی ہونے کے باوجود کمال فصاحت کا اظہار کرنا، تبلیغ رسالت میں مختلف مشقتوں کا برداشت کرنا حتیٰ کہ فرمایا، کسی نبی کو اتنی تکلیفیں نہیں دی گئیں جتنی مجھے اور عزیمت میں کوئی لغزش نہ آنا، پھر جب دشمنوں پر غلبہ حاصل کیا اور ان کی جانوں اور مالوں میں حکم نافذ کرنے کا رتبہ ملا تو بھی پہلی حالت میں تبدیلی نہ آنا بلکہ آپ شروع سے آخر تک ایک ہی طریقہ مرضیہ پر گامزن رہے، امت پر بے حد درجہ شفقت فرمانا، یہاں تک کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ' فلا تذهب نفسك عليهم حسرات ' محبوب! ان کی پریشانیوں میں تمہاری جان نہ چلی جائے اور آپ کا انتہائی سخی ہونا کہ آپ کو یوں فرمایا گیا ' ولا تبسطها كل البسط ' ان ہاتھوں کو اس طرح نہ کھول دو اور دنیوی زیبائشوں کی طرف عدم التفات،

فقرا و مساکین کے ساتھ غایت تواضع، اغنیا کے ساتھ غایت ترفع، دشمنوں کے مقابلہ میں استقلال اور ہرگز خوفزدہ نہ ہونا، جیسا کہ یوم احد و احزاب کے موقع پر دیکھا گیا، یہ آپ کی قوت قلبی اور اولوالعزمی کی دلیل ہے، ایسا ہرگز نہ ہوتا اگر آپ کو اللہ تعالیٰ کی عصمت پر یقین نہ ہوتا، جیسا کہ اس نے آپ سے وعدہ فرمایا 'واللہ یعصمك من الناس 'اور اللہ آپ کو لوگوں سے بچاتا ہے، یہ بطور عادت نہ ہوتا، حضور سراپا نور ﷺ کے حال میں تلوین نہیں جبکہ دوسروں کے حال میں تلوین آ گئی، یہ تمام امور اس بات کا ثبوت ہیں کہ حضور سراپا نور ﷺ نبوت کے اعلیٰ درجات پر فائز ہیں، یہ کسی مصنف مزاج عقلمند سے پوشیدہ نہیں۔

ربنا اتنا من لدنك رحمة وھی لنا من امرنا رشدا

یہ رسالہ اختتام کو پہنچتا ہے، اللہ تعالیٰ کیلئے ہی تعریف ہے اول و آخر ساور اسی کیلئے حکم اور تم اسی کی طرف لوٹ جاؤ گے۔

......☆☆☆......

......☆......

﴿صوفی محمد غوث مانڈوی کا اندازِ مدحت سرائی﴾

حضرت مجدد الف ثانی...... بالانشین مسند محبوبیت، صدر آرائے محفل وحدانیت، خدیو مقام فردیت، صاحب مرتبہ قطبیت ہیں۔ (اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار: ۵۴۴)

......☆......

میلادِ مجدد اعظم قدس سرہٗ

اہلِ تمکیں کے شہِ والا کرامت آئے
الفِ ثانی کے مہِ چرخِ سیادت آئے
گلِ آرائشِ ہر روشِ صباحت آئے
رنگ افزائے چمن زارِ ملاحت آئے
قطبِ ارشادِ جہاں ، بدرِ کمالِ دوراں
مرحبا دہر میں محبوبِ عنایت آئے
نورِ مصباحِ وفا جن کا جمالِ زیبا
یعنی خورشیدِ ضیا بارِ امامت آئے
جن کی تدبیر کے ناخن سے کھلا رازِ شہود
ہائے کیا نکتہ ورِ رمزِ محبت آئے
حسن میں مظہرِ سرکارِ نبوتؐ بن کر
عِلم میں پرتوِ سردارِ ولایتؓ آئے
خوبیِ صدقِ ابو بکرؓ سے روشن روشن
جلوۂ عدلِ شہنشاہِ عدالتؓ آئے

غلام مصطفےٰ مجددی

شرح رباعیات

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ

تعلیقات

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ

ترجمہ

علامہ ثناء الحق صدیقی ایم اے

فہرست مضامین

○ رباعی 209
○ حمد و نعت 209
○ صوفیائے خام 210
○ وجہ تالیف 210
○ غرض و غایت 212
○ خلاصہ کلام 214
○ حواشی وتعلیقات از مجدد الف ثانی 216
○ حمد و نعت 216
○ پہلی رباعی (سریان واحاطہ کا مفہوم) 217
○ صفات بشری اولیا کے لیے حجاب ہیں 218
○ مرتبہ تعین و لاتعین 220
○ وصول کی دہلیز 221
○ حقیقت محمدی ﷺ 222
○ فنائے محمدی ﷺ سے اشارہ 223
○ صوفیائے خام کی غلطیاں 225

○ وصول نہایت النہایت 227
○ غلط فہمی کی وجہ 229
○ دوسری رباعی 230
○ تیسری رباعی 231
○ صوفیا اور علما کے درمیان موافقت 233
○ حاصل کلام 234
○ ایک مثال 235
○ سوالات و جوابات 236
○ مسئلہ تجدد امثال 240
○ تنبیہ 241
○ توحید وجودی اور اس کے مراتب 252
○ وجود بشریت کے لیے غفلت 254
○ توحید کی اعلیٰ ترین قسم 256

……⊙……

تعارف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت خواجہ خواجگان باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ تاریخ ولایت میں محتاج تعارف نہیں، آپ ۹۷۱ھ کو کابل میں پیدا ہوئے، علوم شرعیہ کی تکمیل مولانا صادق حلوائی سے کی اور ان کے ساتھ ماوراالنہر کا سفر کیا، آپ نے راہ طریقت میں قدم رکھا تو نہایت قلیل مدت میں خواجہ بزرگ امکنگی سے خرقہ خلافت حاصل کیا اور ان کے حکم سے برصغیر میں نزول اجلال فرمایا، آپ کچھ دیر لاہور میں رہے اور بعدۂ دہلی تشریف لے گئے، آپ برصغیر میں سلسلہ نقشبندیہ کے بانی اور مروج ہیں، اس عظیم الشان کام کے لیے آپ کو بہت کم مدت ملی لیکن آپ نے اس تھوڑے عرصے میں اس طریقہ عالیہ کو نہایت مقبول بنا دیا، آپ عجز وانکسار، شفقت ورحمت، تحمل و برداشت، فیاضی ودریادلی، زہدوورع اور حزم واحتیاط کا اعلیٰ شاہکار تھے، آپ کے حلقہ اثر میں دربار اکبری کے بڑے بڑے امراء کا بھی شمار ہوتا ہے، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی تجدیدی تحریک کی بنیاد دراصل آپ ہی کی کاوشوں کی مرہون منت ہے، آپ شریعت مصطفیٰ کا اس درجہ خیال رکھتے تھے کہ جزیات کی حد تک بھی اس کی پابندی کو لازمی سمجھتے تھے، آپ بلند پایہ نثر نگار اور جلیل القدر شاعر تھے، آپ نے اپنی نثر نگاری اور شاعری کو رموز باطنی کے اظہار کا ذریعہ بنایا، اس سلسلے میں کچھ مقدس رباعیات آپ سے منقول ہوئیں جن کی تشریح کا حق آپ خود ہی یا آپ

کے عظیم المرتبت خلیفہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ ہی ادا کر سکتے تھے، شرح رباعیات میں آپ نے تین انتہائی دقیق رباعیوں کا راز آشکار فرمایا اور پھر ان کے مزید تشریح کا شرف حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے حاصل کیا، زیر نظر رسالہ انہی دو بزرگوں کی تشریحات پر مشتمل ہے، رسالہ فارسی زبان میں رقم کیا گیا ہے جو انشا پردازی کا عظیم شاہکار ہے، اس کے اعلیٰ معیار کو سامنے رکھتے ہوئے جناب علامہ ثناالحق صدیقی ایم اے نے اردو زبان میں ترجمہ فرمایا جو اشکال وابہام سے بہت حد تک صاف اور اصل عبارت کے مطابق ہے، اس ترجمے کو حضرت شیخ زوار حسین شاہ صاحب نے بھی نگاہ عمیق سے مشاہدہ فرمایا ہے اور اس کی حقانیت کی تصدیق فرمائی ہے، رسالہ شرح رباعیات اسرار معرفت سے لبریز ہے اور اس میں توحید وجودی کے نام پر پھیلائے گئے بہت سے غلط نظریات کی تصحیح فرمائی گئی ہے تاکہ عوام الناس گمراہی اور الحاد پرستی سے محفوظ ہو جائیں، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اپنی خداداد قابلیت سے کون وحصول، وجود وثبوت، تنزلات وتعینات، ماہیات، اعیان ثابتہ، صور علمیہ، صور محسوسہ، تجدد امثال اور ہمہ اوست جیسی فکر ونظر سے ماورئ اصطلاحات صوفیہ کو نہایت دل نشین انداز میں سمجھایا اور ان کی الحادی تعبیرات سے بچایا ہے، یہ رسالہ پہلے پہل فارسی اردو زبان میں ادارہ مجددیہ ناظم آباد کراچی نے جنوری ۱۹۶۷ء کو نہایت اہتمام کے ساتھ شائع کیا جو اب ایک طویل عرصے کے بعد تقریباً نایاب ہو چکا تھا، اس لیے اس کو قادری رضوی کتب خانہ لاہور کی جانب سے شائع ہونے والے ''رسائل مجدد

الف ثانی'' کے دوسرے ایڈیشن میں شامل کرلیا گیا ہے تاکہ لوگ ان بزرگان دین کے افکار سے مستفیض ہوسکیں، مولا کریم ان اداروں اور ان کے باذوق کار پردازوں کو دو جہان میں اجر عظیم عطا فرمائے۔ ﴿آمین بحرمۃ سید الانبیا والمرسلین﴾

……

﴿رباعی﴾

سبحان اللہ زہے خدائے متعال
عالی ز تصور و مبرا ز خیال
از نور لطافتش ضمائر مشحون
وز سرِ سرایتش جہاں مالا مال

﴿حمد و نعت﴾

تمام تعریف اس خدائے بزرگ و برتر کیلئے ہے جس کی بارگاہ عزت کا حجاب اس کے ظہور کے انوار و تجلیات ہیں اور جس کی غیرت کے قبوں کے رہنے والے اس کے نور کا ظہور ہیں، اگر وہ اپنے اولیا کے باطن میں کشف کے ذریعہ اپنی تجلی ظاہر نہ کرتا تو اس کے کمال کا شہرہ دنیا اور اہل دنیا کے کانوں تک کون پہنچاتا اور اگر علم کے پردے میں اپنے دیدار کرنے والوں کے باطن کا حجاب نہ بن جاتا تو اس آفتاب جلال کی تب و تاب سے کسی چیز کا نام و نشان باقی نہ رہتا، وہی وہ ذات ہے جو رسولوں کے پردے میں اپنوں اور غیروں کیلئے رحمت ہے، و مارمیت اذ رمیت ﴿انفال، ع:۲﴾ ﴿جب تو نے پھینکا تھا تو وہ تو نے نہیں پھینکا تھا﴾ توضیح ہے: سبحن الذی

اسریٰ ﴿بنی اسرائیل، ع:۱﴾ ﴿پاک ہے وہ جو لے گیا﴾ کی ، محمد ﴿ﷺ﴾ احمد بلا میم ہیں، اُن کو اِن خاکی انسانوں سے کیا نسبت! وہ یکتا و یگانہ ہیں، لیس کمثلہٖ شی وھو السمیع البصیر ﴿شوریٰ، ع:۲﴾ ﴿ان جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ سنتے اور دیکھتے ہیں﴾ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و اصحابہٖ وسلم تسلیماً کثیراً ﴿اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ ہو اُن پر اور ان کی آل اور ان کے اصحابؓ پر اور سب پر بے حد و بے حساب سلامتی ہو﴾

صوفیائے خام:

حمد و نعت کے بعد بیان کیا جاتا ہے کہ چونکہ یہ بات دیکھنے میں آئی تھی کہ بعض اہل زمانہ اپنی فطرت کی پستی، لیاقت کی کمی اور ارباب معرفت کے اسرار کو سمجھنے میں کوتاہی کے سبب صوفیا کے مقدس گروہ کے بلند مقاصد کو کسی دوسرے طریقے پر سمجھ کر ان کی عبارتوں اور الفاظ کو حتی الامکان اپنے وضع کیے ہوئے معانی اور مطالب پر محمول کر لیتے ہیں، ان دعویداروں میں بعض وہ لوگ ہیں جو چند ایسے فاسد اصولوں کی بنا پر جو ان کے خود ساختہ ہوتے ہیں ان اعلیٰ مقاصد میں سے بعض پر جن کی تاویل کی وہ ناقص الفہم قابلیت نہیں رکھتے اعتراض کرتے ہیں۔

وجہ تالیف:

یہاں ان بزرگوں کے بعض مطالب کو جو ان کے باطنِ مبارک سے وارد ہوئے ہیں نہایت واضح تشریح اور پوری تفصیل کے ساتھ چند رباعیوں کی شکل میں پیش کیا گیا ہے اور ہر چند ان میں سے تھوڑے سے جن کی اس مقدس گروہ کی مستند

کتابوں خصوصاً حضرت حقائق پناہ، ارشاد دستگاہ مخدوم مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالوں میں پوری تنقیح کر دی گئی ہے، پھر بھی ان میں سے بعض ضروری مطالب کو بیان کیا گیا ہے تاکہ غلط کاران پر دست تصرف دراز نہ کر سکیں، حق سبحانہ وتعالیٰ نے وجود واجب اور ممکن کی حقیقت، باطن میں ظاہر کے سرایت کر جانے اور اپنی وحدت و یکتائی کو اس جملہ سے ''کان اللہ ولم یکن معہ شی '' ﴿اللہ موجود تھا اور اس کے ساتھ اور کوئی چیز نہیں تھی﴾ اور اس کے ضمیمہ 'الان کما کان' ﴿اب وہ ایسا ہی ہے جیسا تھا﴾ کے مفہوم سے ان سننے والوں پر جو مستعد ہیں اور ان فائدہ حاصل کرنے والوں پر جو طالب صادق ہیں، واضح کر دیا ہے 'بمنہ و کمال کرمہ' ﴿اس کا احسان اور کرم ہے﴾ اس کا لکھنے والا میں بندہ محمد باقی ہوں، اللہ تعالیٰ اس کے نفس کی تاریکی کو فنا کر دے اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ کی آل کے صدقہ میں اپنے انوار جمال کے ساتھ بقا عطا فرمائے۔

رباعیات:

گویند وجود کون، کون است و حصول
نورے بجز از کون نہ کردہ است قبول
واللہ کہ دریں پردہ لسان الغیب است
برطبق قوائد است بر وفق اصول

……

بشناس کہ کائنات رودر بعدم اند

بل در عدم ایستا دہ ثابت قدم اند
ویں کون معلق از خیال و وہم است
باقی ہمگی ظہور نور قدم اند

……

منظوم ترجمہ:

کہتے ہیں وجود کون، ہے کون و حصول
وہ نور بجز کون نہیں کرتا قبول
واللہ ہے لسان غیب پردے میں نہاں
یہ ہے مطابق قوائد و جملہ اصول

……

تو جان لے یہ خلق ہے مائل بہ عدم
یعنی کہ عدم میں ہی جمائے ہے قدم
یہ کون، ہے کیا چیز؟ محض وہم و خیال
باقی ہے سبھی یہ مظہر نور قدم

……

غرض وغایت:

ان دو رباعیوں کی غرض و غایت میں یہ اظہار کرنا ہے کہ سوائے عزت والے اور بزرگ اللہ کے کوئی شے بھی علم میں ہونے کے علاوہ اپنا وجود وثبات نہیں

رکھتی اور خارج میں سوائے واجب تعالیٰ وتقدس کے کوئی چیز بھی حقیقی طور پر موجود نہیں ہے، عقلاو فلسفی کون وحصول ﴿وجود﴾ کا جو ماسویٰ اللہ جل شانہ کے ساتھ تعلق قائم کرتے ہیں اور ﴿وجود ذات باری کے علاوہ﴾ ان کو خارج میں موجود اور ثابت سمجھتے ہیں، یہ ان کا محض وہم اور خیال ہے، لہذا وہ کون ﴿وجود﴾ جو عقلوں کے اعتبار سے ان اشیا کے ساتھ منسوب ہوتا ہے، حقیقت میں ایک ایسا کون ہے جو وجود وثبوت کے بغیر معلق ہے، یعنی وہ محض عقل کا درک وادراک ہے اور اس کی بنیاد کسی اصلی اور حقیقی شے پر نہیں ہے، چنانچہ جن لوگوں کی عقلیں ناقص ہیں وہ اس صورت کو جو آئینہ میں منعکس ہوکر دکھائی دیتی ہے آئینہ کے اندر موجود سمجھنے لگتے ہیں۔

کون وحصول:

اور یہ جو متکلمین ممکنات کے وجود کو کون وحصول کہتے ہیں ایسی چیز ہے جو واقع کے عین مطابق ہے اور اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ ممکنات کا وجود اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ علم میں موجود ہوں، کیونکہ جب آثار خارجیہ کے ترتب کا واسطہ کون وحصول کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے تو لازم آتا ہے کہ کون وحصول بھی خالص وہم ہو، اس لیے کون وحصول بھی تو آثار خارجیہ میں سے ایک اثر ہی ہے، پس یہ مقدمہ کہ کائنات کا وجود سوائے کون وحصول کے کچھ نہیں ہے، کنایہ ہے اس بات کے لیے کہ ان کا کوئی وجود نہیں ہے، متکلمین کا مقصد بھی دراصل یہی ہے، اس لیے پہلی رباعی میں کہا گیا ہے:

واللہ ہے لسان غیب پردے میں نہاں

پہلی رباعی کے ایک اور معنی بھی ہیں جو بہت لطیف ہیں، وہ معنی یہ ہیں کہ کائنات کا وجود حقیقت میں کون وحصول کے سوا کچھ نہیں اور مختلف ماہیتیں کہ جنہوں نے تعین کے اتنے رنگ قبول کر لیے ہیں کہ ان کا وجود علم میں ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور اللہ جل سلطانہ کی واجبی صفتیں اور اس کے شئون جو خارج میں دکھائی دیتے ہیں عین ذات ہیں اور ذات بعینہ اپنی خالص بے رنگی پر قائم ہے ﴿یعنی بے رنگ ہے﴾ پس اگر علوم تمام کے تمام ختم ہو جائیں تو ماہیتیں بھی کلی طور پر معدوم ہو جائیں گی لہذا اس معنی کا افادہ کہ کائنات کا وجود کون وحصول ہے نفس الامر کے مطابق ہے، ﴿یعنی حقیقی ہے﴾

خلاصہ کلام:

بیشک تمام عقول کو جب وجود خارجی سے تعبیر کرتے ہیں تو وجود خارجی ان دو نسبتوں میں سے ایک نسبت کا ہوتا ہے، ایک ماہیت کی نسبت ظاہر وجود کے ساتھ، دوسرے ماہیت کی نسبت باطن وجود کے ساتھ لیکن ہر ایک کے حصول کا دوسرے میں دخل ہے، ﴿یعنی دونوں لازم وملزوم ہیں﴾ اور اسی لیے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ نسبت مدرکہ ایک ایسی نسبت ہے جس کی مثال خارج میں ایسی ہے جیسی حال کی نسبت محل کے ساتھ اور مکین کی نسبت مکان کے ساتھ ہوتی ہے اور مکان اور محل دونوں اعتباری ہیں، چونکہ ذات کی غیبت ناقص عقلوں کی نظر سے اوجھل ہوتی ہے اس لیے اس کون کو وجود خارجی سمجھنا اور آثار خارجیہ کو ماہیتوں پر مترتب گرداننا وہم کا تصرف ہے، اس تحقیق سے یہ بات آپ کو معلوم ہو گئی کہ

ماہیتیں وجود علمی میں علم کی محتاج ہوئیں نہ کہ فائل کی، خواہ وہ فائل ان کا موجب ہی ہو، پس شیخ محقق صدر الملۃ والدین ﴿شیخ صدر الدین﴾ قونوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین رحمۃ اللہ علیہم نے جو جعل جاعل کو افاضۂ وجود خارجی کے اعتبار سے موثر کی تاثیر سے تعبیر کیا ہے، انہوں نے ماہیتوں سے مجعولیت کی جو نفی کی ہے وہ بہت زیادہ اصل کے مطابق ہے، یہاں ایک بات باقی رہ جاتی ہے، وہ یہ کہ کون وحصول کی نسبت خواہ کسی مرتبہ کی طرف کی جائے معقولات ثانویہ میں سے ہے اور ان کے آثار میں سے ایک اثر ہے کہ جب ممکن ہوا ترتب آثار کا واسطہ ہو گیا، میں کہتا ہوں کہ کون وحصول اس نسبت سے تعبیر ہے جو ماہیت کو صفت علم سے ہے، حقیقت میں موجود وہی نسبت ہے بلکہ وہ صفت علم ہے اور بلکہ ذات حق جل شانہ ہے، اس لیے کہ صفت خارج میں عین ذات ہے، اس طرح کون خارجی سے مراد ہے ماہیت کی نسبت جو ظاہر وجود کے ساتھ ہے، اگرچہ متکلمین وجود کو عین واجب تعالیٰ نہیں سمجھتے بلکہ وہ وجود کی حقیقت کو نہیں جانتے، چنانچہ اگر وہ اس راز سے آگاہ ہو جاتے تو وجود کو وہی شئون خیال کرتے جو اس نسبت کو قبول کرنے کا واسطہ ہوئے ہیں ﴿یہی نہیں﴾ بلکہ ذات واجب تعالیٰ وتقدس سمجھتے اور وجود کو متفقہ طور پر مشترک معنوی کہتے۔

واضح ہو کہ اس بیان سے جو ہم نے پیش کیا ہے ''جعل جاعل'' ماہیتوں میں ایجاب کے طریق سے پیدا ہو گیا ہے، بیچارے حکما اور فلاسفہ نے یہ بات صحیح سمجھی ہے کہ ''واجب تعالیٰ کا علم وجود ممکن کا واسطہ ہے'' اور اس طرح آخر کار

وجود خارجی کا گمان کرلیا ہے ﴿اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے﴾ لیکن شیخ محقق صدر الملۃ والدین رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا احترام رکھنا بھی ضروری ہے تاکہ مخالفت دور ہو جائے، اے اللہ! مگر میں یہ کہتا ہوں کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس جعل کی نفی کی ہے جو ذہنوں میں متبادر ﴿جلد آنے والا ہے﴾ اور قبول علمی کے ملاحظہ کے بغیر فاعل کے ساتھ مستند ہے۔

حواشی وتعلیقات از حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین والہ واصحابہ الطاہرین اجمعین امابعد:

حمد ونعت:

تمام تعریف اس اللہ کے لیے ہے جو تمام عالموں کا پالنے والا ہے اور صلوۃ وسلام ہو سب رسولوں کے سردار ﷺ اور ان کی تمام آل واولاد اور اصحاب کرام پر، حمد اور نعت کے بعد، یہ بات ظاہر کی جاتی ہے کہ طریقت میں ہمارے شیخ ومولا اور استاد، وصول الحقیقت میں ہمارے امام، اندراج النہایہ فی البدایہ کے طریق کے رہبر، پسندیدہ دین ﴿اسلام﴾ کے موید، ہمارے مرشد شیخ باقی باللہ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے جو رباعیات مع شرح املا فرمائی ہیں، یہ تحریر ان میں سے بعض کی تشریح میں ہے، چنانچہ ان مقدس رباعیات میں وہ بعض یہ ہیں:

سبحان اللہ زہے خدائے متعال
عالی زِ تصور و مبرا زِ خیال
از نور لطافتش ضمائر مشحون
وز سر سرا یتش جہاں مالا مال

ترجمہ:

سبحان اللہ وہ ہے خدائے متعال
اس تک نہ پہنچتا ہے تصور نہ خیال
دل جلوہ گہ نور لطافت اس کا
پرتو سے ہے اس کے یہ جہان مالا مال

شرح:

یہ رباعی تنزیہ اور تشبیہ کی جامع ہے، اس کا پہلا شعر سراسر تنزیہ ہے اور دوسرا شعر تشبیہ، اس لیے جو چیز تصور سے بلند اور خیال سے پاک ہو، اس کا مقام تنزیہ ہے اور جس سے ضمائر و قلوب بھرے ہوئے ہوں اور جس میں سرایت و معیت کا تصور ہو سکے وہ مقام تشبہ کے مناسب ہے، پس یہ رباعی اپنی جامعیت کی وجہ سے حمد کے لیے نہایت موزوں ہے۔

سریان و احاطہ کا مفہوم:

جاننا چاہیے کہ خدائے تعالیٰ جل شانہ کا سریان ﴿تمام اشیا میں اس کا

سرایت کر جانا﴾ اور احاطہ﴿تمام چیزوں پر اس کا چھایا ہوا ہونا﴾ ان لوگوں کے نزدیک جو توحید وجودی کے قائل ہیں، سریان کے رنگ مراتب اعداد کے لحاظ سے واحد ہے، کیونکہ وہ حلول کے شائبہ اور اتحاد کے گمان سے پاک اور خالی ہے، اس لیے کہ حلول واتحاد کے لیے دوئی کی گنجائش ہے﴿جبکہ﴾ واحد مراتب اعداد میں عین وحدت ہے کہ تکرار کے واسطہ سے اس نے کثرت کا نام پالیا ہے، یا احاطہ کے رنگ میں وہ نقطہ جوالہ ہے خاص اس دائرہ موہومہ کے لیے جو اس نقطہ کی حرکت کی تیزی سے پیدا ہوا ہے، واللہ اعلم سبحانہ۔

قولہ قدس سرہ: ''شکر اور تعریف خداوند جلِ سلطانہ، کے لیے ہے جس کی بارگاہ عزت کا حجاب اس کے ظہورِ کے انوار و تجلیات ہیں''

شرح: ''پس پاک ہے وہ ذات جو نہایت ہی ظہور کے باوجود مخفی ہے۔

قولہ قدس سرہ: ''اور جس کی غیرت کے قبوں کے رہنے والے اس کے نور کا ظہور ہیں''

صفات بشری اولیاء اللہ کے لیے حجاب بن جاتی ہیں:

شرح: غیرت کے قبوں کے رہنے والوں سے مراد اولیا اللہ ہیں، کہ اپنی غیرت کے کمال سے اللہ تعالیٰ نے ان کو قبوں کے نیچے چھپا کر رکھا ہے اور ان بزرگوں کے قبوں سے مراد ان﴿اولیا اللہ﴾ کی بشریت کی صفات ہیں جس چیز کے محتاج اور تمام لوگ ہیں اسی کے محتاج یہ بھی ہیں، ان کی ولایت ان بزرگوں کو احتیاج کے دائرہ سے باہر نہیں کر دیتی، ان کا غصہ بھی دوسرے تمام لوگوں کے غصہ

کی طرح ہوتا ہے، جب تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے سردار ﷺ فرماتے ہیں: ”میں بھی اسی طرح غصہ کرتا ہوں جس طرح اور لوگ غصہ کرتے ہیں“ تو پھر اولیا کی کیا حقیقت ہے، اسی طرح یہ بزرگ کھانے، پینے اور اہل وعیال کے ساتھ معاشرت کے اصول برتنے اور ان سے محبت کرنے میں تمام انسانوں کے ساتھ شریک ہیں، مختلف تعلقات جو بشریت کے لیے لازمی ہیں، خواص وعوام سے زائل نہیں ہوتے اور اللہ تعالیٰ جل سلطانہ، انبیاء علیہم السلام کی شان میں فرماتا ہے: وما جعلنھم جسد لا یاکلون الطعام ﴿اور ہم نے ان کو ایسے پیکر عطا نہیں فرمائے تھے، جو کھانا نہ کھاتے ہوں﴾ کفار جو ظاہر بین تھے کہا کرتے تھے: ما لھذا الرسول یاکل الطعام و یمشی فی الا سواق ﴿یہ رسول کیسا ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے﴾ پس جس کسی کی نظر صرف ان کی صفات بشریت کے سمجھنے تک محدود رہی اور ﴿صفات بشریہ کے﴾ ان قبوں کو چاک نہ کیا وہ ان کے کمالات کی دولت سے محروم رہا، اور دنیا اور آخرت کا خسارہ اس کو حاصل ہوا اور یہ بزرگ فنا اور بقا کے بعد اس کے نور کے ظہور کے سوا اور کچھ نہیں ہیں، آیہ کریمہ: او من کان میتاً فاحییناہ و جعلنا له نوراً ﴿پس جو شخص مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندگی عطا کی اور اس کے لیے ہم نے ایک نور مختص کر دیا﴾ میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے۔

قولہ قدس سرہ: ”اگر اپنے اولیا کے باطن میں ﴿اللہ تعالیٰ﴾ کشف کے ذریعہ متجلی نہ ہوتا اور اپنے کمالات کا اظہار نہ کرتا تو اس کمال کی شہرت دنیا جہان میں کون پہنچاتا“

شرح :اس لیے کہ ممکن کو واجب تعالیٰ وتقدس ﴿اللہ تعالیٰ﴾ کی معرفت تک رسائی نہیں ہے مگر جبکہ خدائے تعالیٰ کی جانب سے اعلام ﴿خبر دینا﴾ یا الہام ﴿دل میں ڈال دینا﴾ خواہ وہ کسی واسطہ سے ہو یا بغیر واسطہ کے۔

قولہ قدس سرہ: ''اور اگر ﴿اللہ تعالیٰ﴾ علم کے لباس میں اپنا نظارہ کرنے والوں کے باطن کا حجاب نہ ہو جاتا تو اس کے جلال کے آفتاب کی تاب میں کسی چیز کا نام ونشان باقی نہ رہتا''

مرتبہ تعین ولاتعین:

شرح :یعنی اگر تعین اول سے جو کہ علمی اور اجمالی تعین ہے اور جس کو حقیقت محمدی ﷺ سے تعبیر کیا جاتا ہے، وہ متعین نہ ہوتا تو اس کا نظارہ کرنے والوں کا اس کے جلال کے انوار وتجلیات کی وجہ سے نام ونشان باقی نہ رہتا، جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے: 'ان اللہ تعالیٰ سبعین الف حجاب من نور وظلمة لو كشفت لاحرقت سبحات وجهه ما انتهى اليه بصره من خلقه، ﴿اللہ تعالیٰ کے لیے نور وظلمت کے ستر ہزار پردے ہیں اگر وہ سب کے سب اٹھ جاتے تو اس کے رخ کی تجلیات مخلوقات کو جہاں تک اس کی نظر جاتی بالکل جلا دیتی﴾ اولیا کرام رحمۃ اللہ علیہم نے مراتب شہود کی انتہا تعین اول تک بیان فرمائی ہے اور اس سے اوپر لاتعین کا مرتبہ ہے اور ان بزرگوں نے شہود کے لیے وہاں کوئی گنجائش نہیں سمجھی ہے، جاننا چاہیے کہ اگرچہ یہ بزرگ مرتبہ لاتعین میں شہود کو جائز نہیں سمجھتے، لیکن شہود سے بالاتر بہت سے مراتب ہیں جو کہ سب کے سب اس مرتبہ لاتعین میں جائز قرار دیئے گئے ہیں۔

وصول کی دہلیز:

شہود وصول کی دہلیز ہے اور وصول کے مراتب اس کے اوپر ہیں لیکن ہر شخص کی فہم کی رسائی وہاں تک نہیں بلکہ قریب ہے کہ وہ انکار کر گزریں، ہمارے ﴿حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ﴾ کے مخلصوں میں سے ایک درویش ﴿غالباً حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اپنی ذات گرامی کی طرف اشارہ ہے﴾ پر یہ حالت طاری ہوئی اور اس کی سیر مرتبہ لاتعین سے بھی اوپر تک واقع ہوگئی اور اس کو اس مقام میں ایک استہلاک ﴿فنائیت﴾ پیدا ہوا جس کے بارے میں اس نے ان ﴿حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ﴾ کی خدمت میں عرض کیا تھا، آپ نے اس کو جائز قرار دیا اور قبول فرمایا تھا، اس درویش کی سیر اس سیر سے کئی گنا زیادہ تھی جو کہ ابتدا سے تعین اول تک ہے، بلکہ اس سیر کی اس سیر سے کوئی نسبت بھی نہیں تھی، گویا دریائے بے کنار سے ایک قطرہ کا حکم رکھتی تھی، آیت کریمہ: " واللہ یختص برحمتہٖ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم " ﴿بقرہ، ۱۳﴾، ﴿اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ مخصوص کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے﴾

سوال: جب تعین اول سے اوپر مرتبہ لاتعین محض ہے تو پھر لازماً اس مقام پر امتیاز اور فرق معدوم ہو جائے گا لہٰذا اس مرتبہ میں سیر کے معنی کیا ہوں گے اور وہاں کی ابتدا اور انتہا کیا ہوگی؟

جواب: واضح رہے کہ اس سوال کا حل نہایت گہرے اسرار میں سے ہے اور عقل کی نظر کے دائرے سے ماورئٰ ہے، اس مقام کے متعلق بات کرنا

خلاف مصلحت ہے، جاننا چاہیے کہ آخرت میں جب دیدار ہوگا اس کا تعلق مرتبہ لاتعین سے ہوگا اور تعینات کے تمام پردے اٹھ جائیں گے کیونکہ اس جگہ تمام تعینات علمی ہیں خارجی نہیں ہیں اور علمی تعین ظاہری آنکھوں سے دیکھنے کے لیے پردہ بن جاتے ہیں، شہود دنیوی کے خلاف کہ وہ بھی تعین کی ایک قسم ہے اور اس کا تعلق ذہن سے ہوسکتا ہے کہ علمی تعین اس کا حجاب بن جائے، ہم دیدار آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کی کیفیت کے درپے نہیں ہوتے، اس لیے کہ عوام کی فہم اس سے قاصر ہے، اس وجہ سے نہیں کہ اس کی کیفیت معلوم نہیں، کیونکہ اولیا میں نہایت خاص الخاص لوگ اس دنیا میں اس مقام سے بہرہ یاب ہوئے ہیں، حالانکہ ہم اس کو رویت کا نام نہیں دے سکتے۔

قولہ قدس سرہ: ”آپ ﷺ وہ ہیں کہ رسولوں کے سلسلہ میں اپنوں اور بیگانوں کے لیے رحمت ہیں“

حقیقت محمدی ﷺ:

شرح: یعنی آپ ﷺ کی حقیقت جس کو وحدت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے تمام تعینات میں جاری وساری ہے، خصوصاً پوشاک رسل علیہم السلام میں کہ اس سریان کا ظہور بہت زیادہ ہے اور ضمیر کا مرجع آپ ﷺ کی حقیقت کی جانب اس اعتبار سے کیا جاسکتا ہے کہ لباس علم جس کا اوپر ذکر کیا جاچکا ہے وہ اسی حقیقت سے ایک کنایہ ہے اور اگر ضمیر کو حق سبحانہ وتعالیٰ کی جانب راجع کریں تب بھی تعین اول کے اعتبار سے یہی ہوگا کہ اس سے وہی حقیقت مراد لی جائے پس نتیجہ دونوں کا ایک

ہی ہوا، ولکل وجھۃ ﴿ہر ایک کے لیے کوئی وجہ ہے﴾

قولہ قدس سرہ: "وما رمیت اذ رمیت" ﴿انفال، ۲﴾، ﴿جب تو نے پھینکا تھا تو وہ تو نے نہیں پھینکا تھا﴾ توضیح ہے "سبحٰن الذی اسرٰی" ﴿بنی اسرائیل، ۱﴾، ﴿پاک ہے وہ ذات جو لے گیا﴾ کی"

فنائے محمدی ﷺ سے اشارہ:

شرح: ﴿حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول﴾ اشارہ ہے آپ ﷺ کی وجود امکانی سے فنائیت اور حق تعالیٰ سبحانہ کے عطا فرمائے ہوئے وجود کے ساتھ بقا کی طرف، آیت کریمہ سبحٰن الذی اسرٰی ﴿پاک ہے وہ جو لے گیا﴾ سے اسی مفہوم کی جانب اشارہ ہے، یعنی اس کو اپنے آپ سے خدائے تعالیٰ سبحانہ اپنی طرف لے گیا۔

قولہ قدس سرہ: "محمد ﷺ احمد بلا میم ہیں، ان کو خاکی انسانوں سے کیا نسبت ہے"

شرح: یعنی آپ ﷺ کی حقیقت، جس کو حقیقت محمدیہ ﷺ سے تعبیر کیا جاتا ہے، جو کہ وحدت اور احدیت جامعہ کے نام سے موسوم ہے اور احمد بلا میم سے اشارہ اسی احدیت جامعہ کی طرف ہے اور چونکہ اس تعین کو جو کہ تعینات میں سب سے پہلا ہے، ان بزرگوں نے ذات حق تعالیٰ و تقدس پر زاید اعتبار نہیں کیا ہے اور اس کی تجلی کو ذات کی تجلی کہا ہے، اسی لیے ﴿حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ﴾ فرمایا ہے۔

قولہ قدس سرہ: "وہ در یتیم ہیں ﴿یعنی یگانہ ہیں﴾"

شرح: کہ اپنے مانند نہیں رکھتے اور اس اعتبار سے ﴿حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے﴾ فرمایا

کہ کوئی ان کی نظیر نہیں ہے اور دریتیم کی وضاحت کے لیے آیت کریمہ: لیس کمثلہ شئی ﴿شوریٰ، ع، ۲﴾، ﴿اس کے مانند کوئی چیز نہیں ہے﴾ لائے۔

قولہ قدس سرہ: وھو السمیع البصیر ﴿شوریٰ، ع: ۲﴾، ﴿وہ سنتے ہیں اور دیکھتے ہیں﴾ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ ان پر اور ان کی آل پر اور اصحاب پر اور ان سب پر بے حد و بے حساب سلامتی ہو"

شرح: اور ہوسکتا ہے کہ حق تعالیٰ کے اس قول 'وھو السمیع البصیر' کا لانا تنزیہ صفاتی کی طرف اشارہ کی غرض سے ہو، جیسا کہ 'لیس کمثلہ شئی' سے اشارہ تنزیہ ذاتی کی طرف ہے۔

قولہ قدس سرہ: "حمد و نعت کے بعد بیان کیا جاتا ہے کہ چونکہ یہ بات دیکھنے میں آتی تھی کہ بعض اہل زمانہ"

شرح: اس مقدس گروہ کے زمرہ میں ' خود کو داخل کر کے ان کے کلمات اور ان کے مطالب کی وضاحت پیش کرتے ہیں اور چونکہ یہ لوگ ناقص اور بے عمل ہوتے ہیں اس لیے لازماً،

قولہ قدس سرہ: "وہ لوگ پستیِ فطرت، قلت استطاعت اور ارباب معرفت کے حقائق کو سمجھنے میں کوتاہی کے سبب صوفیا کے مقدس گروہ کے مقاصد عالیہ کو دوسری شکل دے کر ان کی عبارتوں اور ان کے الفاظ کو حتی الامکان اپنے تحریف کئے ہوئے مفہومات پر ڈھال لیتے ہیں"

صوفیائے خام کی غلطیاں:

شرح: مثلاً مشائخ قدس اللہ اسرارہم کی عبارتوں میں الفاظ فنا، استہلاک، اضمحلال واقع ہوئے ہیں، انہوں نے ﴿ان الفاظ سے﴾ فنا اور استہلاک وجودی سمجھ لیا ہے اور خیال کیا ہے کہ چونکہ وحدت سے کثرت میں تنزل واقع ہوا ہے اس لیے دوسری مرتبہ یہ کثرت کلی طور پر یا اس کا کچھ حصہ عروج کر کے اس وحدت میں فانی اور مستہلک ہو جائے گا ان قطروں کی طرح جو دریا سے جدا ہو گئے ہوں اور پھر لوٹ کر دریا سے ملحق ہو جائیں اور مل کر ایک ہو جائیں اور اس جماعت میں سے میں نے ایک صاحب کو دیکھا کہ وہ اس مطلب کے لیے بطور شہادت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر پیش کرتا تھا ؎

جامی معادو مبدأما وحدت ست و بس
مادرمیانہ کثرت موہوم والسلام

ترجمہ:

ہے ابتدا بھی وحدت اور انتہا بھی وحدت
موہوم ہے یہ جامی تو دیکھتا ہے کثرت

﴿یعنی اے جامی ہمارا سب کا معاد اور مبدا دونوں ایک ہی ہے﴾ ﴿یعنی ذات واحد ہے﴾ اور ہم مبدا و معاد کے درمیان میں ایک موہوم کثرت کی حیثیت رکھتے ہیں﴾

ایسا ہرگز نہیں ہے کہ مشائخ کی مراد فنا اور استہلاک سے فنا اور استہلاک وجودی ہو کہ یہ چیز تو سراسر الحاد اور زندقہ اور خصوصیت سے عذاب و ثواب دائمی اور اخروی کا

انکار ہے اور واقع کے خلاف ہے، کسی شخص نے نہیں دیکھا کہ ان ارباب فنا و استہلاک کے وجود یا توابع وجود سے کوئی شے کم ہوئی ہو، وہ لوگ بھی دوسرے تمام لوگوں کی طرح خوراک اور پوشاک کے محتاج ہیں، وہ لوگوں سے ملتے جلتے بھی ہیں، ان کا غصہ بھی اور لوگوں کے غصے کی طرح ہوتا ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”انما انا بشر مثلکم اغضب کما یغضب البشر“ ﴿میں ایک بشر ہوں جس طرح کہ تم بشر ہو مجھ کو اسی طرح غصہ آتا ہے جس طرح کسی اور بشر کو غصہ آتا ہے﴾ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

فنا سے مراد:

بلکہ الفاظ فنا اور استہلاک سے ان بزرگوں کی مراد فنا اور استہلاک شہودی ہے یعنی کثرت تمام کی تمام نظر سے چھپ جاتی ہے اور سوائے ایک کے اور کوئی شے بھی مشہود نہیں رہتی، اسی طرح احاطہ، سریان، قرب اور معیت کے الفاظ ہیں جو مشائخ کی عبارتوں میں واقع ہوئے ہیں، ان کے بھی یہ حضرات تحریف شدہ مفہومات لیتے ہیں اور احاطہ اور قرب کے رنگ میں اجسام اور عوارض سمجھ بیٹھتے ہیں اور ﴿نتیجتاً﴾ حلول اور اتحاد میں جا پڑتے اور عیسائیوں میں جا ملتے ہیں، یہ نہیں سمجھتے کہ اس ذات سبحانہ وتعالیٰ کا احاطہ اور قرب، محیط اور قرب کے رنگ میں بے چون و بیچگون ﴿بے کیف﴾ ہے اور قرآن مجید کے متشابہات کی قسم سے ہے جس کی تاویل سوائے حق سبحانہ وتعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا اور جو کچھ ہماری فہم ناقص میں آتا ہے اس سے حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ پاک اور منزہ ہے، جاننا چاہیے کہ شہود

اور کشف سے بعضے صوفیا جو معنے نکالتے ہیں اس کی اصل ان ذہنوں میں ہوتی ہے جو خدائے تعالیٰ کے پیکر محسوس ہونے کے قائل ہیں، اس سے بھی اجتناب کرنا چاہیے، ہم ایمان لاتے ہیں اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں پر محیط ہے، وہ ان کے قریب ہے، لیکن ہم نہیں جانتے کہ احاطہ اور قرب کا ﴿حقیقی﴾ مفہوم کیا ہے، احاطہ اور قرب علمی بھی کہنا متشابہات میں ایک طرح کی تاویل کرنا ہے، اس لیے ہم یہ بات بھی جائز نہیں سمجھتے اور اس کا علم بھی حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں "ھذا ھو الطریق الا سلم والا حکم واللہ سبحانہ الملھم" ﴿یہ وہ طریقہ ہے جو سب سے زیادہ سلامت اور مستحکم ہے اور اللہ ہی دل میں بات ڈالنے والا ہے﴾

> **قولہ** قدس سرہ: "ان مدعیوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو ان چند فاسد اصولوں کی وجہ سے جو ان کے خودساختہ ہوتے ہیں بعض اعلیٰ مقاصد کی غلط سلط تاویل کی بھی قابلیت نہیں رکھتے اس لیے اعتراض اور تنقیص پر اتر آتے ہیں"

وصول نہایۃ النہایۃ:

شرح: مثلاً اس جماعت نے اپنی طرف سے ایک اصطلاح بنائی ہے اور طریق وصول نہایۃ النہایۃ میں تین مراتب قائم کر کے ان کو تین کشف قرار دیا ہے۔

① ...... حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کی تجلی جو سالک پر عالم شہود کی صورتوں اور شکلوں کے پردے میں ظاہر ہوتی ہے اس کو انہوں نے کشف ملکوت کا نام دیا ہے۔

②…… وہ تجلی کہ جو عالم مثال کی صورتوں اور شکلوں کے پردے میں ظاہر ہوتی ہے اور عالم مثال و عالم شہادت سے زیادہ لطیف ہے اس کو کشف جبروت کہتے ہیں اور ان مثالی صورتوں کو اعیان ثابتہ کہتے ہیں اور ان کا نام اللہ تعالیٰ کی صفات قرار دیتے ہیں ان کو ہی ممکنات کے حقائق سمجھتے ہیں اور عالم شہادت کی ان صورتوں کو ان مثالی صورتوں کا عکس جانتے ہیں، کیونکہ انہوں نے سن رکھا ہے کہ مشائخ رحمہم اللہ نے فرمایا ہے: ''ممکنات کے حقائق اعیان ثابتہ ہیں'' اور اسی سے یہ لوگ گمان کرنے لگے ہیں کہ حق تعالیٰ کی علمی صورتیں ﴿صور علمیہ﴾ جن کو اعیان ثابتہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، محسوس شکلوں ﴿صور محسوسہ﴾ کے رنگ میں اسی قد و قامت، اسی خد و خال، اسی کان و ناک اور اسی سر اور چہرہ کے ساتھ موجود ہیں، لازمی طور پر وہ صورتیں جن کا مشاہدہ انہوں نے عالم مثال میں کیا ہے ان کے متعلق ان لوگوں نے گمان کر لیا ہے کہ وہ اعیان ثابتہ ہیں اور یہ صورتیں ان کا ہو بہو عکس ہیں، وہ حضرات یہ بات نہیں سمجھتے کہ اس گروہ کی مراد یہ ہے کہ حقائق علمیہ میں سے اگر ایک حقیقت خارج میں ظاہر ہو جائے تو وہ ایک مخصوص ہیئت اور معین شکل کی ہو گی اور جو تمام خارجی حقیقتوں اور مظاہر سے پوری طرح امتیاز رکھتی ہو گی نہ یہ کہ کان اور ناک بجنسہٖ وہاں سے آئے ہیں۔

③ ...... اور کشف سوم کو کشف ذات کا نام دیا جاتا ہے اس کو بے کیف بھی کہتے ہیں اور اس سے مراد حق سبحانہ وتعالیٰ کی تجلی ہے جو نور کے بے رنگ پردے میں تمام عالم کا احاطہ کیے ہوئے ہے، کبھی اس نور کی مثال صبح کی روشنی سے دیتے ہیں اور اس نور کے شہود کو ذات بے کیف کا مشاہدہ خیال کرتے ہیں، اس کے لیے وہ ایک اصطلاح ''رویت بصری'' بھی تجویز کرتے ہیں بلکہ اسی کو واقع سمجھتے اور اس نور کے ظہور کی انتہا خیال کرتے ہیں اور جن اکابر طریقت نے اپنی انتہا کی خبر دی ہے، چونکہ ان لوگوں کے خیال میں وہ مقام نہایت نہیں ہے لہذا وہ ان اکابر کی تنقیص کرتے اور ان پر زبان طعن وتشنیع دراز کرتے ہیں اور بقا کا مقام جس کو مشائخ نے مقام "بی یسمع و یبصر" ﴿میرے ذریعہ سے سنتا اور دیکھتا ہے﴾ کہا ہے، وہ اس جماعت کے نزدیک ان کا پہلا کشف ہے اور اس زعم میں صاحب بقا اولیا کے انتہائی درجہ کو اپنا ابتدائی درجہ کہتے ہیں۔

غلط فہمی کی وجہ:

وہ نہیں جانتے کہ بے رنگ نور تجلی صوری میں داخل ہے جس کے اوپر تجلی معنوی ہے جو تجلی صفات ہے، تجلی ذات تو اس سے بھی بہت بلند ہے اور اکابر کو یہ بقا تجلی ذات کے بعد حاصل ہوتی ہے، اپنے زعم فاسد میں یہ لوگ اکابر اولیا میں سے

بعض کو اپنے کشف ملکوت کے مقام میں سمجھتے ہیں اور بعض کو مرتبہ کشف جبروت میں اور مرتبہ کشف ذات کو جو کہ ان کا کشف سوم ہے، معلوم نہیں کس کے لیے وہ ثابت کرتے ہیں اور خود کو اسی دولت کے ساتھ ممتاز سمجھتے ہیں، "کبرت کلمة تخرج من افواھھم" ﴿کہف، ۵﴾ "واللہ سبحانہ اعلم بحقیقة الحال" ﴿یہ بات نہایت سخت اور سنگین وگراں ہے جو وہ اپنی فضول گوئی سے ادا کرتے ہیں "یعنی چھوٹا منہ بڑی بات" بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی حقیقت حال کو سب سے زیادہ جانتا ہے﴾

قولہ قدس سرہ: "اور ظاہر کا باطن میں سرایت کر جانا"

شرح : یعنی سرایت کر جانا ظاہر وجود کا کہ خارج میں جس کے سوا کچھ نہیں جانتے کہ جس سے مراد اعیان ثابتہ ہے اور جس کا علمی ثبوت ان کے پاس موجود ہے۔

دوسری رباعی:

گویند وجود کون، کون است و حصول
نورے بجز از کون نہ کردہ است قبول
واللہ کہ دریں پردہ لسان الغیب است
برطبق قواعد است و بروفق اصول

ترجمہ:

کہتے ہیں وجود کون، ہے کون و حصول
نور بجز کون نہیں کرتا قبول
واللہ ہے لسان غیب پردے میں نہاں

ہے یہ مطابق قواعد و جملہ اصول

شـــرح: متکلمین نے فرمایا ہے کہ وجود، کون، حصول اور ثبوت یہ سب مترادف الفاظ ہیں، لہذا وجود کے معنی کون وحصول سے زیادہ کچھ نہیں ہیں۔

تیسری رباعی:

بشناس کہ کائنات رود رعدم اند
بل در عدم ایستادہ ثابت قدم اند
ویں کون معلق از خیال و وہم است
باقی ہمگی ظہور نور قدم اند

ترجمہ:

تو جان لے یہ خلق ہے مائل بہ عدم
یعنی کہ عدم میں ہی جمائے ہے قدم
یہ کون، ہے کیا چیز؟ محض وہم و خیال
باقی ہے سبھی یہ مظہر نور قدم

''ان دونوں رباعیوں کی غرض وغایت میں یہ اظہار کرنا ہے کہ سوائے حق تعالیٰ کے کوئی شے بھی علم میں ہونے کے علاوہ اپنا وجود نہیں رکھتی اور خارج میں سوائے واجب تعالیٰ وتقدس کے کوئی چیز بھی حقیقی طور پر موجود نہیں ہے، عقلا اور فلاسفہ، کون وحصول ﴿وجود﴾ کو جو ماسوٰی کے ساتھ منسوب کرتے ہیں اور ﴿وجود ذات

باری تعالیٰ کے علاوہ﴾ ان چیزوں کو خارج میں موجود اور ثابت گردانتے ہیں، یہ ان کا محض وہم اور خیال ہے، پس وہ کون ﴿وجود﴾ جو عقلوں کے اعتبار سے ان اشیا کے ساتھ منسوب ہوتا ہے حقیقت میں ایک ایسا کون ہے جو وجود و ثبوت کے بغیر معلق ہے یعنی وہ محض عقل کا درک و ادراک ہے اور اس کا وجود اصلی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، چنانچہ جن لوگوں کی عقل اور سمجھ ناقص و خام ہے وہ اس صورت کو جو آئینہ میں منعکس ہوتی ہے، آئینہ کے اندر موجود سمجھ بیٹھتے ہیں''

شرح: اور حالانکہ آئینے میں کوئی موجود نہیں ہوتا اس لیے کہ صورت کا وجود یا تو آئینہ کی تہ میں ہوگا یا آئینہ کی سطح پر اور بلاشبہ ہمیں علم ہے کہ کوئی صورت بھی آئینے کے اندر داخل نہیں ہوئی ہے اور اسی طرح ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ آئینے کی سطح پر بھی کوئی ایسی صورت موجود نہیں ہے ورنہ وہ آئینے کے چہرے یعنی سطح کو چھپا دیتی، پس آئینے میں صورت کا وجود خالص وہم ہوا۔

قولہ قدس سرہ: ''اور یہ جو متکلمین، ممکنات کے وجود کو کون و حصول کہتے ہیں یہ ایک ایسی بات ہے جو واقع کے عین مطابق ہے اور اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ ممکنات کا وجود اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ علم میں موجود ہوں کیونکہ جب آثار خارجیہ کے ترتب کا واسطہ کون و حصول کے سوا اور کچھ نہیں ہے تو لازم آتا ہے کہ کون و حصول بھی خالص وہم ہو، اس لیے کہ کون و حصول بھی تو آثار

خارجیہ میں سے ایک اثر ہیں"

شرح: یعنی جبکہ آثار خارجیہ کے ترتب کا واسطہ سوائے کون وحصول کے اور کچھ نہیں ہے اور کون وحصول بھی آثار خارجیہ میں سے ایک اثر ہے تو لازم آتا ہے کہ کون وحصول خالص وہم ہو، اس لیے کہ آثار خارجیہ خارج میں اللہ تعالیٰ کی عین ذات ہے، کیونکہ انہوں نے خارج میں سوائے خالص احدیت کے کسی چیز کو موجود نہیں سمجھا ہے کہ جو اپنی خالص بے رنگی پر ہے اور آثار خارجیہ کے درمیان ایک دوسرے سے الگ سوائے وہمی امتیاز کے اور کوئی امتیاز نہیں ہے پس لازماً کون و حصول خالص وہم ہوگا اور ممکنات جو اسی کون وحصول کی وجہ سے موجود ہیں ﴿ان کے بارے میں سمجھا جائے گا﴾ وہ سوائے علم میں ہونے کے کوئی وجود وثبوت نہیں رکھتے" هـكـذا ينبغي ان يفهم المر ادمن هذه العبارة كما لا يخفى على الـفـطـن " ﴿اور اس عبارت کی مراد کو اسی طرح پر سمجھنا چاہیے جیسا کہ سمجھ دار آدمی پر اس کو پڑھنے کے بعد پوشیدہ نہیں رہتا﴾

صوفیا اور علما کے کلام کے درمیان موافقت:

اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت دے، یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ اس بیان سے کسی کو غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے اور وہ یہ نہ کہنے لگے کہ اگر خارج میں خالص احدیت کے سوا اور کچھ نہ ہو اور کثرت کا وجود خارج میں صرف تخیل اور توہم کی بنا پر ہو تو لازم آتا ہے کہ ماہیات اور آثار جو ان پر مترتب ہوتے ہیں وہم و خیال کے ہٹتے ہی خود ختم ہو جائیں اور یہ خیال الحاد و زندقہ ہے کیونکہ میں کہتا

ہوں کہ یہ وہم اور خیال حق تعالیٰ کی ایجاد سے پیدا شدہ ایک چیز ہے اور ایسی مضبوطی اور استواری کے ساتھ قائم ہو چکا ہے کہ ہر چند وہم کرنے والوں کا وہم ہٹ جائے لیکن اس کے زوال اور خاتمہ کا کوئی احتمال نہیں ہے، آیت کریمہ: ”صنع اللہ الذی اتقن کل شئی “ ﴿النمل، ع:۷﴾، ﴿یہ اللہ تعالیٰ کی صنعت ہے کہ ہر چیز کو مضبوط بنا رکھا ہے﴾ اس حقیقت کی شاہد ہے، ان بزرگوں کے نزدیک چیزوں کی تخلیق بھی خارج میں مرتبہ وہم وخیال میں اشیا کی علمی صورتوں کے اظہار سے عبارت ہے، لہذا وہم کے ہٹنے سے وہ کس طرح ختم ہو سکتی ہے، اس گروہ کی سی مشابہت بنانے والے بعض نافہم و نارسیدہ لوگ باوجود یہ کہ وہ وحدت الوجود کے قائل ہیں کثرت کو موہوم نہیں سمجھتے اور لفظ وہم سے پرہیز و اجتناب کرتے ہیں، بلکہ وہم کہنے والوں پر طعن کرتے ہیں، ان کو معلوم نہیں کہ وحدت الوجود مان لینے کی صورت میں کثرت کو موہوم کہنے کے سوا چارہ نہیں ہے۔

حاصل کلام:

حاصل کلام یہ ہے کہ وہم کے ارتفاع سے اشیا کے عدم ارتفاع کی تدبیر ہونی چاہیے، تاکہ ﴿یہ عقیدہ﴾ الحاد اور زندقہ کی صورت اختیار نہ کرے اور وہ تدبیر حق تعالیٰ کی صنعت سے استناد ہے جس سے اشیا میں کمال استواری ہے، پس پتہ چلا کہ یہ موہوم عدم ارتفاع کے اعتبار سے موجود کے رنگ میں ہے، بقا کے اعتبار سے موہومِ قوی کی وہی حیثیت ہے جو موجود ضعیف کی، پس صوفیا اور علما کے درمیان نزاع محض لفظی ہے، صوفیا عالم کو موہومِ قوی کہتے ہیں، جو وہم کے ختم ہو

جانے سے ہرگز ختم نہیں ہوتا اور علما عالم کو موجود ضعیف سمجھتے ہیں اور ارتفاع کے گمان کی وجہ سے لفظ وہم سے پرہیز کرتے ہیں "لمظنة الارتفاع فليس النزاع بينهم فی الحقيقة" ﴿اگر قیاسی اور وہمی باتوں کو چھوڑ دیں تو ان کے درمیان حقیقت میں کوئی نزاع نہیں ہے﴾ وحدت الوجود کے ماننے والوں کے شیخ الرئیس یعنی شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اس وہم کے عدم ارتفاع میں بے انتہا مبالغہ سے کام لیتے ہیں اور اس کا رفع ہونا کسی طرح سے بھی جائز نہیں سمجھتے اور ناقص لوگوں کی ایک جماعت جو خود کو ان کا پیرو سمجھتی ہے ان کے مقصد کو نہ پا کر اس وہم کے رفع کی قائل ہوگئی اور ایک عالم کو الحاد و زندقہ میں مبتلا کر دیا، چنانچہ ان میں سے بہت تھوڑا سا حصہ اوپر بیان کر دیا گیا ہے، جن لوگوں نے ان کے مقصد کو سمجھ لیا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ فصوص اور فتوحات مکیہ کا مطالعہ شریعت کی متابعت میں اضافہ کرتا اور شریعت کی اتباع پر دلالت کرتا ہے "فعلوم هذه الطائفة كنيل مصر ماء للمحبوبين و بلاء للمحجوبين" ﴿پس اس گروہ کے علوم مصر کے دریائے نیل کی طرح ہیں کہ محبوبوں کے لیے وہ پانی ہے اور محجوبوں کے لیے وہ بلا ہے﴾

ایک مثال:

جاننا چاہیے کہ اس مسئلہ میں علما و صوفیا کا یہ اختلاف ان دو شخصوں کے اختلاف کی طرح ہے جو وہ آئینے میں منعکس ہونے والی صورت کے بارے میں رکھتے ہیں، بلاشبہ وہ دونوں اس صورت کی جو اس آئینے میں محسوس ہے کینونت ﴿وجود﴾ پر اتفاق رکھتے ہیں اور یہ بھی دونوں جانتے ہیں کہ خواہ وہم کرنے والوں کا

وہم ختم ہو جائے پھر بھی آئینے میں اس صورت کی بقا اس وقت تک ہے جب تک وہ صورت موجود ہے جس کی وہ شبیہ ہے اور آئینہ بھی موجود ہے اور دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے موجود ہیں، اس کے باوجود ان دونوں شخصوں میں سے ایک اس کینونتِ محسوسہ کو مرتبہ وہم میں مانتا ہے اور خارج میں اس کے وجود کا قائل نہیں ہوتا اور دوسرا شخص اس کینونت و وجود کو دیکھ کر اس کو موجود سمجھتا ہے اور موہوم کہنے سے پرہیز کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر اس صورت کا ثبوت خالص وہم ہوتا تو وہم کے ہٹتے ہی وہ صورت بھی ختم ہو جاتی اور جب یہ بات نہیں تو وہ بھی نہیں، پس معلوم ہوا کہ ان دو شخصوں کی نزاع لفظی ہے، معنوی اعتبار سے دونوں کا اتفاق ہے۔

سوالات و جوابات:

سوال :اگر کہیں کہ صوفیا کثرت کو اس کی بقا اور اوہام کے ارتفاع کے ساتھ اس کے عدم ارتفاع کے باوجود موہوم کیوں کہتے ہیں؟

جواب :میں کہتا ہوں کہ یہ کثرت عروج کے وقت ان کی نظر سے محو ہو جاتی ہے اور یہ ان کے شہود میں قرار اور استقامت نہیں رکھتی اور مشہود واحد کے سوا کچھ نہیں رہتا، مجبوراً اس مقام میں وہ وہم کے طلاق کو مناسب سمجھتے ہیں اور اس کو موہوم قرار دیتے ہیں ﴿اس کے برعکس﴾ علما چونکہ اس کثرت کو ہمیشہ موجود پاتے ہیں ﴿وہ اس کو قائم و موجود سمجھتے ہیں لہذا اس پر وجود کا اطلاق کرتے ہیں ''ولکل وجهة'' ﴿ہر ایک کا میلان جداگانہ ہے﴾

سوال: جب صوفیا کے نزدیک کثرت موہوم ہوئی تو آثار خارجیہ بھی

موہوم ہو جائیں گے اور ان کا وجود باقی نہیں رہے گا اور وجود آثار کا انکار سفسطہ ہے اور آگ کی گرمی اور پانی کی ٹھنڈک کی طرح امور بدیہہ کا انکار ہے۔

جواب: میں کہتا ہوں کہ تم نے وہم کے معنی ابھی تک نہیں سمجھے یہ وہ امور موہوم ہیں جن کا وجود اور ثبوت خارج میں محسوس ہوتا ہے اور اوہام کے ختم ہو جانے کے ساتھ خارج میں ان کا ختم ہو جانا محال ہے لہذا علما ان کو موجود جانتے ہیں اور صوفیا کا کثرت پر وہم کا اطلاق کرنا ان کی اپنی نظر سے اس کثرت کے مرتفع ہو جانے کی بنا پر ہے، نہ یہ کہ وہ خالص وہم وخیال ہے کہ جو وہم وخیال کے ہٹ جانے سے بالکل معدوم ہو جائے جیسا کہ سوفسطائیہ کا خیال ہے۔

سوال: صوفیا کرام عالم کو عین ﴿ذات﴾ حق تعالیٰ سمجھتے ہیں ﴿ایسی صورت میں﴾ ثواب اور عذاب کے کیا معنی ہوئے؟ اور ثواب پانے اور عذاب بھگتنے والا کون ہوا؟

جواب: میں کہتا ہوں کہ وہ لوگ عین حق جل وعلا کو اس کے ظہورات کے تنوع کے اعتبار سے جانتے ہیں نہ یہ کہ وہ ﴿عالم کو﴾ عین ذات باری تعالیٰ کہتے ہوں، اگرچہ ان کی بعض عبارتوں سے یہ معنی بھی وہم میں آتے ہیں لیکن وہ ان کے مقصود کے خلاف ہیں کیونکہ ان سے الحاد وزندقہ لازم آتا ہے، یہ عینیت اس طرح کی عینیت ہے جیسا کہ کوئی آدمی کسی شخص کے سایہ کو اس اعتبار سے عین وہی شخص کہہ دے کہ اس شخص کا ظہور اس سایہ کی شکل میں ہو رہا ہے، پس اس معنیٰ میں عینیت عذاب وثواب کے منافی نہیں ہوتی۔

یہ جواب ایک مثال کے ذریعے واضح ہو جاتا ہے، مثلاً کسی آدمی کا سایہ اس سے دراز ہو جائے، تاہم اس میں شبہ نہیں کہ یہ سایہ اس شخص کی صورت پر ہے، اس کے باوجود فرض کیا کہ اگر وہ آدمی اپنی صفات بھی انعکاس کے طریقے پر اس سایے کو عطا کر دے تو وہ سایہ بھی اس شخص کی طرح زندہ، عالم، قادر، لذت پانے والا اور دکھ درد محسوس کرنے والا ہو جائے گا، اب اگر بالفرض اس سائے کو طرح طرح کی تکلیفوں میں مبتلا کر دیا جائے یا مختلف عذابوں کا مورد بنایا جائے تو بلا شبہ ان تکلیفوں اور عذابوں میں سے کوئی بھی اس شخص پر عائد نہیں ہوگا، اسی طرح یہ معاملہ ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ ﴿کی ذات﴾ میں لذت والم متحقق نہیں ہیں، تو ایسی صورت میں ظلیت کے قائدے سے ممکن کے اندر یہ لذت والم کہاں سے آئے؟

جواب: میں کہتا ہوں کہ لذت والم مختلف قسم کے ادراک ہیں کیونکہ لذت سے مراد طبیعت کے موافق چیزوں کا ادراک ہے اور الم طبیعت کے مخالف چیزوں کا ادراک ہے اور ادراک علم ہی کا نام ہے، غرض کہ ان اقسام کے علم کو ظہور کے مرتبوں اور ممکنات کے آئینوں میں پیدا کیا ہے، اصل کے مرتبے میں ایسی کوئی قسمیں نہیں ہیں اور بہت دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی شخص کا چہرہ آئینے میں لمبا دکھائی دیتا ہے باوجودیکہ اس شخص کے چہرے میں وہ صفت موجود نہیں ہوتی۔

سوال: علما اور صوفیا کے مابین نزاعِ معنوی ہے اس لیے کہ صوفیا ہمہ اوست سمجھتے ہیں اور علما ہمہ از اوست کے قائل ہیں۔

جواب: میں کہتا ہوں کہ اس سوال کا حل تیسرے سوال کے حل میں

تفصیل سے ذکر ہو چکا ہے، اس لیے کہ ہمہ اوست کہنا اس کے ظہور کے تنوعات کے اعتبار سے ہے نہ اس لیے کہ فی الحقیقت عین وہی ہے اور اس میں شک نہیں کہ اس کے ﴿اللہ تعالیٰ کے﴾ جملہ مظاہر اسی سے ہیں، لہذا ہمہ اوست اور ہمہ از اوست کے معنی ایک ہوئے، لفظ میں فرق نظر کے اعتبار سے ہے لیکن اس قول میں میں علما کا ہمنوا ہوں کیونکہ وہ تنزیہ کے زیادہ مناسب، تقدیس کے زیادہ موافق، شکوک وشبہات کے وارد ہونے سے سب سے زیادہ محفوظ اور ثابت قدمی میں سب سے زیادہ محکم و مضبوط ہے ﴿مجھے﴾ ہر شریف اور کمینے کے ظہور کو عین ذاتِ خداوندی کہنا نہایت شاق وگراں گزرتا ہے۔

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

سوال: صوفیا عالم کو اس واجب جل سلطانہ ﴿اللہ تعالیٰ﴾ کے اسماو صفات کا ظہور سمجھتے ہیں اور اس تعالیٰ شانہ' کے اسماوصفات کا ظل ﴿سایہ﴾ کہتے ہیں اور اس سبحانہ تعالیٰ کے کمالات کے آئینے تصور کرتے ہیں، بخلاف علما کے کہ وہ ان باتوں کے قائل نہیں ہیں اور اس طرح کے اطلاق کو جائز نہیں سمجھتے لہذا اس مسئلہ میں دونوں فریقوں کی نزاع معنوی اعتبار سے ثابت ہوتی ہے۔

جواب: میں کہتا ہوں کہ علما اس بارے میں خاموش ہیں اور اس کے جواز اور عدم جواز سے کوئی تعرض نہیں کرتے، سوائے اس صورت کے جبکہ موہوم، مقصود کے خلاف ہو جائے اور حلول واتحاد کا شائبہ پیدا ہوتا ہو، علما کا کہنا ہے:

"عالم وہ ہے جس سے صانع کا علم ہو سکے"

اس عبارت میں دونوں معنی کا احتمال ہے، اگر ہم اس کو تنزلات سمجھیں تو اس کیلئے بھی گنجائش نکلتی ہے اور اگر اس کا ظل اور آئینہ کہیں تو اس کا بھی اس پر اطلاق ممکن ہے لیکن یہ سب اس طریقے پر ہونا چاہیے کہ وہ حلول کے شائبہ اور اتحاد کے وہم سے پاک ہو۔

سوال: صوفیائے کرام میں سے بعض کہتے ہیں کہ عالم کو بقا نہیں ہے اور یہ ہر لمحہ عدم میں چلا جاتا ہے اور دوسرے لمحہ اسی کے مثل وجود میں آجاتا ہے اور اسی طرح وہ مثل بھی تیسرے لمحے عدم میں پہنچتا اور دوسرے لمحے والے کے مثل چوتھے لمحے میں پھر وجود پذیر ہوتا ہے "ھکذا الی ماشاء اللہ تعالیٰ" ﴿اسی طرح عدم و وجود کا سلسلہ جاری ہے اور جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا جاری رہے گا﴾

مسئلہ تجدد امثال:

جواب: میں کہتا ہوں کہ یہ بقا تجدد امثال کے سبب سے ہے جو حکما بقائے عین کے منافی نہیں ہے اور اس عین پر اور آثار کے مرتب ہونے سے اس کا کچھ اختلاف نہیں ہے، چنانچہ متکلمین کے نزدیک اعراض کی بقا تجدد امثال سے ہی ہے، بس موہوم چیزوں کے زوال کی طرح اس موقع ومحل پر ارتفاع وزوال کا حکم لگانا صحیح نہ ہوا، پس خوب سمجھ لیجئے، یہ معرفت اس فقیر کو عروج کے وقت بھی حاصل ہوئی تھی اور نزول کے وقت بھی، عروج کے وقت اس موقع پر حاصل ہوئی تھی جبکہ کثرت در شہود زوال کے قریب پہنچ چکی تھی، لیکن کلیتاً زائل نہیں ہوئی تھی، اس وقت کبھی یہ خیال ہوتا تھا کہ کثرت نظروں سے غائب ہو کر گویا معدوم ہوگئی ہے اور کبھی یہ وہم

ہوتا تھا کہ وہ اپنی اصل حالت پر ہے اور کثرت کی آمد و شد کا یہ تخیل اس سرعت و تیزی کا حامل تھا کہ ہر وقت یہ گمان ہوتا تھا کہ کثرت ایک لمحہ میں عدم میں چلی جاتی ہے اور دوسرے لمحہ میں اس کی مثل وجود میں آ جاتی ہے حالانکہ فی الحقیقت نہ کوئی چیز عدم میں جاتی تھی اور نہ اسی طرح کی کوئی شے وجود میں آتی تھی ، بلکہ ایک لمحے کے لیے نظر سے چھپ جاتی تھی اور دوسرے لمحہ پھر نظر کے سامنے آ جاتی تھی ، جب تمام اشیا نظر سے اوجھل ہو گئیں یہ نظارہ بھی ختم ہو گیا اور پتہ چلا کہ اس معرفت کی بنیاد محض تخیل پر تھی اور بوقت نزول یہ حالت اس وقت ہوئی جب عالم کی طرف رجوع واقع ہو گیا تھا اور اشیا نظر آنے لگیں تھیں لیکن انہوں نے قرار و ثبات اختیار نہیں کیا ، کبھی چیزوں کا مشاہدہ ہوتا اور کبھی وہ چھپ جاتیں ، اس وقت بھی وہ معرفت تخیلی طور پر ہوئی تھی اور اب یقین کے ساتھ معلوم ہو گیا ہے کہ اس معرفت کی بنیاد خالصتاً تخیل پر تھی'' واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل '' ﴿احزاب، ع:۱﴾ ، ﴿اور اللہ حق بات ہی فرماتا ہے اور حق کی جانب رہبری و ہدایت کرتا ہے﴾

تنبیہ :

گزشتہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ صوفیا کے نزدیک کثرت اگرچہ موہوم ہے تاہم نفس الامر کے مطابق ہے ، کیونکہ جو موہوم نفس امر کے منافی ہوتا ہے ، وہ ہے جو وہم کے ارتفاع کے ساتھ ہی مرتفع ہو جاتا ہے ، لیکن یہ موہوم اس قسم میں سے نہیں ہے ، چنانچہ تفصیل اوپر گزر چکی ہے ، کثرت نفس الامر کیوں نہ ہوگی؟ جن چیزوں کو انہوں نے عقل فعال میں مرتسم کہا ہے وہ ان کو نفس الامری سمجھتے ہیں حالانکہ

خود عقل فعال خالص اعتباری ہے اور اس کا وجود اسلامی قاعدوں کے دستور پر ثابت نہیں ہوا اور یہ کثرت واجب الوجود ﴿تعالیٰ وتقدس﴾ کے علم میں ثبوت رکھتی ہے، اس لیے بدرجہ اولیٰ نفس الامری ہوئی'' والله سبحانه اعلم بحقيقة الحال '' ﴿اور اللہ پاک ہے وہی حقیقت حال کو سب سے زیادہ جانتا ہے﴾

سب تعریف اسی اللہ ہی کے لیے ہے جس نے مجھے دو گروہوں کے درمیان جو آپس میں اختلاف رکھتے ہیں اصلاح اور صلح کا ایک ذریعہ و واسطہ بنایا اور ان کے کلام کے درمیان موافقت و مطابقت پیدا کرنے کی استعداد دی نیز ان پر جو اعتراض وارد ہوتے ہیں ان کو رد کرنے پر قدرت عطا کی، دونوں گروہوں کے مقصد کا علم عنایت فرمایا، مجھے دو دریاؤں کے درمیان برزخ کی حیثیت ودیعت فرمائی اور دونوں گروہوں کے راستہ پر گامزن کیا، نیز دونوں کے طریق پر مجھ کو رہبر اور رہنما بنایا، ہم اس ذات عالی کے تمام انعامات پر اس کی تعریف کرتے اور اس کا شکر بجالاتے ہیں، ان انعامات میں سب سے زیادہ اعلیٰ و برتر اسلام کے طریق پر ہدایت اور تمام مخلوق کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا اتباع ہے، آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کے لیے رحمت اور تمام نبیوں کا امام بنایا، آپ ﷺ اس وقت بھی نبی تھے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کا خمیر ابھی آب و گل ہی میں تھا، آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی تمام آل و اصحاب پر اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ رہنے والی رحمتیں اور سلامتی اور برکت ہو۔

قولہ قدس سرہ: ''پس یہ مقدمہ کہ کائنات کا وجود سوائے کون و حصول

کے کچھ نہیں ہے، کنایہ ہے اس بات کے لیے ان کا کوئی وجود نہیں ہے، متکلمین کا مقصد بھی دراصل یہی ہے، اسی لیے پہلی رباعی میں کہا گیا ہے، "دریں پردہ لسان الغیب است" ﴿ کائنات کے پردے میں غیب کی آواز ہے جو سنائی دیتی ہے ﴾

شرح: یعنی خارج میں، کیونکہ شبہ کی چیز وجود خارجی ہے اور وجود علمی میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔

قولہ قدس سرہ: "پہلی رباعی کے ایک اور معنی بھی ہیں جو بہت لطیف ہیں، وہ معنی یہ ہیں کہ کائنات کا وجود حقیقت میں کون وحصول کے سوا کچھ نہیں اور مختلف ماہتیں کہ جنہوں نے تعین کے اتنے رنگ قبول کر لیے ہیں، ان کا وجود علم میں ہونے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اور اللہ جل شانہٗ کی واجبی صفتیں اور اس کے شئون جو خارج میں دکھائی دیتے ہیں عین ذات ہیں اور ذات بعینہٖ اپنی خالص بے رنگی پر قائم ہے پس اگر علوم تمام کے تمام ختم ہو جائیں تو ماہتیں بھی کلی طور پر معدوم ہو جائیں گی"

شرح: تمام کے تمام علوم کا نابود ہو جانا محال چیز کو فرض کر لینے کے طور پر ہے، اس لیے کہ ماہیات کا ثبوت واجب الوجود تعالیٰ وتقدس کے علم میں ہے جس کا ختم ہو جانا محال ہے ﴿ کیونکہ اگر ایسا ہو ﴾ تو اس سے خدا تعالیٰ کا جہل لازم آتا ہے ﴿ نعوذ باللہ من ذالک ﴾ اور اللہ تعالیٰ اس بات سے بہت عظیم ہے اور ماہیات کا کلی طور پر یعنی

علمی اعتبار سے بھی اور خارجی اعتبار سے بھی معدوم ہو جانا اس کی بنیاد اس پر ہے کہ ماہیات کا علمی ثبوت اور خارجی ظہور علمی امتیاز کے اعتبار سے تھا جب بفرض محال علوم تمام کے تمام معدوم ہو گئے تو ماہیات کے وجود کے آثار میں سے ایک بھی اثر باقی نہیں رہے گا، نہ علمی اعتبار سے نہ خارجی طور پر اور نہ وہم کے لحاظ سے، اس لیے کہ نہ اس صورت میں وہم باقی رہے گا اور نہ کوئی وہم کرنے والا اور نیز توہم کا سبب علمی ثبوت ہے اور وہ اس صورت میں باقی نہیں رہتا لہذا کون معلق بھی اس وقت فانی ہو گا، کیونکہ اس کا سبب ثبوت علمی قرار پایا ہے جو مفروض الزوال ہے۔

قولہ قدس سرہ: ''پس اس معنی کا افادہ کہ کائنات کا وجود کون وحصول ہے، نفس الامر کے مطابق یعنی حقیقی ہے''

شرح: یعنی اسصورت میں کائنات کے وجود کو کون وحصول کہنا کنایہ ہے اس سے مطلقاً وجود کی نفی کرنے کا اور یہ نفی اس صورت میں نفس الامر کے مطابق ہے، ''ھکذا ینبغی ان یفھم ھذا المقام'' ﴿اس مقام کو اسی طرح سمجھنا چاہیے﴾

قولہ قدس سرہ: ''بیشک تمام عقول کو جب وجود خارجی سے تعبیر کرتے ہیں تو وجود خارجی ان دو نسبتوں میں سے ایک نسبت کا ہوتا ہے، ایک ماہیت کی نسبت ظاہر وجود کے ساتھ، دوسری ماہیت کی نسبت باطن وجود کے ساتھ لیکن ہر ایک کے حصول کا دوسرے میں دخل ہے ﴿یعنی یہ دونوں لازم وملزوم ہیں﴾ اور اسی لیے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ نسبت مدرکہ ایک ایسی نسبت ہے جس کی مثال خارج میں ایسی

ہے جیسی حال کی نسبت محل کے ساتھ اور مکین کی نسبت مکان کے ساتھ ہوتی ہے اور مکان اور محل دونوں خالص اعتباری ہیں، چونکہ ذات کی غیبت ناقص عقلوں کی نظر سے اوجھل ہوتی ہے اس لیے اس کون کو وجود خارجی سمجھنا اور آثار خارجیہ کو ماہیتوں پر مترتب کر دانا وہم کا تصرف ہے"

شـــرح: یہ اس وجہ کی بنا پر جو پہلے بتائی جا چکی ہے دیکھنے والے کی تصدیق ہے کیونکہ اس جگہ کون معلق کیا گیا ہے اور ﴿برخلاف اس کے﴾ یہاں کون کی بالکل ہی گنجائش نہیں ہے جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے۔

قولہ قدس سرہ: "اس تحقیق سے یہ بات آپ کو معلوم ہوگئی کہ ماہیتیں وجود علمی میں علم کی محتاج ہوئیں نہ کہ فاعل کی، اگرچہ وہ فاعل موجب ہی ہو"

شرح: یعنی گزشتہ تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ ماہتیں وجود علمی میں علم کی محتاج ہیں اور اس وجود میں ماہیات کو فاعل کی احتیاج معلوم نہیں ہوئی، فاعل یا مختار ہوتا ہے یا موجب اور یہ فاعل سے عدم احتیاج حضرت مرشد ﴿خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ﴾ کا پسندیدہ و مختار قول ہے، اس لیے اس کی تائید شیخ صدر الدین قونوی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے فرمائی ہے یہ بات نہیں کہ اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ ان ماہیتوں کو فاعل کی احتیاج نہیں ہے کیونکہ یہ بات غیر معلوم ہے پس سمجھ لیجئے۔

قولہ قدس سرہ: "پس شیخ محقق صدر الملت والدین قونوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے پیروکاروں نے جعل جاعل کو وجود خارجی کے افاضہ کے اعتبار

سے تاثیر موثر سے تعبیر کیا ہے انہوں نے ماہیات سے مجعولیت کی نفی کر دی ہے اور وہ بہت زیادہ اصل کے مطابق ہے"

شرح : شیخ کے کلام کا نقل کرنا وجود علمی میں فاعل کے ساتھ ماہیات کے احتیاج کی نفی کی تائید کے لیے ہے اگر چہ لفظ پس ﴿جو حضرت خواجہ کی عبارت میں ہے﴾ اس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کیونکہ شیخ جعل خارجی کی نفی کرتے ہیں جعل علمی کی نہیں کہ جس سے تائید ہوتی، مگر میں کہتا ہوں کہ شیخ نے جعل کو منحصر کیا ہے جعل خارجی میں اور ثبوت علمی میں جعل کا اثبات نہیں کرتے، پس وجود علمی میں ماہیات کو فاعل کی ضرورت نہ ہوئی اور اس جگہ ہم نے کہا ہے کہ مجعولیت مطلق کی نفی کرتے ہیں خواہ وہ ذہنی ہو یا خارجی، اس لیے کہ علم میں جعل کا اثبات نہیں کرتے اور خارج میں چونکہ وجود خارجی کا افاضہ نہیں ہے کہ جس سے جعل کو تعبیر کیا جاتا ہے اس لیے جعل خارجی کی بھی نفی کرتے ہیں، اے اللہ! صانع جل شانہ کی صنعت و کاریگری نے کیا کام کیا ہے اور خالق کی قوت تخلیق کس لیے کام میں مشغول ہوئی ہے؟ ہم مجبوروں کی عقل وفہم اس قسم کی باتوں کے ادراک سے عاجز وقاصر ہے ﴿سب اللہ کے حکم کی طرف سے ہے، اللہ کی ذات پاک ہے مگر یہ کہ تکلف سے کام لیا جائے اور جعل کی نفی سے وہ جعل لیا جائے جو ذہنوں میں جلدی آجانے والا ہو اور جعل کی مطلق نفی نہیں ہے جیسا کہ آپ قدس سرہ نے بعد میں تحقیق کی ہے﴾

قولہ قدس سرہ: "یہاں ایک بات باقی رہ جاتی ہے، وہ یہ کہ کون و حصول کی نسبت خواہ کسی مرتبہ کی طرف کی جائے"

شرح: یعنی خواہ کون وحصول علمی ہو یا خارجی۔

قولہ قدس سرہ: ''معقولات ثانویہ میں سے ہے اور اس کے آثار میں سے ایک اثر ہے''

شرح: یعنی معقولات ثانویہ کے آثار میں سے ایک اثر ہے۔

قولہ قدس سرہ: ''کہ جب ممکن ہوا آثار کے ترتب کا واسطہ ہو گیا''

شرح: پچھلی تحقیق میں کون وحصول کو آثار خارجیہ میں سے ایک اثر بتایا تھا اور اس جگہ آثار معقولات ثانویہ میں سے ایک اثر، تاہم ﴿اس میں﴾ کوئی مضائقہ نہیں ہے اس لیے کہ ''آثار خارجیہ میں سے ایک اثر'' اس معنیٰ میں نہیں کہا گیا کہ ان کے لیے خارج میں کوئی حقیقت ہے جس سے معقولات ثانویہ سے کوئی تناقص پیدا ہوتا، کیونکہ ان بزرگوں کے نزدیک خارج میں سوائے خالص احدیت کے اور کچھ نہیں ہے اور وہی ان کے رنگ میں ظاہر ہے اور ان کو اسی اعتبار سے خارجیہ کہتے ہیں پس اس میں کوئی تناقص نہیں ہے، اس بات کا جواب تفصیل سے دیا جا چکا ہے، اس کی جانب رجوع کرنا چاہیے اور دوسرا جواب وہ ہے جو یہاں بیان فرماتے ہیں۔

قولہ قدس سرہ: ''میں کہتا ہوں کہ کون وحصول''

شرح: یعنی کون وحصول علمی اس لیے کہ کون وحصول خارجی کو پہلے بیان فرما چکے ہیں۔

قولہ قدس سرہ: ''اس نسبت سے تعبیر ہے جو ماہیت کو صفت علم سے ہے حقیقت میں موجود وہی نسبت ہے''

شرح: اور چونکہ وہ نسبت بھی معقولات ثانویہ میں سے ہے تو اس سے اعراض کرتے

ہوئے فرمایا تھا" بلکہ...... الخ اور اس میں یہ احتمال ہے کہ قوم کے عرف کی بنا پر ہوگا۔

قولہ قدس سرہ: "بلکہ وہ صفت علم ہے اور بلکہ وہ ذات حق جل شانہ ہے، اس لیے کہ صفت خارج میں عین ذات ہے"

شرح: اشیا کے کون علمی کو ذات حق سے تعبیر کرنا کہ جو خارج میں موجود ہے، اس اعتبار سے ہوسکتا ہے کہ ان کے نزدیک واجب تعالیٰ کے سوا کوئی چیز موجود نہیں ہے، نہ علم میں نہ خارج میں، خواہ اس ذات نے علم کے خانہ میں شئونات کی کثرت کے اعتبار سے امتیاز کا رنگ پیدا کرلیا ہو چونکہ باری تعالیٰ کی ذات کے ساتھ صفات کی عینیت امتیاز کے باوجود عوام کی سمجھ سے بالاتر تھی اس لیے عینیت کو خارج کے ساتھ مقید کر کے فرمایا "اس لیے کہ صفت خارج میں عین ذات ہے" ﴿تعالیٰ وتقدس﴾ اگرچہ یہ قید کون علمی کے منافی ہے۔ ﴿پس خوب سمجھ لیجئے﴾

قولہ قدس سرہ: "اسی طرح کون خارجی سے مراد ہے ماہیت کی نسبت جو ظاہری وجود کے ساتھ ہے"

شرح: کیونکہ صوفیا کے نزدیک حقیقت تعالیٰ وتقدس واجب ہے۔

قولہ قدس سرہ: "اگرچہ متکلمین وجود کو عین واجب تعالیٰ نہیں سمجھتے"

شرح: بلکہ وجود کو ذات خداوندی پر ایک زائد چیز ثابت کرتے ہیں۔

قولہ قدس سرہ: "بلکہ وہ وجود کی حقیقت کو ہی نہیں جانتے"

شرح: اگر جانتے ہوتے تو اس کو کون وحصول کا مرادف نہ کہتے۔

قولہ قدس سرہ: "اگر اس بھید سے آگاہ ہو جاتے"

شرح: یعنی اگر وجود کی حقیقت سے آگاہ ہو جاتے“

قولہ قدس سرہ: ”وجود کو“

شرح: یعنی ممکنات کے وجود خارجی کو۔

قولہ قدس سرہ: ”وہی شئون خیال کرتے جو اس نسبت کے قبول کرنے کا واسطہ ہوئے ہیں ﴿یہی نہیں﴾ بلکہ ذات واجب تعالیٰ و تقدس سمجھتے“

شرح: کیونکہ شئون خارج میں عین ذات تعالیٰ و تقدس ہیں۔

قولہ قدس سرہ: ”اور وجود کو متفقہ طور پر مشترک معنوی کہتے“

شرح: مشترک معنوی ان معنوں میں نہیں ہے کہ اس کے افراد میں عام معنیٰ کا اشتراک ثابت ہو کہ یہاں یہ بات مراد نہیں ہے، اس لیے کہ صوفیا کے نزدیک جزئی وجود حقیقی ہوتا ہے کیونکہ حقیقت کا عین واجب تعالیٰ و تقدس ہے، ہر چند کہ جزئی کے اطلاق کی بھی وہاں گنجائش نہیں ہے، تاہم لفظ جزئی اصطلاح و عبارت کے بہت زیادہ قریب ہے، اس لیے مقصود کو سمجھنے کے لیے محض تنگی عبارت کے سبب اس لفظ سے تعبیر کر دیا گیا ہے، وجود کا مشترک معنوی ہونا اس معنی میں ہے کہ ممکنات بھی اسی وجود کے ساتھ موجود ہیں کہ جس وجود تعالیٰ و تقدس کے ساتھ واجب تعالیٰ موجود ہے لیکن اس وجود کے ساتھ ممکنات کا موجود ہونا اس خاص معنیٰ میں ہے کہ ان کو اس وجود خاص کے ساتھ ایک نسبت ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ”جو پانی آفتاب کی حرارت سے گرم ہوا، اس کو آفتاب سے ایک خاص نسبت حاصل ہو

گئی'' اور واجب تعالیٰ کا اس وجود کے ساتھ موجود ہونا ان معنوں میں ہے کہ ''وہ وجود اس کے ساتھ قائم ہے'' لیکن یہ کسی چیز کا اپنی ذات کے ساتھ قائم ہونے کے طریق پر ہے نہ کہ کسی شے کا قیام بغیر خود کہ وہاں یہ چیز متصور نہیں ہے، اس لیے کہ وجود واجب تعالیٰ سبحانہ عین اس کی ذات ہے۔ ﴿پس سمجھ لیجئے﴾

قولہ قدس سرہ: ''واضح رہے کہ اس بیان سے جو ہم نے پیش کیا ہے جعل جاعل ماہیات میں ایجاب کے طریق سے پیدا ہو گیا ہے''

شرح: یعنی جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ ممکنات بھی اسی وجود خاص کی وجہ سے موجود ہیں ''جعل جاعل'' ماہیات میں پیدا ہو گیا، اس لیے کہ ''جعل جاعل'' وجود خارجی کے افاضہ کے اعتبار سے تاثیر موثر کو کہتے ہیں اور یہ ثابت ہو گیا لیکن اس جعل کو ایجاب کے طور پر ماننا ہماری ناقص فہم میں نہیں آتا، ایسا کیوں نہیں ہوسکتا کہ ماہیات نے ممکنات کو ارادہ اور اختیار کے طریق پر اس وجود خاص کے ساتھ ایک نسبت دیدی ہوتا کہ جعل ارادی متحقق ہو جائے، شاید کہ ایجاب کہنا صاحب فصوص ﴿شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ﴾ کے مذہب کی بنا پر ہے کہ جو ایجاب کی جانب میلان رکھتے ہیں۔

قولہ قدس سرہ: ''بیچارے حکما نے یہ بات صحیح سمجھی ہے کہ واجب تعالیٰ کا علم وجود ممکن کا واسطہ ہے اور اس طرح آخر کار وجود خارجی کا گمان کر لیا ہے''

شرح: حکما نے واجب تعالیٰ سے ارادہ کی نفی کی ہے اور اس ذات پاک کے ایجاب کے ساتھ حکم لگایا ہے اور کہا ہے کہ اس ذات پاک کا عالم کے مکمل ترین نظام

کا علم ایجاد عالم میں کافی ہے بغیر اس کے کہ زیر قدرت باتوں میں سے ایک کو خاص کر لینے کا ارادہ کرے، اس لیے کہ یہ اکمل نظام کا علم ارادہ سے استغنا بخشتا ہے، حکما کے قول کو صحیح کہنا اس بنا پر ہے کہ وہ خصوصیت سے حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے موافقت رکھتا ہے، اس لیے کہ شیخ کا کلام بھی ایجاب کی خبر یتا ہے کیونکہ یہ قدرت کے معنی کے بیان میں حکما کے موافق ہے، جن کا کہنا ہے کہ قادر وہ ہوتا ہے اگر وہ چاہے کرے اور اگر نہ چاہے نہ کرے، لیکن پہلی شرط کو واجب الصدق اور دوسری شرط کو ممتنع الصدق کہا ہے، پس ارادہ کی صفت اسی وجہ سے بیکار ہو جاتی ہے کہ اس میں تخصیص احد المتساویین ہے اور یہاں کوئی مساوات نہیں ہے، اس فقیر نے اس مبحث کو ایک رسالہ ﴿مبدا و معاد منہا، ۴۱﴾ میں الگ تفصیل سے ذکر کیا ہے اگر ضرورت پڑے تو اس سے رجوع کیا جائے۔

> **قولہ** قدس سرہ: ''لیکن شیخ محقق صدر الملۃ والدین رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا احترام ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے تا کہ مخالفت دور ہو جائے، اے اللہ! مگر میں کہتا ہوں کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس جعل کی نفی کی ہے جو ذہنوں میں متبادر ﴿فوراً﴾ آ جاتا ہے اور قبول علمی کے ملاحظہ کے بغیر فاعل کے ساتھ مستند ہے''

شرح: اہل علم کی جماعت ممکنات کی ماہیتوں کو وجود علمی نہیں کہتی اور قبول علمی کو بلا تحقیق قبول علمی فاعل کے ساتھ مستند جانتی ہے، پس شیخ کی نفی جعل متبادر کی جانب راجع ہے، جعل مطلق کی طرف نہیں ہے جس سے کہ تناقض ثابت ہوتا ﴿یعنی شیخ کے

کلام اور متکلمین کے کلام میں کوئی تناقض نہیں ہے ﴾

میں نے اس شرح شدہ رباعیات میں سے بعض کی شرح بیان کرنے کا جو ارادہ کیا تھا وہ بحث یہاں ختم ہوئی، میں نے ان میں سے بعض کی شرح پر دقیق و غامض ہونے کی وجہ سے کفایت کی ہے اور اس لیے بھی کہ خواص کی سمجھ سے بھی یہ بہت بلند ہے، عوام کی سمجھ کا تو ذکر ہی کیا ہے، پس اول و آخر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے ہی سب تعریف ہے، اسی کا حکم جاری ہے اور اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ ہو ہمارے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر، آپ ﷺ کی تمام آل واصحاب پر اور آپ ﷺ پر اور ان سب پر اللہ کی برکت وسلامتی ہو۔

توحید وجودی اور اس کے مراتب:

ضمیمہ اس توحید کے بیان میں جو اکابر نقشبندیہ کی طرف منسوب ہے اور اس شہود کے بارے میں جو ان اکابر کو کثرت میں حاصل ہے باوجودیکہ ان کی توجہ محض تنزیہ اور خالص احدیت پر ہے ﴿اس ضمیمہ کا مقصد یہ ہے﴾ کہ ارباب توحید کے تمام فرقوں کے ساتھ ان ﴿اکابر نقشبندیہ رحمۃ اللہ علیہم﴾ کی جو مشابہت معلوم ہوتی ہے وہ دور ہو، نیز مبتدیوں اور متوسط طبقے کے لوگوں کی توحید کو اخص الخواص کی توحید سے ممتاز کر دیا جائے، اللہ تعالیٰ تجھے راہ دکھائے اور راہ اعتدال پر گامزن ہونے کا موقع دے، واضح ہو کہ ارباب توحید اس حالت و کیفیت کے ظہور کے وقت مختلف درجات رکھتے ہیں، وہ گروہ جنہوں نے خالص علم توحید پر اکتفا کیا ہے اور اس علم پر جس میں ذوق اور لذت کی کیفیت ملی ہوتی ہے کفایت کی ہے، اس بحث سے خارج ہے، اس

لیے کہ بات ارباب احوال سے متعلق ہے، اصحاب علوم کے بارے میں نہیں خواہ انہوں نے اس کا تھوڑا بہت ذوق حاصل کر بھی لیا ہو، اس حالت کے بہترین افراد اس گروہ کے لوگ ہیں جن کا باطن خالص احدیت میں اس طرح گرفتار ہے کہ وہ عالم کی طرف بلکہ ذات حق تعالیٰ کے ماسویٰ کسی کی طرف التفات نہیں رکھتے، ان کی ظاہر کی کثرت بینی کثرت میں وحدت کا مشاہدہ کرتی ہے اور ان کا فیصلہ یہ ہے کہ بیشمار اشیا میں وجود احد جلوہ فرما ہے، اس کی وضاحت یہ ہے کہ مشائخ عظام کے ایسے گروہ ہیں جنہوں نے اپنے مشہود میں بوجہ اتم استہلاک واضمحلال پیدا کر لیا ہے اور ان کی ہمت کا عالم یہ ہے کہ وہ اپنے مشہود میں ہمیشہ مضمحل ومعدوم رہتے ہیں اور ان کے اپنے وجود کے لوازم میں سے کوئی اثر بھی ظاہر نہیں ہوتا، وہ اپنے اوپر انا کا اطلاق کفر سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک کام کی انتہا یہ ہے کہ وہ اپنی ہستی کو فنا کر دیں اور نیستی کی منزل پر پہنچ جائیں، وہ حضرات مشاہدہ کو بھی گرفتاری سمجھتے ہیں کوئی ان میں سے یہ کہہ گزرتا ہے ”اشتهی عدما لا وجود له“ ﴿میں ایسا عدم چاہتا ہوں کہ ہرگز اس کا وجود نہ ہو﴾ وہ حضرات محبت کے شہید ہیں اور حدیث قدسی: ”من قتلته فانا دیته“ ﴿جس کسی کو میں قتل کرتا ہوں، میں خود اس کی دیت ہوتا ہوں﴾ ان ہی کی شان میں ثابت ہے، وہ ہمیشہ وجود کے زیر بار رہتے ہیں، ایک لمحہ بھی اس سے آسائش نہیں رکھتے، اس لیے کہ آسائش غفلت میں ہے اور جہاں ہمیشہ استہلاک کی صورت ہو وہاں غفلت کے لیے کوئی گنجائش نہیں، شیخ الاسلام ہروی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”جو کوئی ایک ساعت کے لیے بھی ﴿ان کو﴾ حق سبحانہ وتعالیٰ سے غافل کر دے

امید ہے کہ ان کے گناہ اس کو دے دیئے جائیں“

وجود بشریت کیلئے غفلت:

وجود بشریت کے لیے غفلت لازمی شے ہے، حق سبحانہ نے اپنے کمال کرم سے ان میں سے ہر ایک کے ظاہر کو اس استعداد کے مطابق ان کاموں میں جو کہ غفلت کو مستلزم ہیں مشغول کر دیا ہے تا کہ مآل کار وجود کا یہ بوجھ ان سے ہلکا ہو جائے، ایک گروہ کو سماع اور وجد کی محبت دے دی ہے، دوسرے کا مشغلہ تصنیف کتب اور تحریر علوم و معارف کو بنا دیا ہے، ایک اور گروہ کو مباحثہ اور مناظرہ کے کاموں میں مشغول کر دیا ہے، عبداللہ اصطخری رحمۃ اللہ علیہ کچھ کتوں کے ساتھ جانب صحرا چلے جاتے تھے، کسی شخص نے ایک عزیز سے اس کا راز دریافت کیا تو فرمایا ”تا کہ کچھ دیر کے لیے وجود کے بوجھ سے خلاصی پائے“ اور بعض لوگوں کو توحید وجود اور کثرت میں وحدت کے شہود کے علوم میں آرام وسکون عطا فرمایا ہے تا کہ اس بوجھ سے ایک گھڑی کے لیے نجات پالیں، وہ توحید جو بعض نقشبندی اکابر سے ظاہر ہوئی اس قبیل کی ہے، ان بزرگوں کی نسبت خالص تنزیہ کی طرف لے جاتی ہے، عالم اور شہود در عالم سے ان کا کوئی کام نہیں ہوتا، جو معارف کہ ارشاد پناہی، حقائق و معارف آگاہی ناصر الدین خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ نے علوم توحید وجود اور شہود وحدت در کثرت کے مناسب لکھے ہیں، توحید کی اسی آخری قسم کے ہیں، ان کی کتاب ”فقرات“ جو بعض علوم توحید اور اس کے کسی جز پر مشتمل ہے اس کے علوم کا منشا اور ان معارف سے مقصود عالم سے ان کے انس و محبت کا اظہار ہے

اور اسی طرح کے معارف ہمارے خواجہ حضرت باقی باللہ ؒ کے ہیں بعض رسالوں میں ''فقرات'' کے کلام کے مطابق تحریر پائے گئے ہیں، ان علوم کا منشا جذبہ ہے اور نہ غلبہ محبت وشہود، ان کو عالم سے کوئی نسبت نہیں، جو کچھ ان پر عالم میں ظاہر ہوتا ہے وہ ان کے مشہود حقیقی کی شبیہ ومثال ہے مثلاً جو شخص کہ آفتاب کے جمال کا اسیر ہے اور کمال محبت میں خود کو آفتاب میں گم کر دیتا ہے اور اپنا نام ونشان باقی نہیں چھوڑتا، اگر لوگ ایسے وارفتۂ محبت کو اپنے آپ میں لانا چاہیں اور اس کے دل میں آفتاب کے علاوہ اور چیزوں کی محبت اور الفت پیدا کرنا چاہیں تاکہ ایک گھڑی کے لیے ہی انوار آفتاب کی چکاچوند سے اپنی توجہ کو ہٹا کر کچھ دیر سکون حاصل کر لے، تو اسی آفتاب کو اشیائے عالم میں آشکارا کر دیں اور اس تعلق کی بنا پر اس کے قلب میں اس عالم سے انس ومحبت پیدا کریں، کبھی اس کو یہ سمجھائیں کہ یہ عالم ہی عین آفتاب ہے اور سوائے اس کے اور کوئی شے موجود نہیں اور کبھی عالم کے ذرات کے آئینے میں جمال آفتاب کا نظارا کرائیں، ہمارے خواجہ حضرت باقی باللہ ؒ کے مخلصین میں سے ایک درویش ﴿حضرت مجدد الف ثانی ؒ﴾ نے بیان کیا کہ وہ فرماتے تھے:

> ''لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم ارباب توحید کی کتابوں کے مطالعہ سے کوئی نسبت حاصل کرتے ہیں ﴿لیکن﴾ ایسا نہیں ہے ﴿بلکہ﴾ اس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ ایک گھڑی کے لیے خود کو غافل کر لیں''

اور اسی معنیٰ کے موئد وہ الفاظ بھی ہیں جو فضائل پناہی شیخ عبد

الحق رحمۃ اللہ علیہ نے ہمارے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مخلصین میں سے ہیں نقل کیے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایام رحلت سے قبل فرمایا ”ہمیں یقین کے ساتھ معلوم ہو گیا ہے کہ توحید ﴿وجودی﴾ ایک تنگ کوچہ ہے، شاہراہ کوئی اور ہی ہے“

توحید کی اعلیٰ ترین قسم:

اس طرح کی توحید، توحید کی اعلیٰ ترین قسم ہے، حقیقت میں اس معرفت کے لوگ اس کیفیت سے مغلوب نہیں ہوتے اور نہ ان کا سکر اس معرفت کا سبب بنتا ہے ﴿ان کی﴾ اس توحید کا منشا نہ انجذاب قلبی ہے اور نہ غلبۂ محبت، بلکہ اس معرفت سے مقصود اس غلبہ کی تخفیف ہے اور اس کیفیت ﴿حال﴾ کو ان پر ایک مصلحت کی وجہ سے طاری کرتے ہیں، چاہتے ہیں کہ اس معرفت کے توسل سے ان کو سکر سے صحو کی طرف لائیں اور تسلی کا سامان فراہم کریں، چنانچہ ایک گروہ کو سماع و رقص میں اور ایک گروہ کو مباح کاموں میں مشغول رکھ کر تسلی دیتے ہیں، بخلاف دوسرے تمام ارباب توحید کے جو اس حال و کیفیت سے مغلوب ہیں اور ان کا سکر اس معرفت کا سبب بن گیا ہے اور ان کی توحید کا منشا ﴿جائے پیدائش﴾ انجذاب قلبی اور محبت کا غلبہ ہے جو کہ مقام سکر کے مناسب ہے، واضح رہے کہ ان گروہوں میں سے وہ تمام حضرات بعض ان امور میں جو ان کے مشہود کے مخالف ہیں اشتغال رکھتے اور تسلی پاتے ہیں بخلاف ان بزرگوں کے کہ وہ کسی ایسے کام کی جانب جو ان کے مشہود کے مغائر ہو التفات نہیں رکھتے اور نہ آرام پاتے ہیں۔

بڑا ہی فرق ہے ان دونوں راہ گزاروں میں

اس لیے مجبوراً عالم کو عین ان کا مشہود ظاہر کرتے ہیں یا علم کے آئینے میں اس کو جلوہ گر بناتے ہیں تاکہ وہ ایک گھڑی کے لیے اس بار سے تخفیف پالیں، یہ ﴿مقام﴾ ہی اس رسالہ کا اختتام ہے، اللہ ربّ العالمین کا اول اور آخر شکر ہے اور اس کے رسول اور اس کی آل ابرار اور صحابہ اخیار پر ہمیشہ صلوٰۃ وسلام ہو۔

……⊙……

……☆……

……﴿شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خیالات﴾……

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ…… چاروں عالیشان سلسلہ ہائے طریقت سے اخذ وکسب فیوض کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی درگاہ سے مواہب جلیلہ اور عطایائے نبیلہ سے سرفراز ہوئے ہیں، ان کے کمالات وحالات سمجھنے میں عقل متحیر وعاجز ہے، حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے آسمان دنیا کے نیچے ان جیسا کوئی نہیں اور امت مسلمہ میں ان جیسے چند ہی لوگ گزرے ہیں، آپ کی معلومات اور مکشوفات صحیح ہیں، اور اس قابل ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی نظر میں لائے جائیں، (ایضاح الطریقہ: ۷۴ مطبوعہ لاہور)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسالہ معارف لدنیہ

مصنف

حضور امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

مولانا سید زوار حسین شاہ مجددی

تعارف

نحمدہ و نصلیٰ علی رسولہ الکریم

حضرت مجدد الف ثانی ؒ کا یہ رسالہ مبارکہ معارف لدنیہ فارسی زبان میں تحریر ہے، اس کے مضامین ومقالات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ رسالہ آپ نے ابتدائی دور اور متوسط دور میں تصنیف فرمایا، اس کا سال تحریر مبدا و معاد سے پہلے ہے، یہ اکتالیس متفرق مضامین پر مشتمل ہے، جن کو آپ نے معرفت کا عنوان دیا ہے، ان میں اللہ تعالیٰ کے عرفان کے اسرار و رموز کا ایک جہان آباد ہے. جس کے گل گشت کا شرف حضرت مجدد الف ثانی ؒ کے حصہ میں آیا۔

اس رسالہ کے مطالعہ کے بعد بہت سے حقائق و دقائق انسان کی نگاہوں کے سامنے روشن ہو جاتے ہیں اور دل میں معرفت خدا کے حصول کا جذبہ بیدار ہوتا ہے، آپ نے نہات علمی و فکری انداز میں ذات وصفات، ولایت محمدیہ، حقیقت ایمان، طریقت و شریعت اور حقیقت و مراتب فنا کے اختیار، ابدال و قطب ارشاد کے فیض اور قضا و قدر کے عنوان پر روشنی ڈالی ہے، آخر میں حسب معمول حضور سید عالم، نور مجسم، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے فضائل و مناقب تحریر فرمائے ہیں اور ان کے دشمنوں کی مذمت بیان کی ہے، آپ کا عقیدہ دیکھئے:

اس روشن شریعت والی ہستی کے منکر اور ملت زہرا کے بانی کے مخالف ساری مخلوق میں بد بخت ترین لوگ ہیں 'اعراب اشد کفراً و نفاقاً' ﴿بدوی کفرو

نفاق کے اعتبار سے سخت ترین لوگ ہیں﴾، یہ فرمان الٰہی ان کی حالت کا پتا دیتا ہے، تعجب ہے کہ بعض ناپختہ اور ناقص درویش جو اپنے خیالی کشف کو معتبر سمجھتے ہیں، اس روشن شریعت کی مخالفت اور انکار میں پیش قدمی کرتے ہیں، حالانکہ حضرت موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ بھی باوجود اپنی اس کلیمی اور قرب خاص کے اگر زندہ ہوتے تو اس شریعت کی پیروی کے بغیر کوئی اور طریقہ اختیار نہ فرماتے۔

……⊙……

……﴿شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی آرزو﴾……

اب گیارہویں کے سرے پر پہنچ چکے ہیں، دیکھیئے یہ سعادت کس کو نصیب ہوتی ہے اور یہ معرکہ آرائی کس کو تفویض ہوتی ہے، اس عظیم الشان کام کے لیے ایسا مرد کامل ہونا چاہیے جو اعجاز حقیقت سے واقف ہو اور نصرت و کامیابی اس کے قدم چومے اور عوام الناس کو اپنی قوت کار اور قوت تصرف سے اس طرح راہ راست پر لائے کہ کسی کو سرتابی کی جرأت نہ ہو، خاص ان لوگوں کی سرزنش بہت ضروری ہے جنہوں نے حقیقت ﴿دین محمدی﴾ کو لہو و لعب سمجھ کر مذاق بنا رکھا ہے اور حق و باطل میں تمیز نہیں کرتے۔ ﴿مرج البحرین: ۸۰﴾

……⊙……

فہرست مضامین

○ لفظ اللہ میں حروف تعریف کے اجتماع کی حکمت 265
○ معرفہ پر حروف تعریف لگانے کی وجہ 267
○ علم کے دو حروف تعریف سے مرکب ہونے کی وجہ 268
○ حروف تعریف کی کثرت کی وجہ 268
○ ممکنات کا وجود اور ان کے حقائق 268
○ سالک کی سیر کے انواع و مراتب 270
○ مقام تکمیل اور جمع در تشبیہ و تنزیہ 272
○ وحدت ذاتی و صفاتی و افعالی 274
○ موہوب حقانی کا وجود 278
○ حقیقت محمدی سے مراد 278
○ خارجی صورتوں اور اشکال کا علمی صورتوں کے ساتھ تعلق 280
○ ذات حق میں یقین کے تین مراتب 282
○ صوفیہ اور متکلمین میں اختلافات 285
○ واجب تعالیٰ کے وجود کی تحقیق 295
○ صفات کا وجود ذات پر زائد ہے 299

○ ذات و صفات کا بیچون ہونا 304

○ مکان و زمان کے لوازم سے تنزیہ 305

○ معلوم کے ساتھ علم حق کا تعلق 307

○ قدرت و ارادہ 308

○ شیون وصفات میں فرق 311

○ ذات وصفات حق میں مماثلت کی نفی 312

○ ولایت خاصہ محمدیہ 316

○ سالک مجذوب اور مجذوب سالک کے مراتب میں فرق 317

○ صورت ایمان اور حقیقت ایمان 319

○ طریقت اور حقیقت سے شریعت کا تعلق 321

○ مراتب فنا 322

○ واجب تعالیٰ کے ساتھ روح کا اشتباہ 329

○ وجود ذات سے بعض لوگوں کے انکار کی وجہ 329

○ کفر شریعت اور کفر حقیقت 330

○ اسم المضل کی راہ سے کفار کے واصل ہونے کی تحقیق 333

○ سیر کی حقیقت اور اس کی اقسام 338

○ کسی توجہ کی برتری طبعی وجہ پر 340

○ سابقین اور محبوبین میں فرق 342

○ بندہ کی قدرت و اختیار 342
○ قطب ابدال اور قطب ارشاد کا فیض 344
○ ولایت ، شہادت اور صدیقیت 352
○ ماسویٰ سے قطع تعلق 353
○ مقام صدیقیت سے منتہٰی 354
○ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا جذب و سلوک 355
○ فضائل سلسلہ نقشبندیہ 357
○ حضور انور ﷺ کے فضائل 359

⊙

﴿مشہور مورخ محمد صادق کا قول﴾

از خلفائے مجدد طریقۂ نقشبندیہ خواجہ باقی نقشبندی اویسی است قدس سرہ، عالم و عامل و بحر اسرار الٰہی بود و صاحب تصانیف عالیہ است، تصنیفات و مکتوبات وے عجائب و غرائب بسیار دارد کہ عقل عاقلاں از درک آں عاجز است، ﴿طبقات شاہ جہانی مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن: ۳۵۱﴾

⊙

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وسلام علىٰ عباده الذين اصطفٰى سيما علىٰ نبيه المجتبىٰ ورسله المصطفىٰ محمد المبعوث الى كافة الورىٰ وعلىٰ اٰله واصحابه البررة التقىٰ والصلوٰة والتحية عليه و عليهم فى الاخرة والاولىٰ اما بعد فهذه علوم الهامية ومعارف لدنية سودها الفقير الراجى الى رحمة الله الغنى الولى احمد بن عبد الاحد الفاروقى النقشبندى رحمه الله ورضى عنه واوصله الى غاية مايتمناه ۔

ترجمہ: سب تعریف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے اور اللہ کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو خصوصاً اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام ہو جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کی طرف رسول بنا کر بھیجا اور آپ کی آل اور تمام اصحاب پر جو نیک اور پرہیز گار ہیں، دنیا اور آخرت میں صلوٰۃ وسلام اور تحیۃ ہو، حمد وصلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ یہ وہ الہامی علوم اور علم لدنی کی معرفتیں ہیں جن کو

خدائے بے نیاز و کارساز کی رحمت کے امیدوار، احمد بن عبدالاحد فاروقی نقشبندی نے تحریر کیا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت و رضا کے ساتھ اس کو سرفراز فرمائے اور اس کی آرزوؤں کو پورا فرمائے۔

﴿معرفت: 1﴾

لفظ 'اللہ' میں حروف تعریف کے اجتماع کی حکمت:

"اللّٰہ" کا مبارک لفظ الف اور لام سے منجملہ آلات ﴿حروف﴾ تعریف کے ہے اور لفظ 'ہ' سے کہ وہ بھی منجملہ معرفوں ہی کے ہے، مرکب ہے اور یہ مجموعہ ﴿یعنی الف اور لام اور ہا مل کر﴾ ذات واجب الوجود عز سلطانہ کا علَم ﴿یعنی ذاتی نام﴾ ہے، لہذا اس اسم مبارک میں تین قسم کے معرفہ بنا دینے والے اسباب جمع ہو گئے ہیں، باوجودیکہ ان میں سے ہر سبب اسماء کو معرفہ بنانے کیلئے کافی ہوتا ہے، لیکن یہاں ان تینوں اسباب کے جمع ہو جانے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس اسم اعظم کا مسمّٰی ﴿جس کا یہ نام ہے﴾ جل شانہ اپنی کمال بزرگی، درجہ کی بلندی اور مرتبہ کی بڑائی کی وجہ سے کسی طریقے پر بھی معرف ﴿جانا پہچانا﴾ نہیں ہو سکتا اور کسی طرح بھی معلوم نہیں ہو سکتا، کیونکہ اگر اسے معرفہ بنایا جا سکتا تو ایک آلہ تعریف ﴿معرفہ بنانے کا ذریعہ﴾ ہی اس کیلئے کافی ہو جاتا، کیونکہ مسبب کو موجود کرنے میں کثرت اسباب کا کوئی دخل نہیں ہوا کرتا، بلاشبہ وہ تو کسی ایک سبب کے پائے جانے ہی سے موجود ہو جاتا ہے، پس مسبب ان اسباب میں سے کسی ایک سبب کے پائے جانے سے موجود ہو سکا تو اس سے یہی سمجھا جائے گا کہ ان دونوں ﴿اسم اور

مسمّٰی ﴾ کے درمیان سببیت کا تعلق ہی نہیں ہے، اس لئے جب اللہ تعالیٰ کی شان میں معروف اور معلوم ہونے کا تصور ختم ہو گیا تو اس بارگاہ اقدس تک کسی عالم کا علم نہیں پہنچ سکتا اور اسے کسی معرفہ سازی کی معرفہ سازی مفید نہیں ہو سکتی لہذا حق تعالیٰ کی ذات اس سے کہیں بزرگ تر ہے کہ اس کا ادراک کیا جائے اور اس سے کہیں عظیم تر ہے کہ اسے پہچانا جا سکے اور اس سے کہیں بلند تر ہے کہ اسے جانا جا سکے۔

اس وضاحت سے سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ یہ اسم مبارک ﴿اللہ﴾ جل شانہ، دوسرے اسماء سے الگ ہی ہے اور باقی تمام اسما کیلئے جو احکام ہوتے ہیں یہ ان احکام میں شریک نہیں ہے، پس لامحالہ اسی امتیاز و یکتائی کی وجہ سے یہ اسم حق تعالیٰ و تقدس کی بارگاہ قدس کے لائق ہے۔

یہاں یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ جب یہ اسم مبارک اپنے مسمّٰی پر دلالت ہی نہیں کرتا تو یہ نام رکھنے کا فائدہ ہی کیا ہوا؟

اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ نام کیلئے اس لفظ کو مقرر کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ جس ذات کا اس کے ساتھ نام رکھا گیا ہے، یہ اسم اپنے ماسوا سے ممتاز اور الگ کر دیتا ہے، تاہم ایسا نہیں ہے کہ اس کے ذریعے سے اس ذات کا علم ہو سکے جس کا وہ نام ہے، لہذا اس مبارک اسم اور دوسرے اسماء کے درمیان ایک دوسرا فرق یہ بھی ہے کہ وہ اسماء اپنے مسمیات پر دلالت کرتے ہیں اور وہ مسمیات ﴿ان ناموں کے ذریعے سے ﴾ معلوم ہو جاتے ہیں اور یہ علم ﴿شخصی نام﴾ اپنے ماسوا سے ممتاز کر دیتا ہے اور اس اسم مقدس میں مسمّٰی کا علم تو نہیں پایا جاتا لیکن وہ اپنے مسمّٰی کو تمام ماسوا سے ممتاز اور

الگ کر دیتا ہے، یعنی علم مسمّٰی تو ناپید ہے مگر امتیاز از جمیع ماسوا موجود ہے۔

﴿معرفت: 2﴾

معرفہ پر حروف تعریف لگانے کی وجہ:

الف ولام کے داخل ہونے سے اسم نکرہ اسم معرفہ بن جاتا ہے کیونکہ اس آلہ تعریف ﴿یعنی حرف تعریف﴾ سے وہ معرفہ بن جاتا ہے اور اس اسم مقدس میں الف ولام خود معرفہ پر آیا ہے اور وہ معرفہ "ہ" یعنی ضمیر غائب ہے، جیسا کہ بعض محققین نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام صرف "ہ" ہے جو غیب ہویت پر دلالت کرتا ہے اور الف ولام تعریف کیلئے آیا ہے۔

گویا اس حرف تعریف کو لانے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مشار الیہ کے تعین میں ضمیر کے ذریعے سے معرفہ ہونا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ایک دوسرا آلہ تعریف ﴿حرف تعریف﴾ بھی درکار ہے جو الف اور لام ہے اور لام پر تشدید تعریف میں مبالغہ کیلئے لائی گئی ہے اور جب یہ حرف تعریف باوجود اس مبالغہ کے بھی کافی نہ ہوا اور جس کو معرفہ بنانا تھا اس کا تعین حاصل نہ ہو سکا تو لامحالہ اس پورے مجموعے کو تعریف علمی میں لے گئے ﴿یعنی اس تمام مجموعے کو ذات حق کا نام اور علَم قرار دیا﴾ کہ شاید وہاں جا کر وہ تعین پیدا کر سکے، مگر یہاں بھی کوئی ایسا تعین جو ذات حق کے معلوم ہونے کا باعث بن سکے، حاصل نہ ہو سکا، زیادہ سے زیادہ بس یہ ہو سکا کہ ماسویٰ سے ایک طرف کا امتیاز حاصل ہو گیا، پس پاک ہے وہ ذات جس نے مخلوق کیلئے سوائے معرفت سے عاجز ہونے کے اپنی طرف سے کوئی راہ نہیں بنائی۔

معرفت: 3

علم کے دو حروف تعریف سے مرکب ہونے کی وجہ:

اس مقدس علَم ﴿ذاتی نام﴾ کا دو قسم کے حروف تعریف سے مرکب ہونا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کمال عظمت والا اور عقول وافہام کے ادراک سے بالاتر ہونے کی وجہ سے مسمّٰی ﴿جس کا وہ نام ہے﴾ کے تعین میں صرف عَلَمیت ﴿ذاتی نام ہونا﴾ ہی کافی نہیں ہے، لہذا تعریف مذکور کیلئے متعدد اسباب کی ضرورت ہوئی، اس کے باوجود پھر بھی وہ بالکل معلوم نہ ہوسکا اور قطعاً نہ پہچانا جاسکا۔

معرفت: 4

حروف تعریف کی کثرت کی وجہ:

اگرچہ معرفہ کے وجود میں آلات تعریف ﴿حروف تعریف﴾ کی کثرت کو کوئی دخل نہیں ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے اور صرف ایک آلہ تعریف ﴿حرف تعریف﴾ بھی کافی ہوتا ہے لیکن آلات تعریف کو کثرت کے ساتھ لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس کا مسمّٰی مبہم و نامعلوم ہے اور وہ سبحانہ وتعالیٰ ادراک سے بہت بعید اور بالاتر ہے۔

معرفت: 5

ممکنات کا وجود اور ان کے حقائق:

حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی ذاتی شیون ﴿شان کی جمع﴾ کو جوکہ اس کی ذات کا عین ہیں، خارج کے اندر واحدیت کے مرتبہ میں الگ الگ جان لیا اور چونکہ علم

﴿یعنی جاننا﴾ اس بات کا مقتضی ہے کہ وہ ﴿معلومات﴾ ایک دوسرے سے ممتاز ہوں، لہذا ان شیونات نے علم کے خانہ میں تمیز ﴿ممتاز ہونا﴾ پیدا کیا ﴿یعنی ہر شان ایک دوسرے سے ممتاز ہوگئی﴾ اور ہر ایک شان خاص امتیاز اور علیحدہ تشخص کی مقتضی ہوگئی اور خانہ علم کے اندر ان تمیز یافتہ شیونات نے ممکنات کا نام پایا، کیونکہ ممکن اس کو کہتے ہیں جس میں وجود اور عدم دونوں برابر ہوں اور ان شیونات کا بھی یہی حال ہے کیونکہ یہ سب بھی، وجود اور عدم کے درمیان برزخ ہیں، اپنی ذات کی طرف نسبت رکھتے ہوئے ان کا رخ وجود کی طرف ہوتا ہے کیونکہ شیون خارج میں ذات کا عین ہیں اور تمیز اور تشخص کی طرف نسبت رکھتے ہوئے ان کا رخ عدم کی طرف ہے، کیونکہ وجود کی تمیز عدم سے ہوتی ہے 'وبضدها تبين الاشياء' کہ ہر شے ہے ممیز اپنی ضد سے ﴿یعنی ہر چیز اپنی اضداد سے پہچانی جاتی ہے﴾ اور یہ علمی صورتیں خارج میں قطعاً کوئی وجود نہیں رکھتیں اور علم کے خانے سے باہر نہیں آئیں، بلکہ حق سبحانہ وتعالیٰ ان کے آثار واحکام کے ساتھ خارج میں پہچانا جاتا ہے، لہذا یہ صورتیں محض علم میں موجود ہوتی ہیں البتہ ان کے احکام وآثار خارج میں پائے جاتے ہیں، لیکن یہ آثار واحکام خارج میں حق تعالیٰ کی ذات کا عین ہیں، کیونکہ خارج میں احدیت مجردہ کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے لہذا عین ذات کے اعتبار سے مطلق ظہور محض وجود کیلئے اور حکمی طور پر یعنی احکام کی ترتیب کے لحاظ سے مطلق ظہور اشیاء کیلئے ہے اور وہ جو نظر آتا ہے کہ یہ صورتیں خارج میں بھی ﴿موجود﴾ ہیں تو یہ محض ایک توہم ہے اور غلط قسم کا تصور ہے، جیسا کہ ارباب کشف وعرفان کا ذوق

شہادت ﴿گواہی﴾ دیتا ہے اور اس توہم کا باعث یہ ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ان علمی صورتوں کو ظاہر وجود کے ساتھ ایسی نسبت عطا فرما دی ہے جس کی کیفیت نامعلوم ہے اور خلق ﴿پیدا کرنے﴾ سے مراد اس نسبت کو وجود بخشنا ہے اور یہ نسبت خارج میں ان کے نظر آنے کا باعث بن گئی ہے جیسا کہ ایک شخص کی صورت کو اس آئینے کے ساتھ جو اس کے سامنے ہو ایک نسبت پیدا ہو جاتی ہے جو کہ اس آئینے میں اس شخص کی صورت نظر آنے کا سبب بن جاتی ہے، حالانکہ آئینہ ﴿تو کسی کی صورت بھی نہیں ہوتی وہ﴾ تو اسی طرح اپنی بے رنگی اور صفائی پر قائم ہے ﴿جیسی کہ اس سے پہلے تھی﴾ پس حق تعالیٰ سبحانہ اب بھی اسی طرح موجود ہے جیسا کہ ازل میں موجود تھا اور اس کے ساتھ کوئی چیز بھی نہیں ہے۔

﴿معرفت:6﴾

سالک کی سیر کے انواع ومراتب:

شیون! ﴿شان کی جمع﴾ نے علم کے خانہ میں ایک دوسرے سے باہم ممتاز ہونے کے علاوہ کوئی دوسرا رنگ قبول نہیں کیا اور خارج میں جو کچھ ان کے باہمی امتیاز کے علاوہ نظر آتا ہے وہ ان کے خارجی لوازم اور احکام میں سے ہے، یہی وجہ ہے کہ سالک جب اپنے عین ثابتہ تک رسائی حاصل کر لیتا ہے اور وہ عین ثابت اس پر منکشف ہو جاتا ہے تو وہ اس میں خارجی شکلوں کی نوعیت کی کوئی چیز نہیں پاتا اور ممیز شے کے علاوہ کوئی دوسری شے اس پر ظاہر نہیں ہوتی، اگر اس باہمی امتیاز کے علاوہ کوئی دوسرا رنگ بھی موجود ہوتا ہے تو وہ ظاہر ہو جاتا ہے اور اس کا جو

انبساط ﴿پھیلاؤ﴾ نظر آتا ہے تو وہ اس کی وجہ سے ہے کہ وہ متعدد شیونات پر مشتمل ہے اور اس کا کروی ﴿کرہ کی شکل کا گول ہونا﴾ اس وجہ سے ہے کہ بسیط ﴿غیر مرکب﴾ کی طبیعی صورت کروی ہی ہوا کرتی ہے۔

اور بعض مشائخ قدس اللہ اسرارہم نے جو یہ فرمایا کہ سالک کی سیر کا آخری نقطہ وہی اسم ہے جو اس کے تعین کا مبدا ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی سیر کا آخری نقطہ اس کا عین ثابتہ ہوتا ہے اور اس کے تعین سے مراد اس کا خارجی امتیاز ﴿یعنی خارج میں ممیز ہونا﴾ ہے اور اس تعین اور تمیز کا نقطہ آغاز ﴿مبدا﴾ اس کا یہی عین ثابتہ ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ تعین سے مراد علمی تعین ہو اور مبدا سے مراد شان الٰہی ہو، چونکہ شان خارج کے اندر عین ذات ہوتی ہے اور وہ ذات سے ممیز نہیں ہوتی کہ جس سے وہ کسی چیز کا مبدا بن سکتی ہے اور سیر اس پر ختم ہو سکتی ہے۔

اور عین ثابتہ تک رسائی حاصل کر لینے کے بعد اس کی سیر اسی عین ثابتہ ہی میں ہوتی ہے کیونکہ وہ شیونات پر مشتمل ہے جن کی کوئی انتہا ہی نہیں ہے، اس سیر کو ﴿صوفیہ کی اصطلاح میں﴾ سیر فی اللہ کہتے ہیں، چونکہ اس کا علمی تعین ایک ایسا تعین ہے جو مرتبہ جمع میں پایا جاتا ہے اور جن صفات پر وہ مشتمل ہے وہ صفات الٰہی ہیں، صفات کونی نہیں ہیں لہذا یہ در حقیقت سیر فی اللہ ہی ہوتی ہیں، کیونکہ لفظ ’’اللہ‘‘ سے مراد ذات مع صفات کے ہے، صرف ذات احدیت نہیں ہے اور چونکہ ان شیونات الٰہی نے علم کے خانہ میں تعین اور تمیز کا رنگ حاصل کر لیا ہے اور اس نسبت سے وہ

موجود اور معدوم کے درمیان برزخ ﴿درمیانی واسطہ﴾ بن گئی ہیں، لہذا 'سیر فی الاشیا' ﴿اشیاء میں سیر﴾ کو اگر سیر در عالم کہہ دیں تو یہ بھی صحیح ہوسکتا ہے، اسی وجہ سے صوفیا کرام نے فرمایا کہ آخری نقطہ تک رسائی حاصل کر لینے کے بعد بھی نقطہ اول کی طرف واپسی ہوتی ہے اور اس سیر کو ﴿صوفیہ کی اصطلاح میں﴾ سیر فی الاشیاء باللہ ﴿خدا کے ساتھ اشیاء کی سیر کرنا﴾ کہتے ہیں۔

اور جس کو ﴿صوفیہ نے﴾ سیر فی اللہ کہا ہے وہ ﴿دراصل﴾ عاشق کے اندر معشوق کی سیر ہوتی ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ عاشق کو جو کچھ بھی اوصاف اور افعال حاصل تھے چونکہ اس نے ان سب کو معشوق کے حوالے کر دیا ہے اور اپنے آپ کو بالکل خالی کر لیا ہے تو اس کے بعد جو فعل بھی اس سے واقع ہوگا وہ اس کی طرف منسوب نہیں ہوگا بلکہ اس کی نسبت معشوق ہی کی طرف ہوگی اس لئے سیر بھی اسی طرف منسوب ہوگی عاشق کا وجود تو اب بجز ایک مکان کے جس سے مراد محض خلا ہے اور کوئی چیز نہیں ہے، لہذا لامحالہ یہ عاشق کے اندر معشوق ہی کی سیر ہوگی۔

﴿معرفت: 7﴾

مقام تکمیل اور جمع در تشبیہ و تنزیہ:

وہ تشبیہ جو تنزیہ کے بعد ظاہر ہوتی ہے ﴿دراصل﴾ اس کی اپنی عین ثابتہ کا انکشاف ہی ہے اور جو تشبیہ تنزیہ کے ساتھ جمع ہو جاتی ہے وہ یہی تشبیہ ہوتی ہے جو

مرتبہ جمع سے تعلق رکھتی ہے اور جو تشبیہ، ظہور تنزیہ سے پہلے پیش آتی ہے اور مرتبہ فرق و امتیاز سے تعلق رکھتی ہے وہ تنزیہ کے ظہور کے وقت محو اور معدوم ہو جاتی ہے اور ﴿اس میں﴾ تنزیہ کے ساتھ جمع ہونے کی قابلیت نہیں ہوتی۔

اور تشبیہ و تنزیہ کے درمیان جمع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ادراک بسیط کا متعلق ﴿یعنی ادراک بسیط جس سے تعلق رکھتا ہے﴾ جو کہ تنزیہ ہی ہے صفات الٰہیہ کے پردہ میں ﴿جن پر عین ثابتہ مشتمل ہے﴾ نزول کرنے کے بعد تشبیہ بن کر علم میں آتا ہے اور وہ ادراک مرکب کا متعلق بن جاتا ہے ﴿یعنی ادراک مرکب اس سے متعلق ہو جاتا ہے﴾ لہذا تکمیل کا مقام یہی 'جمع بین التشبیہ والتنزیہ' کا مقام ہوتا ہے، کیونکہ صرف تنزیہ والا شخص اس بات پر قادر نہیں ہے کہ وہ اپنی قوت مدرکہ میں ذات کو حاضر کر سکے کیونکہ ذات کا علم ان صفات الٰہیہ کے پردہ کے بغیر جن پر عین ثابتہ مشتمل ہے ہو ہی نہیں سکتا اور عین ثابتہ کا انکشاف اس پر ہوا ہی نہیں، لہذا وہ شخص جسے مطلوب کا علم ہی نہیں وہ دوسروں کو کس طرح اس کی اطلاع دے سکتا ہے اور ﴿ہم﴾ مطلوب حقیقی کو صفات کونیہ کے پردے میں نہیں جان سکتے، کیونکہ صفات کونیہ میں یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ اس کا آئینہ بن سکیں، شاہی عطیات تو شاہی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں۔

فنافی اللہ اسی شخص کو میسر آتی ہے جو اپنے وجود کے ذرہ ذرہ کو تمام چیزوں کا آئینہ سمجھے اور اس میں اشیاء کا مطالعہ کرے اور اس کا ہر ذرہ تمام اشیاء کے رنگ میں رنگا جائے، کیونکہ ذات الٰہیہ کے مرتبہ میں ہر شان، جو فنافی اللہ میں معتبر ہے،

موجود اور معدوم کے درمیان برزخ ﴿درمیانی واسطہ﴾ بن گئی ہیں، لہذ
الاشیا' ﴿اشیاء میں سیر﴾ کو اگر سیر در عالم کہہ دیں تو یہ بھی صحیح ہو سکتا ہے، اسی
صوفیا کرام نے فرمایا کہ آخری نقطہ تک رسائی حاصل کر لینے کے بعد بھی نقط
طرف واپسی ہوتی ہے اور اس سیر کو ﴿صوفیہ کی اصطلاح میں﴾ سیر فی الاش
﴿خدا کے ساتھ اشیاء کی سیر کرنا﴾ کہتے ہیں۔

اور جس کو ﴿صوفیہ نے﴾ سیر فی اللہ کہا ہے وہ ﴿دراصل﴾ عاشق
معشوق کی سیر ہوتی ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ عاشق کو جو کچھ بھی اوصا
افعال حاصل تھے چونکہ اس نے ان سب کو معشوق کے حوالے کر دیا ہے ا
آپ کو بالکل خالی کر لیا ہے تو اس کے بعد جو فعل بھی اس سے واقع ہوگا وہ
طرف منسوب نہیں ہوگا بلکہ اس کی نسبت معشوق ہی کی طرف ہوگی اس لئے
اسی طرف منسوب ہوگی عاشق کا وجود تو اب بجز ایک مکان کے جس سے مراد مح
ہے اور کوئی چیز نہیں ہے، لہذا لامحالہ یہ عاشق کے اندر معشوق ہی کی سیر ہوگی۔

﴿معرفت: 7﴾

مقام تکمیل اور جمع در تشبیہ و تنزیہ:

وہ تشبیہ جو تنزیہ کے بعد ظاہر ہوتی ہے ﴿دراصل﴾ اس کی اپنی عین
انکشاف ہی ہے اور جو تشبیہ تنزیہ کے ساتھ جمع ہو جاتی ہے وہ یہی تشبیہ ہوتی

مرتبہ جمع سے تعلق رکھتی ہے اور جو تشبیہ، ظہور تنزیہ سے پہلے پیش آتی ہے اور مرتبہ فرق و امتیاز سے تعلق رکھتی ہے وہ تنزیہ کے ظہور کے وقت محو اور معدوم ہو جاتی ہے اور ﴿اس میں﴾ تنزیہ کے ساتھ جمع ہونے کی قابلیت نہیں ہوتی۔

اور تشبیہ و تنزیہ کے درمیان جمع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ادراک بسیط کا متعلق ﴿یعنی ادراک بسیط جس سے تعلق رکھتا ہے﴾ جو کہ تنزیہ ہی ہے صفات الٰہیہ کے پردہ میں ﴿جن پر عین ثابتہ مشتمل ہے﴾ نزول کرنے کے بعد تشبیہ بن کر علم میں آتا ہے اور وہ ادراک مرکب کا متعلق بن جاتا ہے ﴿یعنی ادراک مرکب اس سے متعلق ہو جاتا ہے﴾ لہذا تکمیل کا مقام یہی 'جمع بین التشبیہ والتنزیہ' کا مقام ہوتا ہے، کیونکہ صرف تنزیہ والا شخص اس بات پر قادر نہیں ہے کہ وہ اپنی قوت مدرکہ میں ذات کو حاضر کر سکے کیونکہ ذات کا علم ان صفات الٰہیہ کے پردہ کے بغیر جن پر عین ثابتہ مشتمل ہے ہو ہی نہیں سکتا اور عین ثابتہ کا انکشاف اس پر ہوا ہی نہیں، لہذا وہ شخص جسے مطلوب کا علم ہی نہیں وہ دوسروں کو کس طرح اس کی اطلاع دے سکتا ہے اور ﴿ہم﴾ مطلوب حقیقی کو صفات کونیہ کے پردے میں نہیں جان سکتے، کیونکہ صفات کونیہ میں یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ اس کا آئینہ بن سکیں، شاہی عطیات تو شاہی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں۔

فنافی اللہ اسی شخص کو میسر آتی ہے جو اپنے وجود کے ذرہ ذرہ کو تمام چیزوں کا آئینہ سمجھے اور اس میں اشیاء کا مطالعہ کرے اور اس کا ہر ذرہ تمام اشیاء کے رنگ میں رنگا جائے، کیونکہ ذات الٰہیہ کے مرتبہ میں ہر شان، جو فنافی اللہ میں معتبر ہے،

تمام شیونات پر مشتمل ہے، کیونکہ وہ ذات سے ممیّز اور الگ نہیں ہیں لہذا جس طرح ذات، سب پر مشتمل ہے اسی طرح اس کی شان بھی سب پر مشتمل ہے، لہذا سالک اپنے ہر ذرہ جامعہ کو ہر شان جامع میں فانی کر دیتا ہے اور وہ ہر ذرہ کی بجائے شیون الٰہیہ میں سے کسی ایک شان کو موجود پاتا ہے اگر چہ وہ اس کی تفصیل سے واقف نہ ہو سکے، لہذا جب تک اس کا ہر ذرہ جامعیت کی صفت پیدا نہ کر لے اس کو اس فنا کی قابلیت حاصل نہیں ہوتی اور بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنی قدرت مدرکہ کی کمزوری کی بنا پر اپنی جامعیت کا ادراک نہیں کر سکتے، اگر چہ ان میں در حقیقت یہ کمال موجود ہوتا ہے اور وہ فنا فی اللہ کے ساتھ مشرف ہو جاتے ہیں اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ جو کوئی بھی اس جامعیت کو حاصل کر لے وہ ضروری ہی فنا فی اللہ ہو جائے اور یہ اللہ کا فضل و انعام ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

معرفت: 8

وحدت ذاتی وصفاتی وافعالی:

حق تعالیٰ وسبحانہ کا فعل اور صفت بھی اس کی ذات کی طرح یگانہ ہے جس میں کثرت کی گنجائش قطعاً نہیں ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ چونکہ حق تعالیٰ وتقدس کی ذات نے بہت سے ایسے امور کے ساتھ جو ایک دوسرے سے ممیّز ہیں تعلق پیدا کر لیا ہے اس لئے اس کے فعل اور صفت نے بھی ان کے ساتھ تعلق پیدا کر لیا ہے،

کیونکہ یہ دونوں خارج میں عین ذات ہیں، لہذا جس طرح حق تعالیٰ کی ذات متعدد اشیاء کے ساتھ تعلق رکھنے کی وجہ سے متعدد ذاتیں دکھائی دیتی ہے اسی طرح اس کا فعل اور صفت بھی اسی تعلق کی بنا پر متعدد اور متکثر نظر آتا ہے، مثلاً حق تعالیٰ و سبحانہ کا فعل ازل سے لیکر ابد تک ایک ہی فعل ہے 'وما امرنا الا واحدۃ کلمح بالبصر' ﴿اور ہمارا امر صرف ایک ہی ہے جیسا کہ آنکھ کا جھپکنا﴾ لیکن چونکہ اس فعل کا تعلق متعدد اشیاء کے ساتھ ہوتا ہے، لہذا وہ فعل بھی متعدد نظر آتا ہے اور جیسا کہ حق تعالیٰ کی ذات تمام اضداد کی جامع ہے اسی طرح اس کا فعل اور صفت بھی جامع اضداد ہیں، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے لہذا وہی ایک فعل کسی مقام پر حیات بخشی کی صورت میں ظہور فرماتا ہے اور دوسری جگہ میں موت طاری کرنے کے رنگ میں ظاہر ہوتا ہے اور کسی مقام میں اسی فعل کو اکرام وانعام کہتے ہیں اور دوسرے مقام میں الم رسانی اور انتقام کے نام سے پکارتے ہیں۔

اسی طرح کلام جو حق تعالیٰ سبحانہ کی صفت ہے وہ بھی یگانہ ہے اور ازل سے لیکر ابد تک وہ اسی ایک کلام کے ساتھ متکلم ہے کیونکہ گونگا ہونا یا خاموش ہونا تو اس کی بارگاہ جل ذکرہ کیلئے جائز نہیں ہو سکتا اور وہی ایک کلام مختلف مواقع کی صورت میں نظر آتا ہے کبھی اسے امر کہتے ہیں اور کبھی نہی کہتے ہیں اور کبھی اسم اور کبھی حرف کہتے ہیں، وعلیٰ ہذا القیاس۔

اور وہ جو علما نے کہا کہ 'لا یجری علیہ تعالیٰ زمان' ﴿یعنی حق تعالیٰ پر زمانے کے احکام جاری نہیں ہوتے﴾ اس صورت میں یہی ہے کہ کیونکہ حق تعالیٰ وسبحانہ کے سامنے تو

ازل سے ابد تک آن واحد ہے جو حاضر ہے اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے ماضی اور مستقبل کا کوئی وجود نہیں ہے لیکن چونکہ اسی ایک آن ﴿گھڑی﴾ میں متعدد امور کا ظہور ہوتا ہے اور لوح ہستی پر مختلف چیزیں نظر آتی ہیں لہذا اس تعلق کی وجہ سے وہی ایک آن ﴿گھڑی﴾ بیشمار آنوں اور متعدد زمانوں کی صورت میں نظر آتی ہے۔

اسی طرح حق تعالیٰ وسبحانہ کا وجود جو اس کی ذات کا عین ہے، بسیط حقیقی، ہے جس میں مرکب ہونے کا کوئی شائبہ بھی نہیں ہوسکتا اور نقطہ کی طرح اس میں بالکل بھی تجزی اور تقسیم جاری نہیں ہوسکتی لیکن بیشمار اشیاء کے ساتھ تعلق رکھنے کی وجہ سے منبسط ﴿پھیلاؤ والا﴾ اور مسطح ﴿سطح کی طرح فراخ اور وسیع﴾ نظر آتا ہے۔

یہاں یہ اعتراض نہ کیا جائے جب کہ یہ علمی صورتیں اس وجہ سے کہ ان کے ساتھ ذات کی نسبت کا ثبوت ہوجاتا ہے تو اس طرح نظر آنے لگتی ہیں کہ گویا ذات کے آئینے میں مقیم اور ثابت ہیں ور اسی طرح یہ علمی صورتیں اسماء اور صفات کے آئینے بھی ہیں اور یہ اسماء اور صفات جو ان میں سے ہر ایک کے آئینے میں ظاہر ہوتی ہیں اور اسی چیز کی ایک خالص صورت ہوتی ہیں لہذا اس سے لازم آتا ہے کہ ذات میں شے کو غیر .. شے فرض کیا جائے اور انقسام ﴿تقسیم ہوجانے﴾ اور تجزی ﴿اجزاء بن جانے﴾ کے بھی یہی معنی ہوتے ہیں، اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس اشکال کا جواب چند مقدمات پر مبنی ہے۔

پہلا مقدمہ:

تو یہ ہے کہ نقطہ موجود ہوتا ہے اور وہ کسی طریقہ پر بھی انقسام اور تجزی

﴿تقسیم ہو جانے اور جزو جزو بن جانے﴾ کے قابل نہیں ہوتا، جیسا کہ حکمائے محققین اور ان کے علاوہ دوسرے حضرات نے فرمایا ہے۔

دوسرا مقدمہ:

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ دلائل سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ دائرہ کا مرکز ﴿ہمیشہ﴾ نقطہ ہی ہوتا ہے جو کسی طرح بھی انقسام ﴿تقسیم ہو جانے﴾ کو قبول نہیں کرتا ہے۔

تیسرا مقدمہ:

تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ دلائل سے یہ بات بھی ثابت ہو چکی ہے کہ دائرہ کے مرکز میں ایسے خطوط کا نکالنا ممکن ہے جو دائرہ کے محیط تک جا کر ختم ہوں، بلکہ یوں کہئے کہ وہ محیط کے نقطوں پر جا کر ختم ہوں، کیونکہ جس طرح خط کا مبدا نقطہ ہوا کرتا ہے اسی طرح خط کا منتہا بھی نقطہ ہی ہوا کرتا ہے۔

پس جب تینوں مقدمات معلوم ہو گئے تو اب سمجھئے کہ جب نقطہ سے بیشمار خطوط نکل سکنے اور حقیقی کثرت کا مبدا بن سکنے کے باوجود نقص نہیں آ سکتا اور وہ اسی طرح اپنے غیر منقسم ہونے کی کیفیت پر باقی رہتا ہے تو اگر حق تعالیٰ وسبحانہ کا وجود بھی کثرت وہمی کا مبدا بن جائے اور اس کی ذات کے آئینوں میں کثیر اشیا موجود اور ثابت محسوس ہوں تو اس کی بساطت ﴿غیر مرکب ہونے﴾ میں کوئی نقص لازم نہیں آتا اور وہ بطریق اولیٰ اپنی وحدت محضہ پر برقرار رہتا ہے، پاک ہے وہ ذات جو اپنی ذات، صفات اور اپنے اسماء میں موجودات کے حادث ہونے کی وجہ سے کسی

تغیر کو قبول نہیں کرتی۔

حضرت شیخ اکبر نے فتوحات مکیہ میں فرمایا ہے کہ ہر وہ خط جو ﴿مرکز کے﴾ نقطہ سے محیط کی طرف نکلتا ہے وہ اپنی طرح کے دوسرے تمام خطوط کے برابر ہوتا ہے اور محیط کے نقطہ کی طرف ہی ختم ہوتا ہے اور نقطہ ﴿یعنی مرکز کا نقطہ جس سے یہ تمام خطوط نکلتے ہیں﴾ باوجود ان خطوط کی کثرت کے جو اس سے محیط کی طرف نکل رہے ہیں، اپنی ذات میں زیادت و کثرت قبول نہیں کرتا، لہذا اس سے ثابت ہوگیا کہ ایک شے سے جو واحد متعین شے اپنی ذات میں کثرت کو قبول نہیں کرتی اس سے کثرت صادر ہوسکتی ہے، پس جس کسی نے یہ بات کہی ہے کہ واحد چیز سے واحد چیز ہی صادر ہوسکتی ہے۔ وہ غلط ہے۔

﴿معرفت: 9﴾

موہوب حقانی کا وجود:

موہوب حقانی کے وجود سے مراد اس کے عین ثابتہ کا منکشف ہونا ہے، یعنی محض حق سبحانہ کے فضل اور مہربانی سے کونی تعینات کے فنا ہو جانے کے بعد اس پر یہ بات ظاہر ہوگئی ہے کہ اس کا تعین وہی بسیط ﴿غیر مرکب﴾ تعین ہے جس کا تعلق مرتبہ جمع سے ہے۔

﴿معرفت: 10﴾

حقیقت محمدی ﷺ سے مراد:

ذات کی تجلی سے مراد، ذات کا ظہور ہے اور کسی چیز کا ظہور بغیر تعین اور ممیز ہونے کے ناممکن ہے، لہذا ذات کی تجلی اور ظہور، تعین ہی کے ساتھ ہو سکتا ہے اور یہ تعین اول ہی ہے جو تمام تعینات میں سب سے وسیع تر اور عظیم تر ہے اور اس کو وحدت کہتے ہیں اور وہ اسم جو آں سرور کائنات ﷺ ﴿آپ پر کامل ترین درودیں اور مکمل ترین سلام ہوں﴾ کا مبداء تعین ہے، یہی وحدت ہے اور چونکہ سالک کی سیر کی انتہا سے مراد اسکا اس اسم تک رسائی حاصل کرنا ہے جو اس کا مبداء تعین ہوا، لہذا تجلی ذات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا خصوصی امتیاز ہوگی اور وہ تعین جو تمام اسماء نسبتوں اور اعتبارات کے بغیر کسی باہمی امتیاز کے اجمالی طور پر مشتمل ہے اس نے واحدیت کے مرتبہ میں تفصیل اور تمیز پیدا کر لی ہے اور اس کی وہ اقسام پیدا ہو گئی ہیں جو تمام مخلوقات کے تعینات کا مبداء ہیں اور وہ اسما جو تمام مخلوقات کے تعینات کا مبدا ہیں ان سے مراد وہ صفات اور اسماء ہیں جو اس تعین کے تحت مندرج رہی ہیں وہ جنہوں نے واحدیت کے مرتبہ میں تفصیل حاصل کر لی ہے لہذا دوسرے سالکوں کی سیر کی انتہا انہی اسما اور صفات تک ہوتی ہے، اس لئے دوسروں کو صفاتی اور اسمائی تجلی حاصل ہوتی ہے اور یہ بات کہ تجلی ذاتی اسی اسم کے پردے میں ہوا کرتی ہے جو صاحب تجلی کا مبداء تعین ہوا کرتا ہے، اس کا یہی مطلب ہے۔

لہذا حقیقت محمدی کل ہوگی اور باقی موجودات کے حقائق اس کے اجزا ہونگے اور جو جماعت اطاعت مصطفوی ﷺ کی سعادت سے بہرہ مند ہو چکی ہو اور اتباع کے کمال تک پہنچ چکی ہو اسے بھی اسی مناسبت اور متابعت کی وجہ سے تجلی ذاتی سے

کچھ حصہ نصیب ہو جاتا ہے، چونکہ ان پر یہ بات منکشف ہو گئی ہے کہ ان کی حقیقت خود تمام موجودات کی حقیقتوں کا عین ہے لہذا انہیں اقسام کے تمایز ﴿باہمی امتیاز﴾ اور تفصیل کی تنگی سے رہائی حاصل ہو گئی ہے، گویا کہ ان کا مشہود بھی اقسام کے پردہ کے بغیر وہی مقسم ہے اور ان کے مبادی تعینات بھی وہی مقسم ہے اقسام نہیں ہیں۔

مثال کے طور پر اسم کو لیجئے جو اس کے پردہ میں کہ وہ فی نفسہ ﴿خود بخود﴾ اپنے مفہوم پر دلالت کرتا ہے اور وہ کسی زمانے کے ساتھ ملا ہوا نہیں ہوتا ایک خاص انداز کا کلمہ ہوتا ہے اور یہی وہ پردہ کلمہ کی باقی تمام اقسام سے اس کے تعین اور تمیز کا مبدا ہوا کرتا ہے لیکن جب اس نے اپنے آپ کو فعل اور حرف کا عین پایا اور تفصیل اقسام اور باہمی امتیاز کی تنگی سے اسے نجات حاصل ہو گئی تو اب اس نے اپنا مبداء تعین خود اسی کلمہ کو پایا نہ کہ اس کی کسی قسم کو۔

﴿معرفت: 11﴾

خارجی صورتوں اور اشکال کا علمی صورتوں کے ساتھ تعلق:

اشیاء کی علمی صورتوں سے مطلب ان کا بارگاہ علم میں ایک دوسرے سے ممتاز ہونا ہے اور وہ جو محققین صوفیہ نے ﴿خدا تعالیٰ ان کی تعداد کو بڑھائے﴾ فرمایا ہے کہ اشیاء کی صورتیں محض علم ہی میں ہوتی ہیں اور ان کے احکام اور آثار خارج میں پائے جاتے ہیں تو اس بات کا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں کا باہمی امتیاز علم ہی میں ہوتا ہے اور خارج میں حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ اپنی وحدت ذاتیہ پر ہے، جو ان

چیزوں کے احکام و آثار میں ظاہر ہوا ہے اور یہ مطلب نہیں ہے کہ علمی صورتوں سے مراد یہی صورتیں اور شکلیں ہیں جو خارج میں ظاہر ہوتی ہیں کیونکہ یہ صورتیں بھی ان علمی صورتوں کے مقتضیات میں سے ہیں، ان کا عین نہیں ہیں۔

مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ ہر علمی تمیز ﴿دوسرے سے ممتاز ہونا﴾ ایک خاص شکل کا مقتضی ہوتا ہے کہ وہ چیز سیدھی ہے یا ٹیڑھی ہے، سیدھی کھڑی ہے یا کبڑی ہو کر کھڑی ہے اور یہ چیزیں ان علمی صورتوں کے آثار ہیں جیسا کہ گرم ہونا، ٹھنڈا ہونا، خشک ہونا، تر ہونا، ہلکا ہونا، بھاری ہونا، لطیف ہونا اور کثیف ہونا یہ سب ان کے احکام و آثار ہیں اور چونکہ ہر شان جو علم کے اندر تمیز حاصل کرتی ہے وہ بے انتہا شیونات پر مشتمل ہوتی ہے اس لئے لامحالہ علمی صورتوں میں ہر شان کے مطابق بے انتہا تمیزات پیدا ہو گئے اور ہر تمیز ایک الگ حکم اور الگ اثر کا مقتضی ہو گیا اور خارج میں ایک ایسی نامعلوم الکیفیت نسبت کی وجہ سے جو ان چیزوں کو ذات کے ساتھ حاصل ہو گئی ہے ایسا نظر آتا ہے کہ ان کا یہ باہمی امتیاز خارج میں ہے چنانچہ قوت بینائی، قوت سماعت سے الگ ہوئی اور خارج میں ممتاز ہو گئی اور اسی طرح قوت ذائقہ چکھنے کی طاقت، قوت شامہ سونگھنے کی طاقت سے اور اسی طرح دوسری قوتیں بھی ایک دوسرے سے ممتاز ہو گئیں۔

لہذا یہ تعین اور تمیز جو علم کے درجے میں ہے اور اسی کو ممکن کی حقیقت اور اس کا عین ثابتہ کہہ دیتے ہیں اس کا تعلق مرتبہ جمع سے ہوتا ہے اور ان کے یہ احکام و آثار جو شکلوں وغیرہ کی قسم سے خارج میں پائے جاتے ہیں ان کا تعلق مرتبہ فرق

سے ہے کیونکہ وہ اسی تمیز کے ذریعے سے پیدا ہوئے ہیں اور ان کے ظہور کا منشا یہی فرق ہے جو کچھ مرتبہ جمع سے تعلق رکھتا ہے، وہ حقائق کونی سے متعلق ہے اگرچہ یہ دونوں مرتبے خود ذات ہی میں مندرج ہیں لیکن ان میں سے دوسرے مرتبہ کا اندراج پہلے مرتبے کے واسطے سے ہوتا ہے، بالذات نہیں ہوتا، لہذا اول مرتبہ چیز کی قسم کے طور پر ہے اور دوسرا چیز کی قسم کی قسم کے طور پر ہے، جب سالک فرق کے تمام مراتب کو طے کر کے جمع کے مرتبہ میں یعنی اپنی عین ثابتہ کے مرتبہ میں پہنچتا ہے تو اس وقت تجلی ذاتی اس کے حق میں اس کے عین ہی کا انکشاف ہوا کرتی ہے، واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم.

﴿معرفت: 12﴾

ذاتِ حق میں یقین کے تین مراتب:

حق سبحانہ کی ذات کے بارے میں علم الیقین حاصل ہونے سے مراد ان آیات ﴿نشانیوں﴾ کا شہود ہے جو حق جل جلالہ کی ذات پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ ذات کا شہود و حضور تو صرف اس نفس میں ہوتا ہے جس کیلئے تجلی ہوئی ہو اس کے سوا کہیں اور نہیں ہوسکتا، سالک جو کچھ اپنے خارج میں مشاہدہ کرتا ہے وہ سب آثار اور دلائل ہی ہوتے ہیں، کیونکہ تعینات ذات حق جل جلالہ پر دلالت کرتے ہیں لہذا وہ تجلیات جو صورتوں اور انوار کی شکل میں ہوتی ہیں متجلّٰی لہ کی صورت کے سوا ہوتی ہیں، وہ علم الیقین میں داخل ہیں، جو صورت بھی ہو اور جو

نور بھی ظاہر ہو خود وہ نور رنگین ہو یا بے رنگ اس سلسلے میں سب برابر ہیں، حضرت مخدومی مولوی عبد الرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ شرح لمعات میں اس شعر کی تشریح میں فرماتے ہیں ۔

اے دوست ترا بہ ہر مکاں می جستم
ہر دم خبرے از این و آں می جستم

ڈھونڈتا پھرتا تھا میں اے دوست تجھ کو جابجا
اور تھا ہر ایک سے تیری خبر میں پوچھتا

یہ شعر مشاہدہ آفاقی کی طرف اشارہ ہے جو علم الیقین کا فائدہ دیتا ہے اور یہ شہود آفاقی چونکہ خود مقصود سے کوئی خبر نہیں دیتا اور اس کا حضور عطا نہیں کرتا، صرف آثار و علامات ہی کے ذریعہ سے اس کا علم بخشتا ہے جیسا کہ دھواں اور حرارت استدلال اور آثار علامات ہونے کے سوا آگ کے موجود ہونے کا فائدہ نہیں دیتے تو لامحالہ یہ شہود علم کے دائرہ سے باہر نہیں ہے اور عین الیقین کا فائدہ نہیں دے سکتا۔

①...... حضرت قطب الاقطاب ناصر الدین خواجہ عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ سیر دو طرح کی ہوتی ہے، ایک سیر مستطیل اور دوسری سیر مستدیر، سیر مستطیل دوری در دوری ﴿بہت دور کی سیر﴾ ہے اور سیر مستدیر قرب در قریب ﴿یعنی بہت ہی قریب کی سیر﴾ ہے سیر مستطیل تو یہ ہے کہ مقصود کو اپنے دائرہ سے باہر تلاش کیا جائے اور سیر مستدیر خود اپنے دل کے گرد گھومنا اور اپنے ہی اندر سے مقصود کو تلاش کرنا ہے۔

②...... عین الیقین سے مراد بندہ کو اس کے اپنے تعین کا حجاب اٹھ جانے کے بعد

حق سبحانہ وتعالیٰ کا شہود حاصل ہونا ہے اور اس بلند مرتبہ جماعت ﴿صوفیہ﴾ کے نزدیک اس شہود کو ادراک بسیط سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، یہ ادراک عام لوگوں کو بھی حاصل ہوتا ہے لیکن فرق یہ ہے کہ خواص کیلئے حق سبحانہ وتعالیٰ کے غیر کا وجود انکی آگاہی میں رکاوٹ نہیں ہے اور ان کے شہود کی آنکھوں میں حق سبحانہ وتعالیٰ کے سوا کوئی چیز مشہود نہیں ہوتی ہے، عوام کی حالت اس کے برعکس ہوتی ہے اور یہ ادراک علم کے منافی ہے، وہاں تو حیرت ہی حیرت ہے جیسا کہ علم اور شہود ﴿عین الیقین﴾ کے منافی ہے، اسی طرح عین الیقین اس علم الیقین کا حجاب ہے جیسا کہ شیخ اکبر رضی اللہ عنہ نے کتاب الحجب میں بیان فرمایا ہے کہ علم الیقین عین الیقین کا حجاب ہے اور عین الیقین علم الیقین کا حجاب ہے اور دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ اس شخص کی نشانی جسے کماحقہ معرفت حاصل ہو چکی ہے، یہ ہے کہ جب وہ اپنے سر کی طرف رجوع کرتا ہے تو اسے اس کا کوئی علم حاصل نہیں ہوتا، ایسا ہی شخص معرفت میں کامل ہوتا ہے جس کے اوپر معرفت کا کوئی درجہ نہیں ہے۔

③...... حق الیقین سے مراد حق تعالیٰ جل شانہ کا اس کی ذات کے ساتھ شہود ہے اور حق سبحانہ کو خود اپنا عین جاننا ہے اور یہ حق الیقین بقاء باللہ کی صورت میں حاصل ہوتا ہے کہ فنائے حقیقی کے متحقق ہو جانے کے بعد حق سبحانہ اسے اپنے پاس سے موہوب حقانی کے وجود سے مشرف فرما دیتا ہے، یہاں پہنچ کر علم اور عین ایک دوسرے کے حجاب نہیں رہتے وہ عین شہود میں عالم ہوتا ہے اور عین علم میں شاہد ﴿صاحب شہود ہوتا ہے﴾ اور یہ تعین جسے ﴿صوفیہ﴾ عین حق سمجھتے ہیں، اس مرتبہ میں

تعین کونی نہیں ہے، کیونکہ اس کا تو کوئی نشان ہی باقی نہیں رہا بلکہ یہ تعین حقانی ہوتا ہے جسے اکابر کے ہاں وجود موہوب حقانی کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا اور جو صوری تجلیات والے حضرات اپنی صورتوں اور تعینات کو حق مانتے ہیں وہ تعینات کونی ہوتے ہیں کیونکہ ان پر کوئی فنا طاری نہیں ہوتی اور یہ فرق چونکہ بعض متوسطین راہ پر واضح نہیں ہوسکا تو انہوں نے خیال کرلیا کہ اکابر صوفیہ حق الیقین میں بھی انہی تعینات کونی کو حق جانتے ہیں اور ان کی یہ جہالت اکابر قدس اللہ اسرارھم پر طعن کرنے کا باعث بن گئی ہے اور انہوں نے گمان کرلیا ہے کہ ہمیں پہلے ہی قدم میں جو تجلی صوری کا مقام ہے اور جسے کشف ملکوت سے تعبیر کرتے ہیں، یہ حق الیقین حاصل ہوجاتا ہے۔

﴿معرفت: 13﴾

صوفیہ اور متکلمین میں معرفت کے متعلق اختلافات:

معرفت خداوندی عزوجل صوفیا کرام اور اکثر متکلمین کے نزدیک بالاتفاق واجب ہے، خدا تعالیٰ ان کی مساعی کو مشکور فرمائے لیکن ﴿صوفیہ و متکلمین کا﴾ اس طریقہ میں اختلاف ہے جو معرفت کی طرف پہنچانے والا ہے، صوفیا کرام فرماتے ہیں کہ معرفت کا طریقہ ریاضت اور تصفیہ باطن ہے اور متکلمین جن کا تعلق اشاعرہ اور معتزلہ سے ہے فرماتے ہیں، اس کا طریقہ غور وفکر اور استدلال ہے۔

اور اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ ان دونوں جماعتوں کے درمیان جو جھگڑا

ہے وہ صرف لفظی ہے یعنی اختلاف محض لفظ معرِفت کی تفسیر پر مبنی ہے، صوفیا کرام تو معرفت سے ایسی بسیط ذات کی دریافت مراد لیتے ہیں جس کا تعلق وجدان سے ہے ﴿اور ظاہر ہے﴾ کہ یہ تصدیق ایمانی کی صورت سے مختلف چیز ہے اور متکلمین معرفت سے تصدیق ایمانی کی صورت مراد لیتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلے معنیٰ کے لحاظ سے معرفت حاصل کرنے کا طریقہ ریاضت اور تصفیہ باطن ہی ہے اور تصدیق ایمانی کی صورت کے حاصل کرنے کا طریقہ غور وفکر اور استدلال ہی ہوسکتا ہے اور جو علما نے فرمایا ہے کہ سب سے پہلی چیز جو ایک مکلّف آدمی پر واجب ہے وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے تو وہاں معرفت سے مراد دوسرے معنیٰ کی معرفت ہی ہے پہلے معنیٰ کی نہیں، کیونکہ پہلے معنیٰ کے لحاظ سے معرفت کا حصول حق الیقین میں ہوتا ہے جو اہل اللہ کے کمال کا آخری نقطہ ہے، نیز ان دونوں معرفتوں کا فرق ایک دوسری عبارت میں بیان کرتا ہوں۔

صوفیا کرام کی معرفت کو حق تعالیٰ وسبحانہ کے ساتھ علمِ حضوری سے تعبیر کرتے ہیں اور جو کہ فنا اور بقا کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے، اس معرفت کو **پہچاننے** اور پالینے ﴿شناختن اور یافتن﴾ سے تعبیر کرتے ہیں اور متکلمین کی معرفت سے مراد حق تعالیٰ وسبحانہ کا علمِ حصولی ہے اور جو غور وفکر اور استدلال کا نتیجہ ہوتا ہے، اس کی توضیح یہ ہے کہ ہر وہ علم جو خارج سے حاصل ہو اس سے مراد شے معلوم کی صورت کا حصول ہوتا ہے، یوں کہیے کہ صاحب علم کی قوت مدرکہ میں اس کی جو صورت حاصل ہوتی ہے……اس علم کو علمِ حصولی کہتے ہیں اور جس علم کی یہ کیفیت

نہ ہو یعنی وہ خارج سے حاصل نہ ہو بلکہ خود صاحب علم کی ذات سے متعلق ہو اس علم کو علمِ حضوری کہتے ہیں اور جب عارف اپنی ذات وصفات کی فنا کے بعد بقا باللہ سے مشرف ہو جاتا ہے اور اس کی انا یعنی ہستی اس کے وجود کونی سے بالکل ہی بے تعلق ہو جاتی ہے اور حقیقت پر مطلع ہو جاتی ہے تو وہ لامحالہ علمِ حصولی سے علمِ حضوری کے مرتبہ میں منتقل ہو جاتا ہے اور دانستن ﴿جاننے سے﴾ یافتن ﴿پالینے﴾ کے درجہ میں رسائی حاصل کر لیتا ہے، کیونکہ یافت ﴿پالینا﴾ یابندہ ﴿پانے والے﴾ کی ذات سے باہر نہیں ہوتی۔

ازالہ وہم:

معاذ اللہ! اس جگہ کوئی سادہ لوح آدمی حلول اور اتحاد کا مفہوم نہ سمجھ لے اور اکابرین کے ساتھ کسی قسم کی بدگمانی ظاہر نہ کرے یا بد اعتقادی کے بھنور میں پھنس کر ہلاک نہ ہو جائے، معلوم ہونا چاہئے کہ ولایت کا انداز عقل اور فکر کے انداز سے بلند ہے اور اس کا طریقہ کشفِ صحیح ہے، غور و فکر اور استدلال کی اس مقام میں گنجائش نہیں ہے ؂

پائے استدلالیاں چوبیں بود
پائے چوبین سخت بے تمکیں بود
پاؤں استدلال کے ہیں چوب کے
کوئی ان پر کب بھروسا کر سکے

حکما اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے حق سبحانہ وتعالیٰ کی ذات کی معرفت کے انکار کے سلسلہ میں جو کچھ کہا ہے تو وہ معرفت تصدیقِ ایمانی کی صورت میں ہے چنانچہ ان کے انکار کے دلائل سے یہی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ ”حق تعالیٰ کی ذات کی معرفت خواہ بداہت کے ساتھ ہو یا غور وفکر کے ساتھ دونوں کی دونوں باطل ہیں۔“

اس مبحث کی تفصیل علمِ کلام کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے نیز انہوں نے معرفتِ ذات کے انکار سے ذات کی کنہ اور حقیقت مراد لی ہے اور نہ کہ معرفت بوجہ ﴿کسی ایک طرح کی معرفت﴾ کیونکہ معرفتِ ذات بوجہ تو سب ہی کو حاصل ہے جیسا کہ جب ﴿مثلاً﴾ ذات کی معرفت وصفِ خالقیت کے ساتھ یا رزاقیت کے ساتھ جانتے ہیں، جیسا کہ ان حضرات نے کہا ہے۔

واضح رہے کہ کسی چیز کی ایک گونہ معرفت ﴿معرفت بوجہ﴾ اور وجہ شے ﴿حقیقت شے﴾ کی معرفت میں بڑا فرق ہے اور یہاں جو ہم بحث کر رہے ہیں وہ درجہ ذات کی معرفت میں کر رہے ہیں، نہ کہ معرفت ذات بوجہ ﴿ایک گونی معرفت﴾ میں، اگر کوئی کہے کہ یہ توجیہ فعل خلق اور فعل رزق میں تو مسلم ہے کیونکہ کہہ سکتے ہیں کہ معلوم فعل خلق ہے نہ کہ ذات مع فعل خلق، لیکن یہ بات خالقیت میں صحیح نہیں ہو سکتی کیونکہ خالقیت کے معنی تو اس ذات کے ہوتے ہیں جس کے لئے فعل خلق ثابت ہے تو ذات بھی اس صفت کے ساتھ معلوم ہوگئی۔

میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ ذات سے مراد یا تو ذات کا مفہوم

ہے یا مصداق، اگر مفہوم ہے تو وہ عرض عام ہے، لہذا معلوم ہونے والی چیز وہی وجہ ہے نہ کہ ذات، اگر مراد مصداق ہے تو اس کا علم کنہ ذات کے علم کو مستلزم ہے، کیونکہ چیز کی حقیقت اور کنہ سے مراد خود وہی چیز ہے لہذا بالفرض اگر اس علم کا تعلق حق تعالیٰ کی ذات سے ہو تو لازمی طور پر وہ حق تعالیٰ کی ذات کی کنہ ﴿حقیقت﴾ کا علم ہوگا، کیونکہ ذات نہ متجزی ہے نہ متبعض ہے ﴿یعنی نہ اس کے جزو ہو سکتے ہیں نہ ٹکڑے ہو سکتے ہیں﴾ کہ اس کا کچھ حصہ معلوم ہوا اور دوسرا کچھ حصہ معلوم نہ ہوا بلکہ وہ تو بسیط حقیقی ﴿حقیقتاً غیر مرکب﴾ ہے، لہذا جب فرض کر لیا جائے کہ علم اس کی ذات سے متعلق ہے تو اس سے اس کی ذات کی کنہ ﴿یعنی حقیقت﴾ کا علم لازم آتا ہے برخلاف مخلوقات کے کہ ان کا ایک گونہ علم ان کی کنہ ﴿حقیقت﴾ کے علم کو مستلزم نہیں ہے، بلکہ ان کی حقیقت میں سے کچھ اس وجہ ﴿ایک گونہ علم﴾ کے ضمن میں معلوم ہو جاتا ہے اور کنہ ﴿حقیقت﴾ سے مراد تو پوری حقیقت ہوا کرتی ہے مثلاً انسان کو ایسی چیز کی وجہ سے جان لینا جو اس کی حرکت ہو اس سے انسان کی حقیقت کا کچھ حصہ ہی معلوم ہو سکتا ہے نہ کہ اس کی وہ کنہ اور حقیقت جس سے مراد اس کی پوری حقیقت ہے، ایسے ہی مثلاً اس کا ہنسنا جس کا منشا اس کا تعجب ہے وہ عجیب امور کے ادراک کر لینے پر دلالت کرتا ہے اس سے بھی انسان کی حقیقت کا ایک جزو ہی معلوم ہو سکتا ہے۔

حاصل یہ کہ جہاں کہیں حقیقت اجزا بننے اور حصے ہونے ﴿تبعض و تجزی﴾ کے قابل ہو وہاں کسی چیز کا ایک گونہ علم کنہ ﴿حقیقت﴾ کے علم کو مستلزم نہیں ہوتا اور جہاں کہیں وہ چیز بسیط حقیقی ﴿غیر مرکب﴾ ہو جو کسی طرح پر بھی حصے ہونے کو

قبول نہ کر سکے تو اگر علم اس سے متعلق ہوگا وہ کیسا ہی علم کیوں نہ ہو اس کی کنہ معلوم ہو جائے گی جیسا کہ ذات واجب تعالیٰ ہے اور کنہ ﴿ذات حق کی حقیقت﴾ کی معرفت محال ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، لہذا حق جل وعلا کی ذات کی معرفت مذکورہ معنی میں مطلقاً ممنوع ہوگی، خواہ وہ معرفت کنہ ﴿حقیقت﴾ کی ہو یا بوجہ ﴿یک گونہ﴾ ہو، کیونکہ حقیقت تو اس بات کی مقتضی ہے کہ وہ شے معلوم کا احاطہ کر لے اور ماسوا سے اسے الگ کر کے پہچان لے، لیکن حق تعالیٰ عز شانہ کی ذات تو کسی شخص کے بھی احاطہ میں نہیں آ سکتی 'ولا یحیطون به علما' ﴿اور علم کی رو سے وہ اس کا احاطہ نہیں کر سکتے﴾ کیونکہ احاطہ اور تمیز کا تقاضا یہ ہے کہ وہ چیز محدود ہو جس کا احاطہ اور تمیز حاصل ہو رہی ہے اور باری تعالیٰ کی شان میں یہ ممکن نہیں ہے، لہذا اس کے ساتھ تو علم متعلق ہی نہیں ہو سکتا اور حق تعالیٰ کی ذات کسی کی معلوم نہیں بن سکتی، الغرض جب اس کی وجوہ کا علم حاصل ہوتا ہے تو لوگ یہ خیال کر لیتے ہیں کہ ان وجوہ کے ذریعے سے ان کو حق تعالیٰ کی ذات کا علم بھی حاصل ہو گیا ہے لیکن اس دقیق فرق کو سمجھنا ان کے بس کی بات نہیں ہوتی۔

بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ حق تعالیٰ جل شانہ کی صفات بھی اس کی ذات ہی کی طرح غیر معلوم ہیں، کسی طرح سے بھی علم کے احاطہ میں نہیں آتیں اور وہ کسی مخلوق کیلئے معلوم بھی نہیں بنتیں، مثلاً حق تعالیٰ کی صفت علم کا اندازہ وہ نہیں ہے جو مخلوقات کے علوم کا ہوتا ہے، کیونکہ اس صفت کا علم جو مخلوقات میں پائی جاتی ہے، معلوم کے انکشاف میں کوئی دخل نہیں ہوتا، سوائے اس کے کہ حق تعالیٰ وسبحانہ

جیسا کہ اس کا قانون جاری ہے اس صفت کو پیدا فرمانے کے بعد اس کے موصوف میں انکشاف کو بھی خود ہی پیدا فرما دیتا ہے، اگر اس انکشاف میں صفت علم کی اثر اندازی کے ہم کچھ قائل بھی ہو جائیں خواہ فی الجملہ ہی سہی جیسا کہ بعض متکلمین نے کہا ہے اور انہوں نے اس اثر اندازی کو اس میں پیدا کیا ہے، ﴿تو یہ اثر اندازی بھی اس میں اپنی ذاتی نہیں ہے بلکہ خدا ہی کی پیدا کردہ ہے﴾ اسے موثر ہونے میں کوئی دخل نہیں ہے صرف اتنا ہے کہ اس نام کا اس پر اطلاق کر دیتے ہیں، اس کے برعکس خالق تعالیٰ شانہ میں صفت علم کی یہ کیفیت نہیں ہے بلکہ اس کو مخلوق کی صفت علم کے ساتھ سوائے نام کے اشتراک اور رسمی اطلاق کے کوئی مناسبت ہی نہیں ہے، اسی طرح بارگاہ حق عز شانہ میں قدرت اور ارادہ کی صفات، تمام افعال کے صادر ہونے کا سرچشمہ ﴿مبدا﴾ اور وجود مخلوقات کا منشاء ہیں، لیکن یہی قدرت اور ارادہ کی صفات جو مخلوقات میں پائی جاتی ہیں ان کی کیفیت نہیں ہے، بلکہ کسی چیز کے ساتھ اس کی قدرت اور ارادہ کے متعلق ہو جانے کے بعد حق تعالیٰ وسبحانہ ہی قانون قدرت کے طور پر اس چیز کو پیدا کر دیتا ہے اور خود ان کی قدرت کو اس چیز کے وجود میں کوئی دخل نہیں ہوتا، بجز اس کے کہ ان صفات کا تعلق اس چیز کے ساتھ قائم ہو جانے کے بعد خدا تعالیٰ اس چیز کو پیدا کر دیتا ہے، یہی حال باقی تمام صفات کا ہے اور ہر معلوم جو صاحب علم سے مناسبت نہ رکھتا ہو اس کے علم کی قید میں نہیں آ سکتا اور اسے معلوم نہیں ہو سکتا، یہ علمائے معقول کے نزدیک ایک مسلمہ اصول ہے، لہذا اس کی صفات بھی کسی طرح معلوم نہیں ہو سکتیں، جیسا کہ حق تعالیٰ کی ذات بے

چون اور بچگون ﴿بے مثل و بے مثال﴾ ہے اسی طرح اس کی صفات بھی بے چون و بچگون ہیں، چون کو بے چون کی دنیا میں راستہ کیسے مل سکتا ہے۔

سوال:

یہاں ایک زبردست اشکال باقی رہ جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب حق تعالیٰ کی ذات اور صفات کا علم حاصل کرنا ممکن نہیں ہے تو ان کی معرفت بھی محال ہو گی، پھر معرفت کے واجب ہونے کے کیا معنی ہوں گے؟

جواب:

میں کہتا ہوں کہ ذات اور صفات میں معرفت سے مراد ذات سے نقیضوں ﴿اس کی ضد بالمقابل چیزوں﴾ کا سلب کرنا ہے نہ کہ ذات کا علم حاصل کرنا، مثلاً ذات میں معرفت سے مراد یہ ہے کہ ﴿ہم یہ جان لیں کہ﴾ وہ جسم نہیں ہے، وہ جوہر نہیں ہے، وہ عرض نہیں ہے اور مثلاً صفات میں معرفت سے مراد یہ ہے کہ ﴿ہم جان لیں کہ﴾ اس میں جہالت نہیں ہے، عاجزی نہیں ہے، اندھا پن نہیں ہے، گونگا پن نہیں ہے غرضیکہ ان ہی اضداد کے سلب ہونے ﴿یعنی نقیضوں﴾ سے حق تعالیٰ عز سلطانہ کی ذات اور صفات کا وجوب سمجھا جا سکتا ہے۔

پیش ازیں پے نبردہ اند کہ ہست

ترجمہ: اس کی ہستی سے زیادہ کچھ نہیں اس کا پتا

سوال:

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس میں تو کوئی شبہ ہی نہیں کہ حق تعالیٰ کی ذات پر

حکم کیا جاتا ہے کہ وہ عالم ہے، وہ قادر ہے، وغیرہ ذالک اور یہ حکم لگانا اس بات کو مستلزم ہے کہ ذات کا تصور ہوتا ہے، کیونکہ حکم خواہ ایجابی ہو یا سلبی بغیر موضوع کے تصور کے ہو ہی نہیں سکتا۔

جواب:

تو میں ﴿اس کے جواب میں﴾ کہوں گا کہ ہاں اس قضیہ میں موضوع کا تصور ضرور متحقق ہے، لیکن جس چیز کا تصور ہوتا ہے وہ ذات نہیں ہے، حق تعالیٰ عز شانہ کی ذات اس سے منزہ اور برتر ہے، لیکن چونکہ یہ متصور تنزیہی ہے جو کہ ذات سے ہی منتزع ﴿نکلا ہوا﴾ ہے، وہ غیر تنزیہی تصور کردہ چیزوں کی بہ نسبت ذات کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے، اس کے تصور کو ذات ہی کا تصور سمجھ لیا گیا ہے، یہ سمجھ لینا مبنی بر ضرورت ہے، کیونکہ قوت بشریہ حق تعالیٰ شانہ کی ذات کے ادراک سے قاصر ہے مگر اس کے باوجود لوگوں کو احکام کی معرفت کی ضرورت ہے جن کے ذریعے سے اس کی ذات سے تمیز دی جاتی ہے۔

بعض محققین متکلمین نے فرمایا ہے کہ معرفت سے مراد یہ ہے کہ حادث اور قدیم کے درمیان امتیاز حاصل ہو جائے، حضرت امام المسلمین ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد بھی اسی معنیٰ میں ہو سکتا ہے کہ 'سبحانك ما عبدناك حق عبادتك ولكن عرفناك حق معرفتك' ﴿خدایا! تیری ذات پاک ہے، جیسا کہ تیری عبادت کا حق تھا ہم عبادت تو نہیں کر سکے لیکن جیسا کہ تیری معرفت کا حق تھا ہم نے معرفت حاصل کر لی ہے﴾ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی طرف مخلوق کیلئے کوئی راستہ ہی نہیں رکھا بجز اس کی

معرفت سے عاجز رہ جانے کے لیکن جو معرفت اہل اللہ کے ساتھ مخصوص ہے اس کا تحقق ﴿اظہار﴾ طالب کی استعداد کے آئینے کے انداز کے مطابق ہی ہوتا ہے۔

بقدر آئینہ تو می نمایدرو

ترجمہ: ترا جلوہ بقدر آئینہ ہے

اور اس آئینے کی تنگی اور وسعت صاحب آئینہ کی تنگی اور وسعت کے مطابق ہی ہوتی ہے اور ہر چیز کا رب ﴿تربیت کرنے والا﴾ اس چیز کا ایک خاص سبب اور اس کا قیوم ہوا کرتا ہے، اپنے خاص سبب کے سوا کسی اور میں معرفت نہیں ہوا کرتی اور اپنی حقیقت سے باہر حصول کی کوئی صورت نہیں بنتی

ذرہ گر بس نیک و ربس بدبود
گرچہ عمرے تگ زند درخود بود
ہو نیک یا کہ بدہو کوئی ذرہ حقیر
بھاگا تمام عمر رہا خود میں وہ اسیر

حضرت خواجہ خواجگان خواجہ ﴿بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ﴾ نے اس مضمون کی طرف اشارہ فرمایا کہ فنا اور بقا کے بعد اہل اللہ جو کچھ دیکھتے ہیں وہ اپنے ہی میں دیکھتے ہیں اور جو کچھ پہچانتے ہیں وہ اپنے ہی میں پہنچانتے ہیں اور ان کی حیرت خود اپنے ہی میں موجود ہوتی ہے 'وفی انفسکم افلاتبصرون' ﴿اور تمہارے اپنے نفسوں ہی میں موجود ہے تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو﴾ اور یہ معرفت خود حیرت ہی ہوتی ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ......'المعرفة فی ذات الله

حیرۃ ' ﴿اللہ تعالیٰ کی ذات میں معرفت محض حیرت ہے﴾ ایک دوسرے بزرگ فرماتے ہیں کہ ' اعرفهم بالله اشد تحير فيه یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ عارف تر وہی شخص ہے جس کا تحیر اس ذات میں شدید تر ہو اس کی صراحت فرمائی ہے لیکن اس فقیر یعنی حضرت مجدد الف ثانی ؒ کے نزدیک معرفتِ صفات سے مراد بھی صفات کے اندر حیرت ہی ہے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔

﴿معرفت: 14﴾

واجب تعالیٰ کے وجود کی تحقیق:

واجب تعالیٰ کا وجود جمہور متکلمین کے نزدیک اس کی ذات عز شانہ پر زائد ہے اور حکماء اور شیخ ابوالحسن اشعری ؒ اور بعض صوفیا کے نزدیک یہ وجود عین ذات ہے اور اس فقیر کے نزدیک یہ صحیح ہے کہ واجب تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے نہ کہ وجود کے ساتھ .... برخلاف باقی موجودات کے کہ وہ سب وجود کے ساتھ موجود ہیں اور جو وجود ذات پر محمول ہے وہ عقل کی منتزعات ﴿الگ کی ہوئی اور نکالی ہوئی چیزوں﴾ میں سے ہے یعنی عقل وجود کی ذات سے موجود کے وصف کو الگ نکال کر ذات پر محمول کر دیتی ہے اور اگر متکلمین کی مراد وجود زائد سے یہی الگ نکالا ہوا وجود ہے تو ان کی بات درست ہے اور مخالف کے لیے اس میں انکار یا نزع کی کوئی مجال نہیں رہتی اور اگر وہ ایسا وجود مراد لیتے ہیں کہ اس وجود کے ساتھ واجب تعالیٰ موجود ہے جیسا کہ بظاہر ان کی عبارت سے مفہوم ہوتا ہے تو پھر خدشے اور تردد کا

مقام ہے اور اگر حکماء اور شیخ ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ اور بعض صوفیا بھی واجب تعالیٰ کو اپنی ذات کے ساتھ موجود کہتے ہوں، بغیر اس کے کہ وہ وجود کے قائل ہوں اور اسے عین ذات ثابت کریں اور بغیر اس کے کہ وہ دلائل و براہین کے محتاج ہوں اور بیکار مقدمات کا ارتکاب فرمائیں تو یہ بات زیادہ اقرب اور صحیح ہوگی۔

صوفیوں کے حال پر تعجب:

اور ان صوفیوں پر تعجب ہوتا ہے کہ باوجود یکہ وہ ذات حق عز شانہ میں تمام نسبتوں اور تمام اعتبارات کو تو ساقط کر دیتے ہیں اور تنزلات کے مراتب میں انکو درج کرتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ہی وہ وجود کو بھی ذات کے مرتبہ میں ثابت کر دیتے ہیں، یہ تو بجز تناقض کے اور کچھ بھی نہیں ہے، اس کے جواب میں یہ نہ کہہ دیا جائے کہ وہ حضرات وجود کو بھی عین ذات تو کہتے ہیں لیکن اس سے وہ نسبتوں اور اعتبارات میں سے شمار نہیں کرتے، کیونکہ اس کے جواب میں میں کہتا ہوں کہ غیبت خارج کے اعتبار سے ہے ذہن کے اعتبار سے نہیں ہے اور ان حضرات کے نزدیک تمام صفات اسی قسم کی ہیں کہ تعقل ﴿سمجھنے﴾ میں تو ذات سے الگ اور مغائر ہیں لیکن خارج میں عین ذات ہیں کیونکہ سوائے ایک ذات احدیت کے ان کے نزدیک کوئی اور چیز موجود نہیں ہے لہذا لازم آتا ہے کہ وہ تمام اعتبارات کو ذات کے مرتبہ میں ہی ثابت کریں اور یہ غلط ہے اور وہ خود بھی اس کے برعکس کے ہی معترف ہیں، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

سوال:

اگر یہ حضرات فرمائیں کہ ذات سے مراد وحدت ہے جو کہ تعین اول ہے اور اس مرتبہ میں انہوں نے متعین پر تعین کے زائد ہونے کا لحاظ نہیں کیا ہے، اس مرتبہ میں وہ صرف وجود کا اثبات کرتے ہیں بر خلاف باقی تمام نسبتوں اور اعتبارات کے کیونکہ ان کا لحاظ واحدیت کے درجہ میں ہوتا ہے جو اس سے ایک قدم نیچے کا درجہ ہے۔

جواب:

میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ اس تقدیر پر ان کی یہ ساری گفتگو متکلمین کے ساتھ نہیں ملتی، کیونکہ متکلمین تو ذات سے مراد ذات محض لیتے ہیں جو تمام تعینات سے اوپر ہے اور وجود کو اس ذات پر زائد جانتے ہیں اور جو فرق اوپر بیان کیا گیا ہے وہ زیادتی کو دور کرنے میں کوئی فائدہ نہیں بخشتا، زائد بہر حال زائد ہے خواہ مرتبہ اولیٰ میں یا مرتبہ ثانیہ میں، ابوالمکارم رکن الدین شیخ علاؤالدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”فوق عالم الوجود عالم الملك الودود“ ﴿محبت فرمانے والے بادشاہ ﴿خدا﴾ کا عالم، وجود کے عالم سے اوپر ہے﴾ اس عبارت کی تصریح ﴿یہ﴾ ہے کہ وجود ذات سے الگ ہے، مختصر یہ ہے کہ اگر واجب تعالیٰ کو خود اپنی ذات ہی کے ساتھ موجود کہیں اور کسی نئے وجود کے قائل نہ ہوں تو یہ زیادہ بہتر اور مناسب ہے اور اگر وجود کے قائل ہوتے ہیں تو پھر یقیناً ذات اور وجود دونوں میں مغایرت ماننی پڑے گی اور ذات حق عز سلطانہ پر اس کے زیادہ ہونے کا قائل ہونا پڑے گا، لہذا اس تقدیر پر متکلمین کی بات اس نظریہ

کے مخالفین کی بات کے مقابلہ میں صحیح اور درستگی سے زیادہ قریب ہے۔

وجود کا بدیہی اور نظری ہونا:

رہ گئی یہ بات کہ واجب تعالیٰ کا وجود بدیہی ہے یا نظری؟ تو جمہور متکلمین اس کے نظری ہونے کے قائل ہیں اور امام غزالی اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہما اس کے بدیہی ہونے کا جزم اور یقین رکھتے ہیں، بعض متاخرین نے ان دونوں قولوں کو جمع کرنے کے لیے کہا ہے کہ یہ بعض لوگوں کی نسبت سے بدیہی ہوتا ہے اور بعض دوسرے لوگوں کی نسبت سے نظری ہوتا ہے اور اس فقیر کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ وہ مطلقاً بدیہی ہے اور بعض لوگوں پر اس کا مخفی رہ جانا اس کے بدیہی ہونے کے منافی نہیں ہے، کیونکہ بدیہی ہونا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ سب لوگ اسے جان لیں بلکہ بہت سے اہل عقل نے تو بعض کھلی بدیہی چیزوں کا بھی انکار کر دیا ہے اور یہ حضرات واجب تعالیٰ کے وجود پر دلیلیں لائے ہیں، وہ سب اس کے بدیہی ہونے پر متنبہ کرتی ہیں جس طرح محسوسات کے ادراک میں یہ شرط ہے کہ حس ظاہری آفات سے صحیح سالم اور محفوظ ہو اور جس طرح ان آفات کے پائے جانے کی وجہ سے ان گا ادراک نہ کر سکنا محسوسات کے بدیہی ہونے کے منافی نہیں ہوتا بالکل اسی طرح عقلی معاملات کے ادراک میں قوت مدرکہ کا آفات معنویہ اور امراض خفیہ ﴿پوشیدہ﴾ سے سلامت اور محفوظ ہونا بھی شرط ہے اور بوجہ آفات کے ان کا ادراک نہ کر سکنا ان کے بدیہی ہونے کے منافی نہیں ہوگا، جو جماعت اس کے

بدیہی ہونے پر یقین رکھتی ہے حق سبحانہ نے اس کے حال کی خبر دیتے ہوئے فرمایا 'قالت رسلھم افی اللہ شک' ﴿یعنی ان کے رسولوں نے کہا کہ کیا تمہیں خدا کے بارے میں شک ہے﴾ چونکہ یہ مضمون بعض کم فہم لوگوں کے لیے واضح نہیں تھا لہذا اس کے بعد ان الفاظ کے ساتھ تنبیہ فرمادی 'فاطر السمٰوٰت والارض' ﴿کیا تمہیں اس خدا کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے﴾

معرفت: 15

صفات کا وجود ذات پر زائد ہے:

اہلِ حق صفات کے وجود کے قائل ہیں اور ان کے وجود کو ذات کے وجود پر زائد سمجھتے ہیں، وہ حق تعالیٰ سبحانہ کو علم کے ساتھ عالم اور قدرت کے ساتھ قادر جانتے ہیں وعلیٰ ہذا القیاس اور معتزلہ وشیعہ اور حکما صفات کی نفی کے قائل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جو چیز صفات پر مترتب ہوتی ہے وہ خود ذات پر ہی مترتب ہوتی ہے، مثلاً مخلوقات میں ﴿چیزوں کے﴾ انکشاف کو ذاتِ حق عز سلطانہ پر مترتب کہتے ہیں لہذا اس اعتبار سے ذات علم کی حقیقت ہے اور اسی طرح قدرت کی اور وحدت الوجود کے قائل بھی صفات کی نفی کے مسئلہ میں معتزلہ اور حکما کے ساتھ متفق ہیں۔

سوال:

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ صوفیہ مذکورہ صفات کو مفہوم اور تعقل ﴿عقل اور سمجھ میں آنے﴾ کے اعتبار سے غیر ذات کہتے ہیں اور تحقق یعنی وجود خارجی کے اعتبار سے عین ذات کہتے ہیں لہذا ان کا مذہب حکما اور متکلمین کے مذاہب کے درمیان ایک

واسطہ ہوگا کیونکہ حکما صفات کو مطلقاً عین کہتے ہیں اور متکلمین مطلقاً غیر کہتے ہیں اور یہ لوگ خارج کے اعتبار سے عین کہتے ہیں اور مفہوم کے اعتبار سے غیر کہتے ہیں۔

جواب:

تو میں اس کا یہ جواب دوں گا کہ ہم یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ حکما ﴿خارج کی طرح﴾ تعقل اور مفہوم کے اعتبار سے بھی ﴿صفات کو﴾ عین ذات کہتے ہیں، بلکہ سارا جھگڑا وجود خارجی ہی میں ہے، وجود ذہنی میں نہیں ہے، صاحب مواقف نے اس کی وضاحت فرمائی ہے، متکلمین صفات کو ذات پر ایک زائد وجود کے ساتھ خارج میں اور حکما اور معتزلہ خارج میں ﴿صفات کو﴾ عین سمجھتے ہیں، مذکورہ صوفیہ بھی اسی مسئلہ میں حکما اور معتزلہ کے ساتھ قطعاً متفق ہیں، لیکن یہ حضرات اس مسئلہ کے مذکورہ فرق سے اپنے آپ کو حکما اور معتزلہ سے الگ کر لیتے ہیں اور صفات کی نفی سے انکار کر دیتے ہیں لیکن آپ جانتے ہیں کہ اس فرق سے انہیں کچھ بھی فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔

ان کے شیخ اور رئیس نے کہا ہے کہ کچھ لوگ صفات کی نفی کی طرف گئے ہیں لیکن انبیا اور اولیا کا ذوق اس کے خلاف شہادت دیتا ہے اور کچھ لوگوں نے صفات کا اثبات کیا ہے اور انہوں نے صفات کے سلسلہ میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ ذات سے پوری طرح بالکل غیر ہوتی ہیں لیکن یہ کفر محض ہے اور خالص شرک ہے، بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ جو شخص ذات کے اثبات کا قائل ہو اور صفات کا اثبات نہ کرتا ہو وہ جاہل اور بدعتی ہے اور جو شخص ایسی صفات کے اثبات کا قائل ہو

جوذات سے بالکلیہ ﴿پوری طرح﴾ مغائر ہوں تو ایسا شخص ثنوی ہے ﴿یعنی دو خداؤں کو ماننے والا﴾ کافر ہے اور اپنے کفر کے ساتھ ساتھ جاہل بھی ہے۔

یہ گفتگو مطلق نفی اور مطلق اثبات کے درمیان واسطہ کو ثابت کرتی ہے، مطلقاً نفی کرنے والوں سے مراد حکما کو لیا ہے اور مطلقاً اثبات کرنے والوں سے مراد متکلمین کو لیا ہے، حالانکہ آپ معلوم کر چکے ہیں کہ یہ مذہب ﴿ان دونوں مذہبوں کے درمیان﴾ واسطہ نہیں ہے، بلکہ یہ لوگ بھی نفی کرنے والوں میں داخل ہیں۔

صوفیوں کے قول کی تردید:

ان لوگوں کی جسارتوں ﴿دلیریوں﴾ پر تعجب ہوتا ہے کہ محض اپنے کشف پر اعتماد کرتے ہوئے ایک ایسے اعتقاد کو جس پر اہل سنت و جماعت کا اجماع ہو غلط قرار دیتے ہیں اور اس اعتقاد کے رکھنے والوں کو کافر اور ثنوی ﴿دو خداؤں کا قائل﴾ کہہ دیتے ہیں، اگرچہ انہوں نے کفر اور ثنویت ﴿کے الفاظ﴾ سے حقیقی کفر اور حقیقی ثنویت مراد نہ بھی لی ہو لیکن ایک درست اعتقاد کے بارے میں ایسا لفظ زبان سے نکال دینا بہت ہی ناپسندیدہ اور بڑی ہی خراب بات ہے، کشف میں یہ لوگ کتنی غلطیاں کرتے ہیں لیکن اتنا نہیں سمجھتے کہ شاید کشف بھی اس قسم کا ہو اور وہ اعتقاد صحیح کے ساتھ ٹکرانے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو۔

جداگانہ مقالہ:

اس فقیر کا اس مسئلہ پر جداگانہ قول ہے اور وہ یہ ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی ذات ہی ان تمام امور میں جو صفات پر مترتب ہوتے ہیں کافی ہے اس معنیٰ میں

نہیں جو علما معقول نے کہا ہے کہ ﴿چیزوں کا﴾ انکشاف مثلاً ﴿مخلوقات میں﴾ صفت علم پر مترتب ہوتا ہے اور وہ ﴿واجب تعالیٰ میں﴾ ذات ہی پر مترتب ہوتا ہے، بلکہ اس معنیٰ میں کہ ذات حق عز سلطانہ اس انداز پر مکمل اور مستقل ہے کہ وہی سب کا کام کر لیتی ہے، یعنی جو کام علم و دانش سے کرنا چاہیے ذاتِ حق عز سلطانہ بغیر صفت علم ہی کے وہ کام کر لیتی ہے، ایسے ہی جو چیز صفتِ قدرت کی اثر اندازی سے ظہور پذیر ہوتی ہے، ذاتِ حق تعالیٰ اس چیز کے ظہور پذیر ہونے میں بغیر اس صفت کے بھی کافی ہے۔

ایک مثال:

میں ایک مثال بیان کرتا ہوں جو جلدی سمجھ میں آنے والی ہے کہ جو پتھر خود اپنے طبعی تقاضے سے اوپر سے نیچے کی طرف آتا ہے اس کی ذات ہی علم، قدرت اور ارادہ کا کام کر لیتی ہے بغیر اس کے کہ اس میں علم، قدرت اور ارادہ کی صفتیں پائی جائیں، یعنی علم کا تقاضا یہ ہے کہ پتھر ثقل ﴿بھاری﴾ ہونے کی وجہ سے نیچے کی طرف متوجہ ہو اور اوپر کی طرف متوجہ نہ ہو، ارادہ علم کے تابع ہے، ارادے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ نیچے کی جانب کو ترجیح دے اور حرکت مقتضائے قدرت ہے، پس پتھر کی اپنی طبیعت خود ان تینوں صفتوں کا کام بغیر ان صفات کا لحاظ کیے ہوئے کر لیتی ہے۔

لہذا واجب تعالیٰ میں ”وللّٰہ المثل الاعلیٰ“ ﴿اور اللہ تعالیٰ کے لیے تو بلند ترین مثال ہونا ثابت ہے﴾ اس کی ذات بھی اسی طرح تمام صفات کا کام کر لیتی ہے اور ان امور کے مترتب ہونے میں اسے صفات کی کوئی احتیاج لاحق نہیں ہوتی،

لیکن انکشاف، تاثیر اور تخصیص مثلاً علم، قدرت اور ارادہ کی صفت پر مترتب ہوتے ہیں، وہ دانا ہے علم کے ساتھ نہ کہ ذات کے ساتھ، وہ موثر ہے قدرت کے ساتھ، مخص ہے، ارادہ کے ساتھ، اگرچہ یہ بات ہے کہ جو کچھ ان صفات کے ساتھ کیا جانا چاہیے ذات حق تعالیٰ ہی اس میں کافی ہے لیکن یہ معانی صفات پر ہی مترتب ہیں، ذات کو بغیر معانی کے پائے جانے کے عالم قادر اور صاحب ارادہ نہیں کہہ سکتے، مثال کے طور پر اسی پتھر میں اگر علم، قدرت اور ارادہ کی صفت کو وجود بخش دیں تو پتھر کو صاحب علم اور صاحب قدرت اور صاحب ارادہ کہہ سکتے ہیں لیکن ان زائد معانی کے وجود کے بغیر وہ ان صفات کے ساتھ متصف نہیں ہوتا اگرچہ وہ خود ہی ان صفات کا کام کر لیتا ہے اور اس میں شبہ بھی نہیں کہ اس میں ان معانی کا وجود اس کے کمال کا باعث ہے، لہذا واجب تعالیٰ میں بھی اگرچہ ذات عز سلطانہ ہی ان تمام اشیا میں جو صفات پر مترتب ہوتی ہیں کافی ہے لیکن خود ان معانی کاملہ کے ثبوت میں صفات درکار ہیں اور ذات حق عز سلطانہ ان معانی کے پائے جانے سے صفات کمال کے ساتھ متصف ہو جاتی ہے۔

اعتراض:

یہاں یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ اس تقدیر پر تو ان صفات کے ساتھ جو ذات کی مغائر ہیں حق کی تکمیل پذیری لازم آتی ہے اور اس بات سے ذات میں نقص ہونا اور غیر ذات کے ساتھ مل کر اس کا تکمیل پذیر ہونا لازم آتا ہے اور یہ بات ناممکن ہے۔

جواب :

میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ حق تعالیٰ کے لیے اپنے غیر سے صفت کمال کا استفادہ کرنا محال ہے اس کا بذات خود صفت کمال کے ساتھ متصف ہونا محال نہیں ہے، اگرچہ وہ صفت ﴿ذات کا﴾ غیر ہو اور متکلمین کے مذہب سے دوسری شق لازم آتی ہے پہلی شق لازم نہیں آتی، جیسا کہ سید السند رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مواقف میں تحقیق کے ساتھ بیان فرما دیا ہے۔

﴿معرفت:16﴾

ذات وصفات کا بے چون ہونا:

حق تعالیٰ اپنی ذات اور صفات میں بالکل یگانہ ہے، اس کی ذات اور صفات مخلوقات کی ذات اور صفات سے قطعاً مختلف ہیں اور کسی طرح بھی ان سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی ہیں، لہذا حق سبحانہ مثل سے یعنی مماثل موافق سے بھی منزہ و پاک ہے اور ند یعنی مماثل مخالف سے بھی، حق تعالیٰ شانہ کے معبود ہونے، صانع ہونے اور واجب ہونے میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔

بعض صوفیا جو وحدت الوجود کے قائل ہیں، تو وہ موجود ہونے میں بھی شریک کی نفی کرتے ہیں اور حق تعالیٰ کے سوا کسی چیز کو موجود نہیں مانتے، جس چیز سے وہ اس سلسلہ میں استشہاد ﴿دلیل﴾ کرتے ہیں، وہ کشف ہے اور یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ اس قول سے بہت سے اصول دین کا انہدام لازم آتا ہے آپ اور بعض اصول دین کو ﴿اس قول سے﴾ تطبیق دینے میں انہوں نے تکلفات سے

کام لیا ہے لیکن اس کی پوری پوری مطابقت میں کلام ہے، بعض دوسرے اصول ایسے بھی ہیں جو بالکل ہی تطبیق کے قابل ہی نہیں ہیں، مثلاً واجب تعالیٰ جل وعلا کی صفات کی نفی کا مبحث۔

﴿معرفت: 17﴾

مکان وزمان اوران کے لوازم سے تنزیہ:

حق تعالیٰ سبحانہ کسی جہت میں نہیں ہے، وہ مکانی اور زمانی نہیں ہے، حق تعالیٰ کا یہ ارشاد "الرحمن علی العرش استوی" ﴿خدائے مہربان عرش پر متمکن ہوگیا﴾ اگر چہ بظاہر ثبوت جہت اور ثبوت مکان کا وہم پیدا کرنے والا ہے، لیکن در حقیقت اس سے جہت اور مکان کی نفی ہو جاتی ہے، کیونکہ آیۃ کریمہ سے جہت ومکان کا اثبات ایسے مقام ﴿عرش﴾ کے لیے کیا ہے جہاں نہ کوئی جہت ہے، نہ کوئی مکان، یہ تو خدا تعالیٰ کی بے جہتی اور بے مکانی ہی سے کنایہ ہے اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے اور وہ جسمانی بھی نہیں ہے، جوہر اور عرض بھی نہیں ہے، وہ کسی قسم کے اشارہ کے قابل بھی نہیں ﴿یعنی اس کی طرف بھی اشارہ نہیں کیا جا سکتا﴾ حرکت اور تبدیلی کے تصورات بھی اس پر درست نہیں بیٹھتے، اس کی ذات قدیم کے ساتھ حوادث کا قیام بھی جائز نہیں ہے، اعراض محسوسہ اور اعراض معقولہ میں سے وہ کسی عرض کے ساتھ متصف نہیں ہے، نہ وہ عالم میں داخل ہے اور نہ ہی عالم سے خارج ہے، نہ وہ عالم ﴿کائنات﴾ کے ساتھ متصل ہے اور نہ عالم سے منفصل ﴿جدا﴾ ہے، عالم کے ساتھ اس کی معیت علمی ہے، ذاتی نہیں ہے، اس کا عالم کو محیط ہونا علم ہی کے ساتھ

ہے، ذات کے ساتھ نہیں ہے، وہ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا، وہ کسی چیز کے ساتھ ﴿مل کر﴾ متحد ﴿یک جان﴾ نہیں ہوتا۔

سوال: اگر کوئی شخص دریافت کرے کہ بعض صوفیہ جو ذاتی معیت اور احاطہ کے قائل ہیں اس سے ان کی مراد کیا ہے؟

جواب:

میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ ان حضرات نے ذات سے مراد اس کا تعین لیا ہے جس کو وحدت کہتے ہیں کیونکہ وہ حضرات اس مرتبہ میں تعین کو حق عز سلطانہ پر زائد ہونے کا اعتبار نہیں کرتے لہذا اس مرتبہ کے ظہور کو تجلی ذاتی کہتے ہیں اور اس کی اسی سرایت کو وہ ذاتی معیت اور احاطہ کہہ دیتے ہیں اور حضرات متکلمین، خدا تعالیٰ ان کی کوششوں کو مشکور فرمائے، ذات سے ذات محض مراد لیتے ہیں جو کہ تمام تعینات سے بالاتر ہے اور خواہ کوئی تعین بھی ہو اسے وہ ذات حق عز شانہ پر زائد سمجھتے ہیں اور اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ اس ذات کو عالم کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں ہے، کیا احاطہ، کیا معیت، کیا اتصال اور کیا انفصال ﴿یعنی نہ نسبت احاطہ ہے، نہ نسبت معیت ہے، نہ نسبت اتصال ہے اور نہ نسبت انفصال﴾ حق تعالیٰ شانہ کی ذات کسی طور پر بھی علم میں نہیں آسکتی وہ مطلقاً ہر لحاظ سے نامعلوم الکیفیت ہے، اسی طرح عالم کے ساتھ اس کی نسبت بھی ہر لحاظ سے نامعلوم الکیفیت ہے، اسے متصل، منفصل، محیط اور ساری ﴿سرایت کرنے والا﴾ کہنا محض جہالت کی وجہ سے ہے، متکلمین اور دوسرے بزرگ اس فیصلہ سے متفق ہیں لیکن متکلمین کی نظر جو

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی پیروی کے نور کا سرمہ لگائے ہوئے جیسے صوفیہ کرام کی نظر کے مقابلے میں جو کہ احاطہ ذاتی کے قائل ہیں بہت ہی باریک بین واقع ہوئی ہے اور ان لوگوں کے ادراک کا سرچشمہ کشف سے ہر شخص نے اپنے اپنے ادراک کے انداز کے مطابق ہی فیصلہ دیا ہے، وہ تمام اختلافات جو متکلمین اور بعض متاخرین صوفیہ کے درمیان واقع ہوئے ہیں اسی طرح کے ہیں، ان میں حق متکلمین کے ساتھ ہے اور صوفیہ کی نظر نے کوتاہی کی ہے اور متکلمین کی بات کی حقیقت کو یہ لوگ دریافت ہی نہیں کر سکے۔

معرفت: 18

معلوم کے ساتھ علمِ حق کا یقین:

حق سبحانہ وتعالیٰ ایک ایسے علم کے ساتھ جو اس کی ذات پر زائد ہے تمام معلومات کا عالم ہے خواہ وہ معلوم واجب ہو یا ممکن اور علم ایک حقیقی صفت ہے جو کہ ذات پر زائد ہے اور اس کا تعلق معلوم کے ساتھ ہوتا ہے، جس طرح یہ بات معلوم نہیں کہ واجب تعالیٰ میں اس کی صفت کی کیا کیفیت ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے، اسی طرح یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ معلومات کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے، صرف اتنا ہی ادراک میں آتا ہے کہ یہ تعلق معلوم کے انکشاف کا سبب ہوا ہے، بہت سے لوگ چونکہ اس حقیقت پر مطلع نہیں ہو سکے اور انہوں نے غائب کو حاضر پر قیاس کر لیا ہے اس لیے وہ اضطراب اور حیرت میں گرفتار ہو گئے ہیں۔

﴿معرفت: 19﴾

قدرت اور ارادہ:

قدرت اور ارادہ حق تعالیٰ شانہ کی ذات پر زائد صفات ہیں، قدرت سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے لیے عالم کی ایجاد بھی درست ہے اور اس ایجاد عالم کو چھوڑ دینا ﴿پیدا نہ کرنا﴾ بھی درست ہے، اس ایجاد اور ترک ایجاد میں سے کوئی چیز بھی حق تعالیٰ کی ذات پر لازم نہیں ہے، تمام اہلِ مذاہب اس بات پر متفق ہیں۔

لیکن فلاسفہ کہتے ہیں کہ عالم ﴿کائنات﴾ کی اس موجودہ نظام پر ایجاد جس پر اب وہ واقع ہے، حق تعالیٰ وسبحانہ کی ذات کے لوازم میں سے ہے، اس طرح انہوں نے قدرت کے اس معنیٰ کا جو اوپر بیان ہو چکا ہے انکار کیا ہے، وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ مذکورہ معنیٰ کے لحاظ سے قدرت ایک نقص ہے اور انہوں نے یہ گمان کرتے ہوئے کہ ایجاب ﴿یعنی خدا کے لیے عالم کی ایجاد واجب اور ضروری ہونا﴾ ہی کمال ہے، ایجاب کو ثابت کر دیا ہے، قدرت کے اس معنیٰ میں قائل ہیں کہ ”اگر وہ چاہے تو کرے اور نہ چاہے تو نہ کرے“ اور اس مضمون میں وہ اہل اسلام کے ساتھ متفق ہیں لیکن پہلے جملہ شرطیہ ﴿اگر چاہے تو نہ کرے﴾ کے مقدم یعنی شرط ﴿اگر چاہے﴾ کو تو واجب الصدق سمجھتے ہیں ﴿یعنی یہ سمجھتے ہیں کہ اس کا صادق آنا ضروری ہے﴾ اور دوسرے جملہ شرطیہ ﴿اگر نہ چاہے تو نہ کرے﴾ کے مقدم یعنی شرط ﴿اگر نہ چاہے﴾ کو ممتنع الصدق جانتے ہیں ﴿یعنی یہ سمجھتے ہیں کہ اس کا صادق آنا محال ہے﴾ اور دونوں شرطیہ جملوں کو وہ واجب تعالیٰ کے حق میں صادق کہتے ہیں، نیز یہ فلاسفہ ارادہ کو بھی

علم پر زائد نہیں سمجھے وہ کہتے ہیں کہ ارادہ کامل ترین نظام کے طریق پر خود علم ہی کا نام ہے، اسے وہ ﴿اپنی اصطلاح میں﴾ عنایت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

بعض متاخرین صوفیہ بھی قدرت کے اس معنیٰ میں فلاسفہ کے ساتھ متفق ہیں اور وہ بھی دوسرے جملہ شرطیہ ﴿اگر نہ چاہے تو نہ کرے﴾ کے مقدم ﴿اگر نہ چاہے﴾ کو ممتنع الصدق کہتے ہیں ﴿یعنی یہ کہتے ہیں کہ اس کا صادق آنا محال ہے﴾ اور اپنے مذہب کو فلاسفہ کے مذہب کی طرح الگ کرتے ہیں کہ فلاسفہ ارادہ کے قائل نہیں ہیں، وہ اسے نفسِ علم ہی سمجھتے ہیں اور یہ لوگ ﴿صوفیہ﴾ باوجودیکہ قدرت کو مذکورہ معنیٰ میں لیتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی ارادہ کا علم پر زائد ہونا بھی ثابت کرتے ہیں اور اس طرح یہ حق سبحانہ وتعالیٰ کو صاحبِ ارادہ تسلیم کرتے ہیں اور اسے موجب نہیں کہتے ﴿جس پر عالم کی ایجاد واجب ہو﴾ برخلاف حکما کے کہ وہ ایجاب کے قائل ہیں اور ارادہ کی نفی کرتے ہیں۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

اس فقیر کو اس مقام پر ایک شبہ ہے اور وہ یہ ہے کہ دو ایسی چیزوں میں جن پر قدرت حاصل ہو کسی ایک کو وجود یا عدم کے ساتھ خاص کر لینے کا نام ارادہ ہے اور جب جزو ثانی ممتنع الصدق ہے اور جزو اول واجب الصدق تو پھر ارادہ کا اثبات کس مقصد کے لیے ہوگا، کیونکہ تخصیص اور ترجیح جو کہ ارادہ کا ماحصل ہے، دو برابر کی چیزوں ہی میں ہو سکتی ہے، اس لیے جب حکما نے طرفین کی برابری سے ہی انکار کر دیا تو انہوں نے ارادہ کو بھی ثابت نہیں کیا اور انہوں نے ارادہ کو لاحصل اور بے

فائدہ سمجھا ہے، اس مسئلے میں حکما حق پر ہیں، لہٰذا مذکورہ صوفیائے کرام جو عالم کے وجود اور عدم ﴿دونوں پہلوؤں﴾ کے برابر نہ ہونے کے باوجود ارادہ کا اثبات کرتے ہیں اور اس اثبات کے ذریعے حکما سے الگ ہو جاتے ہیں اور اتنی سی بات کی وجہ سے وہ حق سبحانہ کو صاحب ارادہ اور مختار کہتے ہیں. تو اس فرق کے سلسلہ میں ان کی گفتگو کا حاصل ﴿نتیجہ﴾ ظاہر نہیں ہے، ان کا مذہب واجب تعالیٰ کے اختیار کی نفی کے بارے میں بعینہٖ وہی ہے، جو حکما کا مذہب ہے اور اس کے ارادہ کو ثابت کرنا محض زبردستی کی بات اور صرف منہ زوری ہی ہے اور اللہ تعالیٰ حق بات ثابت کرتا اور وہی صحیح راہ کی طرف راہنمائی فرماتا ہے۔

سوال:

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مذکورہ صوفیا کرام عالم کے وجود کو حق سبحانہ کی ذات پر لازم نہیں سمجھتے بلکہ وہ تو عالم کا صدور ﴿ظہور﴾ واجب تعالیٰ سے ارادہ ہی کے ساتھ کہتے ہیں۔

جواب:

اس کے جواب میں میں کہتا ہوں کہ جب **دوسرے** جملہ شرطیہ کا مقدم یعنی وجودِ عالم کا ارادہ نہ کرنا **ممتنع** ﴿محال﴾ ہوتا ہے اور وجودِ عالم کا ارادہ کرنا واجب قرار پا گیا ہے تو ارادہ کے لیے جو کہ دو برابر کی جہتوں میں سے ایک جہت کو ترجیح دینے کا نام ہے، وجودِ عالم میں کوئی دخل ہی باقی نہیں رہا سوائے اس کے کہ اس پر ﴿خواہ مخواہ﴾ ارادہ کے لفظ کا اطلاق کر دیا گیا ہے اور اتنے ارادہ کے تو حکما بھی قائل ہیں،

لہذا اس قسم کے ارادہ کا اثبات ایجاب کے دفع کرنے میں کوئی فائدہ نہیں دیتا اور وجود وعدم کی دونوں جہتوں کے برابر نہ ہونے کی وجہ سے حق سبحانہ وتعالیٰ پر ایجاب لازم آتا ہے، جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔

معرفت: 20

شیون وصفات میں فرق:

شیوناتِ الٰہی حق سبحانہ کی ذات پر فرع ہیں اور حق سبحانہ وتعالیٰ کی صفات شیونات پر متفرع ہیں اور اسماء ﴿الٰہی﴾ جیسے خالق اور رازق ﴿وغیرہ﴾ وہ صفات پر متفرع ہیں اور افعال ان اسما پر متفرع ہیں اور تمام موجودات افعال کے نتائج ہیں اور افعال پر متفرع ہیں' واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم ' ﴿اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے﴾ لہذا معلوم ہو گیا کہ شیون اور چیز ہے اور صفات اور چیز اور شیون خارج میں عین ذات ہیں اور صفات خارج میں ذات پر زائد ہیں۔

جو لوگ اس فرق پر مطلع نہیں ہو سکے وہ یہ خیال کر بیٹھے کہ شیون ہی صفات ہوتی ہیں، چنانچہ انہوں نے یہ فیصلہ بھی کر دیا کہ جس طرح شیون خارج میں عینِ ذات ہوتی ہیں اسی صفات بھی ذات کے ساتھ اس کا عین ہوتی ہیں، چنانچہ ان پر صفات کا انکار لازم آ گیا اور جس مسئلہ پر اہلِ حق کا اجماع تھا کہ صفات کا وجود خارج میں ذات پر زائد ہوتا ہے اس کا انکار بھی لازم آ گیا اور اللہ تعالیٰ ہی حق کو ثابت کرتا ہے اور وہی صحیح راستہ کی رہنمائی فرماتا ہے۔

﴿معرفت: 21﴾

ذات وصفاتِ حق میں مماثلت کی نفی:

'لیس کمثلہ شیءٌ وھو السمیع البصیر' ﴿اس کی طرح کی سی کوئی چیز بھی نہیں ہے اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے﴾ حق سبحانہ وتعالیٰ نے بلیغ ترین انداز پر اپنی ذات سے مماثلت کی نفی فرمادی ہے کیونکہ اس آیت میں اپنے مثل ﴿یعنی مثل جیسی چیز﴾ کی نفی فرمائی گئی ہے حالانکہ مقصود اپنے مثل کی نفی کرنا تھا، مطلب یہ ہے کہ جب اس کے مثل کا بھی مثل نہیں ہوسکتا تو اس کا مثل تو بطریق اولیٰ نہیں ہوگا، لہذا کنایہ کے طور اصل مثل کی نفی ہوگئی، کیونکہ ﴿کنایہ﴾ صریح کے مقابلے میں بلیغ ترین ہے، جیسا کہ علمائے بیان نے اس کو ثابت کیا ہے اور اس کے متصل ہی 'وھو السمیع البصیر' فرمایا ہے جس سے مقصود صفاتی مماثلت کی بھی نفی کر دینا ہے جیسا کہ پہلے حصے ﴿لیس کمثلہ شی'﴾ سے ذاتی مماثلت کی نفی کی گئی ہے۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ حق تعالیٰ وسبحانہ ہی سمیع اور بصیر ہے، کسی دوسرے کو سمع اور بصر حاصل نہیں ہے، یہی حال باقی صفات یعنی حیات، علم، قدرت، ارادہ اور کلام وغیرہ کا ہے، پس مخلوقات میں صفات کی صورت پائی جاتی ہے، ان کی حقیقت نہیں پائی جاتی کیونکہ مثال کے طور پر علم ایک صفت ہے جس کی وجہ سے ﴿اشیا کا﴾ انکشاف حاصل ہوجاتا ہے اور قدرت بھی ایک صفت ہے کہ اس صفت کی وجہ سے افعال اور آثار صادر ہوتے ہیں اور مخلوقات میں یہ صفت نہیں پائی جاتی بلکہ حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے کمال قدرت سے ان مخلوقات میں انکشاف کو پیدا کر دیتا ہے بغیر اس کے

کہ انکشاف کا اصل سرچشمہ جو صفت علم ہے خود ان کے اندر موجود ہو اور اسی طرح وہی افعال کو بھی ان کے اندر پیدا کر دیتا ہے بغیر اس کے کہ قدرت خود ان کے اندر ثابت ہو، سننے اور دیکھنے کو بھی اسی پر قیاس کر لیجئے یعنی خدا ہی مخلوق کے اندر سننے اور دیکھنے کو پیدا کرتا ہے بغیر اس کے کہ خود ان کے اندر سننے اور دیکھنے کی قوتیں موجود ہوں اور اسی طرح حس و حرکت ارادی وغیرہ کی قسم کے آثار حیات بھی ان میں ظاہر ہو جاتے ہیں بغیر اس کے کہ وہ خود حیات رکھتے ہوں، وہ مخلوقات میں کلام پیدا کرتا ہے بغیر اس کے کہ خود قوت تکلم پیدا کریں، مختصر یہ ہے کہ صفات کے آثار جو حق سبحانہ وتعالیٰ کے پیدا کرنے کی وجہ سے ان میں ظاہر ہو گئے ہیں محض ان آثار کے پائے جانے کی وجہ سے ان پر صفات کا اطلاق کر دیا جاتا ہے، بغیر اس کے کہ ان صفات کی حقیقت ان کے اندر متحقق ہو ورنہ وہ تو چند بے حس و حرکت جمادات کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہیں، آیت مبارکہ 'انک میت وانھم میتون' ﴿بے شک آپ کو مرنا ہے اور وہ بھی مرجائیں گے﴾ اسی بات کی تصدیق کرتی ہے ﴿گویا مخلوق کے جملہ کمالات حق تعالیٰ کی عطا سے ہیں، ذاتی کمالات کا مالک فقط حق تعالیٰ ہے﴾

ایک مثال:

یہ مبحث ایک مثال سے بالکل واضح ہو جاتا ہے، ہم کہتے ہیں کہ کوئی شعبدہ باز لکڑی یا کاغذ کی کوئی تصویر ﴿مورتی﴾ بناتا ہے خود پس پردہ بیٹھ کر اس کی تصویر کو حرکت دیتا ہے اور عجیب وغریب حرکات اس سے ظاہر کرتا ہے، سادہ لوح لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ تصویر اپنی قدرت اور اختیار سے حرکت کر رہی ہے، چنانچہ بظاہر حرکات اس

سے صادر ہونا اس بات کا وہم پیدا کر دیتا ہے کہ خود اس میں قدرت بھی موجود ہے اور ارادہ بھی، حالانکہ در حقیقت وہاں نہ قدرت ہوتی ہے اور نہ ارادہ ہوتا ہے، اسی طرح یہ بھی وہم ہو جاتا ہے کہ وہ زندگی بھی رکھتی ہے کیونکہ اس میں زندگی کے آثار بھی پائے جاتے ہیں نیز یہ وہم بھی ہو جاتا ہے کہ وہ علم بھی رکھتی ہے کیونکہ ارادہ تو علم ہی کے تابع ہے اور اگر بالفرض وہ شعبدہ باز اس میں بولنے اور بات کرنے کو بھی ایجاد کر دے تو لوگ کہنے لگیں کہ وہ باتیں بھی کرتی ہے اور اس کا وہی حال ہوگا جو سامری کے بنائے ہوئے بچھڑے کا تھا جو بغیر اس کے کہ کلام کرنے کی صفت اپنے اندر رکھتا ہو، اس نے آواز نکالی تھی لیکن ایسے لوگ جن کی چشم بصیرت دو بینی ﴿ایک کو دو دیکھنے﴾ کے پردہ سے چاک ہو چکی ہے دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ یہ تصویر محض ایک بے جان چیز ﴿جماد﴾ ہے، ان میں سے کوئی صفت بھی اس میں موجود نہیں ہے اور اس کا ایک بنانے والا ہے، جو ان تمام حرکات و آثار کو اس میں ایجاد کر رہا ہے، لیکن اس کے باوجود بھی ان افعال و حرکات کو اسی تصویر کی طرف منسوب کرتے ہیں اس کے بنانے والے کی طرف منسوب نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ تصویر حرکت کر رہی ہے، یوں نہیں کہتے کہ بنانے والا حرکت پیدا کر رہا ہے ﴿مگر حرکت تصویر ہی کر رہی ہے﴾

اس کے بعد کہنے کی گنجائش نہیں رہتی کہ ﴿خدا تعالیٰ ہی﴾ لذت حاصل کرتا ہے اور خدا تعالیٰ ہی الم محسوس کرتا ہے ﴿العیاذ باللہ﴾ جیسا کہ بعض صوفیہ نے کہہ دیا ہے اور انہوں نے لذت اور الم کو بھی حق سبحانہ کی طرف ہی منسوب کر دیا ہے، حاشا وکلا ﴿یعنی ایسا ہرگز بھی نہیں ہے﴾ حق تعالیٰ تو لذت و الم کو پیدا کرنے والا

ہے، وہ خود لذت حاصل کرنے والا اور الم محسوس کرنے والا نہیں ہے، لہذا ﴿ظاہر ہے کہ﴾ جب صفات کی حقیقت مخلوقات سے منتفی ہو گئی تو ذات کی حقیقت بھی ان سے منتفی ہو گئی، کیونکہ ذات تو اس کو کہتے ہیں جو خود اپنے نفس کے ساتھ قائم ہو اور صفات اس کو کہتے ہیں جو ذات کے ساتھ قائم ہوں، ذات ہی ان صفات کے آثار کا سرچشمہ ہوا کرتی ہے اور مذکورہ بالا تحقیق سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ صفات کے واسطہ کے بغیر ان صفات کے آثار کا خالق حق تعالیٰ شانہ ہی ہے لہذا ذات کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں ہے کہ وہ ان آثار کی ایجاد اور تخلیق کا محل ہوتی ہے اور بس اس بنا پر ذات کی حقیقت بھی ان سے منتفی ہو گئی 'ان اللہ خلق ادم علیٰ صورتہ' ﴿الحدیث﴾ ﴿یقیناً خدا تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا ہے﴾ سے اس مضمون کی طرف اشارہ ہے یعنی خدا تعالیٰ نے آدم کو اپنی ذات و صفات کی صورت پر پیدا فرمایا، لہذا ثابت ہو گیا ہے کہ نہ خدا تعالیٰ کی ذات کا کوئی مثل ہے اور نہ ہی اس کی صفات کا، اس لیے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے 'وھو السمیع البصیر' تنزیہ کا پورا کرنے والا اور نفیِ مماثلت کی تکمیل کرنے والا ہے، یہ بات نہیں ہے کہ تنزیہ کے منافی اور تشبیہ کو ثابت کرنے والا ہو، یعنی آیت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ جو سمع و بصر ﴿سننے اور دیکھنے کی قوتیں﴾ مخلوقات کے لیے ثابت ہیں اسی طرح خدا تعالیٰ کی سمع اور بصر ہوں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ مخلوقات کو نہ سمع کی قوت حاصل ہے، نہ بصر کی، بلکہ ان کا سننا اور دیکھنا محض اس وجہ سے ہے کہ حق تعالیٰ وسبحانہ ان کو مخلوقات کی صفت سمع اور بصر کے کسی واسطہ کے بغیر مخلوقات میں خود ہی پیدا کرتا ہے،

اللہ تعالیٰ نے صرف سمع اور بصر ہی کا ذکر فرمایا ہے، حالانکہ تمام صفات کی صورت یہی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں کی نفی کر دینے سے جب کہ یہ دونوں صفتیں بہت ہی ظاہر ہیں اور مخلوقات میں ان کا ثبوت واضح طور پر نظر آتا ہے، باقی صفات کی خود بخود نفی ہو جاتی ہے، جیسا کہ ظاہر ہے، اس سے ثابت ہو گیا کہ نہ خدا کی ذات کو پہچانا جا سکتا ہے نہ اس کی صفات کو آدمی جس طرح حق تعالیٰ کی ذات کی معرفت میں عاجز ہے اسی طرح اس کی صفات کی معرفت میں عاجز ہے، خاک کو رب الارباب سے کیا نسبت.

﴿چہ نسبت خاک را با عالم پاک﴾

﴿معرفت:22﴾

ولایت خاصہ محمدیہ:

جاننا چاہیے کہ خاص ولایت محمدیہ ﴿آپ ﷺ پر درود و سلام ہوں﴾ مجذوبوں، سالکوں کے ساتھ مخصوص ہے جن کو "مرادین" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور مریدین کو ان کی ذاتی استعدادوں کے مطابق ولایت میں کوئی حصہ نہیں ملتا، مریدین سے ہماری مراد وہ حضرات ہیں جن کا سلوک ان کے جذب پر مقدم ہو بجز اس کے کہ مراد محبوب کسی مرید محبّ کی خصوصی تربیت فرمائے اور اس میں تصرف سے کام لے اور اسے اپنے کمال تصرف سے ایسا جذب عطا کر دے جو خود اس مراد کے جذب کے مثل ہو جیسا کہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب ؓ کا معاملہ تھا، کیونکہ بے شک وہ بھی سالک مجذوب تھے لیکن وہ آنحضرت ﷺ کی تربیت اور ان میں آپ ﷺ کے کمال تصرف کی وجہ سے نیز اس وجہ سے کہ آپ ﷺ نے ان

کو جذب فرمالیا تھا، ولایتِ خاصہ کے درجہ تک پہنچ گئے تھے، برخلاف خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پہلے ہوئے ہیں کیونکہ ان کا جذب ان کے سلوک پر مقدم ہے، بعینہٖ اس طرح جیسا کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کا حال ہے کیونکہ آپ کا جذب بھی سلوک سے مقدم ہے اور اس سے یہ وہم نہ کیا جائے کہ ہر مجذوب سالک اس ولایتِ خاصہ تک پہنچ سکتا ہے، ایسا ہرگز نہیں ہے، بلکہ اگر ان ہزارہا مجذوب سالکین میں سے ایک آدمی بھی کئی صدیوں کے بعد ایسا ہو جائے تو اسے غنیمت سمجھنا چاہیے، یہ تو اللہ تعالیٰ ہی کا فضل و انعام ہے، وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑے ہی فضل والا ہے اور حق تعالیٰ ہمارے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ کی آل پر رحمتیں اور سلامتیاں نازل فرمائے۔

معرفت: 23

سالک مجذوب اور مجذوب سالک کے مراتب میں فرق:

سالک مجذوب کو معرفت میں مجذوب سالک پر فضیلت ﴿پیش تری حاصل﴾ ہوتی ہے اور محبت کا معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ حق تعالیٰ وسبحانہٗ مجذوب سالک کی تربیت اس کی ابتدائی حالت سے آخر تک اپنی خصوصی محبت سے فرماتا ہے اور اس کو اپنی عنایت کاملہ سے اپنی بارگاہ کی طرف جذب فرمالیتا ہے۔

یہاں معرفت سے ہماری مراد وہ معرفت ہے جس کا تعلق تجلیات افعالیہ یعنی اشیا کونیہ کی معرفت اور اللہ تعالیٰ کی صفات اضافیہ سے ہے لیکن وہ معرفت جس کا تعلق حق سبحانہ وتعالیٰ کی ذات سے ہے، جس کو جہل سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس

طرح وہ معرفت جس کا تعلق صفات سلبیہ تنزیہ سے ہے جو کہ محض حیرت پر مشتمل ہوتی ہے اسی طرح وہ معرفت جس کا تعلق صفات ذاتیہ موجودہ سے ہے اور وہ معرفت جس کا تعلق شیون ذاتیہ اعتباریہ سے ہے تو مجذوب سالک ان چاروں معرفتوں کا زیادہ مستحق ہوتا ہے اور وہ ان کی تفصیلات کے زیادہ مناسب ہوتا ہے۔

رہ گئیں وہ معرفتیں جن کا تعلق مقامات عشرہ یعنی زہد، توکل، صبر و رضا وغیرہ سے ہوتا ہے تو سالک مجذوب ہی ان معرفتوں اور ان کی تفصیلات کے قابل ہوا کرتا ہے کیونکہ وہ تفصیل کے ساتھ ان مقامات کو طے کرتا ہے اور درجہ بدرجہ پر سے گزرتا ہے، وہ ہر مقام کی باریکیوں کو تفصیلی طور پر پہچانتا ہے جنہیں مجذوب سالک نہیں پہچانتا، کیونکہ اس کے حق میں یہ تمام مقام سمیٹ دئے جاتے ہیں اور ہر مقام کا جوہر اور خلاصہ اسے حاصل ہوتا ہے جو سالک مجذوب کو حاصل نہیں ہوتا، لہذا سالک مجذوب ان مقامات میں ظاہر اور صورت کے اعتبار سے زیادہ کامل ہوتا ہے اور مجذوب سالک ان مقامات میں جواہر اور خلاصہ کے اعتبار سے زیادہ کامل ہوتا ہے۔

اس لیے عوام نے جو صورتوں کی طرف دیکھتے ہیں یہ سمجھ لیا ہے کہ مقام زہد، توکل، صبر و رضا وغیرہ میں اول ﴿یعنی سالک مجذوب﴾ بہ نسبت دوسرے ﴿یعنی مجذوب سالک﴾ کے زیادہ کامل ہوتا ہے، وہ یہ بات نہیں جانتے کہ دوسرے گروہ یعنی مجذوب سالک میں رغبت کا پایا جانا اس کے کمال زہد کے منافی نہیں ہوتا اور اسی طرح اسباب کے ساتھ تعلق کمال توکل کے منافی نہیں ہوتا اور اس میں ناپسندیدگی کا پایا جانا رضا کے منافی نہیں ہوتا کیونکہ اس کی یہ رغبت بھی اللہ تعالیٰ کی

وجہ سے ہوتی ہے، اسکا اسباب کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کی وجہ سے ہوا ہے اور اس میں ناپسندیدگی کا پایا جانا بھی اللہ عزوجل ہی کی وجہ سے ہوتا ہے، باوجودیکہ اس میں یہ تمام اوصاف خالص اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے ہی ہوتے ہیں، وہ دنیا کی طرف رغبت کرتا ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کی وجہ سے کرتا ہے، کسی غیر کی وجہ سے نہیں کرتا، اگر اس کی رغبت اپنے نفس کے لیے ہو تو چونکہ اس کا نفس بھی اس کے پروردگار کا فرمانبردار ہو چکا ہے، لہذا یہ رغبت بھی درحقیقت اپنے پروردگار عزوجل ہی کے لیے ہوگی۔

﴿معرفت: 24﴾

صورت ایمان اور حقیقت ایمان:

'لا الہ الا اللہ' کے ذکر سے مقصود باطل معبودوں کی نفی کرنا ہے، خواہ وہ آفاقی ہوں اور خواہ انفسی، آفاقی معبودوں سے مراد کافروں اور فاجروں کے باطل معبود ہیں مثلاً، لات اور عزیٰ اور معبودان انفسی سے مراد نفسیاتی خواہشات ہیں جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے 'افرایت من اتخذ الٰھہ ھواہ' ﴿تو کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھا جنہوں نے اپنی خواہشات کو ہی اپنا خدا بنالیا﴾ ایمان یعنی تصدیق قلبی جس نے ہمیں ظاہر شریعت کا مکلّف بنا دیا ہے، آفاقی معبودان باطل کی نفی کے لیے کافی ہے لیکن انفسی معبودان باطل کی نفی کے لیے نفس امارہ کا تزکیہ درکار ہے جو اہل اللہ کے راستے پر چلنے ﴿سلوک﴾ کا حاصل ہے، ایمان حقیقی ان دونوں قسم کے معبودان باطل کی نفی سے وابستہ ہے، لیکن ایمان کے متعلق شریعت کا حکم محض معبودان آفاقی

کے ابطال ونفی سے بھی ثابت ہو جاتا ہے، یہ صورت ایمان کی قسم ہے مگر حقیقت ایمان انفسی معبودوں کے ابطال سے ہی میسر آتی ہے یہی قسم کا ایمان ابطال پر ہی منحصر ہے، صورت ایمان کے تو زائل ہونے کا احتمال ہے لیکن حقیقت ایمان اس احتمال سے محفوظ ہے کیونکہ صورت ایمان میں اول تو نفس امارہ ہی اپنے انکار وکفر سے باز نہیں رہتا ﴿صورت ایمان میں﴾ اس سے زیادہ کچھ حاصل نہیں ہوتا کہ نفس امارہ کی مخالفت کے باوجود قلب میں ایک گونہ تصدیق پیدا ہو جاتی ہے، لیکن ایمان حقیقی میں خود نفس امارہ جو اپنی ذات کے اعتبار سے سرکش ہے، مطیع وفرمانبردار ہو کر سرکشی سے باز آ جاتا ہے اور شرف ایمان سے مشرف ہو جاتا ہے، ان تکلیفات شرعیہ سے مقصود بھی نفس کو عاجز کرنا اور خراب کرنا ہے کیونکہ قلب تو بذات خود احکام الٰہی کا مطیع وفرمانبردار ہی ہوتا ہے، اگر قلب میں کسی قسم کی خباثت پیدا ہوتی ہے تو وہ نفس کی ہمسائیگی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے

تواضع زگردن فرازاں نکوست
گدا گر تواضع کند خوئے اوست

بہت اچھی ہے عادت سر بلندی میں تواضع کی
گدا مجبور ہے عادت سے گر اس نے تواضع کی

لہذا تزکیہ نفس ضروری ٹھہرایا تا کہ ایمان کی حقیقت حاصل ہو سکے اور وہ زوال سے محفوظ ہو جائے، تزکیہ نفس کا تعلق درجہ ولایت سے ہوتا ہے جس سے مراد فنا اور بقا ہے، جب تک کوئی آدمی درجہ ولایت تک نہ پہنچ جائے اطمینان نفس ممکن

نہیں ہے اور جب تک نفس اطمینان سے وابستہ نہ ہو جائے حقیقت ایمان کی بو بھی مشام جان تک نہیں پہنچ سکتی اور وہ زوال کے اندیشہ سے محفوظ نہیں رہ سکتا' الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون' ﴿یادرکھو جو لوگ اللہ کے دوست ہیں نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں﴾

از پئے ایں عیش و عشرت ساختن
صد ہزاراں جا بباید باختن
اس جہاں کے عیش و عشرت کے لیے
چاہئیں تحفے ہزاروں جان کے

﴿معرفت: 25﴾

طریقت اور حقیقت سے شریعت کا تعلق:

حقیقت سے مراد شریعت کی حقیقت ہے، یہ نہیں کہ حقیقت شریعت سے الگ کوئی چیز ہے، طریقت سے مراد حقیقت شریعت تک پہنچنے کا طریقہ ہے، شریعت اور حقیقت کوئی الگ چیز نہیں ہے، شریعت کی حقیقت صحیح طور پر حاصل ہونے سے پہلے صرف شریعت کی صورت کا حصول ہوتا ہے اور شریعت کی حقیقت کا حصول اطمینان نفس کے مقام میں ہوتا ہے، جب آدمی کو درجہ ولایت تک رسائی ہوتی ہے، درجہ ولایت میں رسائی اور اطمینان نفس حاصل ہونے سے پہلے شریعت کی صورت ہوتی ہے جیسا کہ ایمان کے سلسلے میں بیان ہوا ہے کہ اطمینان نفس سے پہلے ایمان کی

صورت حاصل ہوتی ہے اور اطمینان کے بعد ایمان کی حقیقت حاصل ہوتی ہے۔

﴿معرفت: 26﴾

مراتب فنا:

فنا سے مراد حق تعالیٰ کی ہستی کے شہود کے غلبہ کی وجہ سے ماسوائے حق سبحانہ کو بھول جانا، اس کی وضاحت یہ ہے کہ روح انسانی مع سر، خفی اور اخفیٰ کے بدن کے ساتھ تعلق پیدا ہونے سے پہلے اپنے صانع حقیقی جل سلطانہ کا یک گونہ علم رکھتی ہے اور بارگاہ قدس کے ساتھ اسے ایک طرح کی توجہ حاصل ہوتی ہے اور چونکہ اس کی فطرت میں ترقیات کی استعداد رکھدی گئی ہے اور ان استعدادوں کا ظہور بدن عنصری کے ساتھ تعلق ہونے پر منحصر تھا اس لیے لامحالہ اولاً اسے تعشق ﴿فریفتگی﴾ اور محبت کی صفت عطا فرمائی گئی، پھر اس کے بعد کے درجہ میں اس کی توجہ کو اس مادی جسم کی طرف پھیر دیا گیا اور ان دونوں ﴿روح اور جسم﴾ میں محبت کا ارتباط اور تعلق بدرجہ کمال پیدا کر دیا گیا، چنانچہ روح نے اس تعلق کی بنا پر اپنے کمال لطافت کے باوجود اپنے آپ کو محبوب ظلمانی ﴿جسم﴾ میں گم کر دیا اور اپنے وجود کو مع اس کے توابع ﴿سر، خفی اور اخفیٰ﴾ کے اس ظلمانی محبوب یعنی جسم میں فنا کر دیا یہی وجہ ہے کہ بہت سے عقل مند لوگ اپنے آپ کو جسم کے علاوہ کچھ اور نہیں سمجھتے اور جسم کے علاوہ کسی اور بات کا اثبات نہیں کرتے۔

فنائے جسمی:

حضرت حق سبحانہ جو ارحم الراحمین ﴿سب سے زیادہ رحمت کرنے والا﴾ ہے

نے، اپنے کمال رحمت سے انبیا کرام علیہم السلام کی زبانی جو کہ تمام جہانوں کی رحمت ہیں 'صلوات اللہ تعالیٰ علیہم وتسلیماتہ علی جمیعہم عموماً وعلی افضلہم و خاتمہم خصوصاً' ﴿اب سب پر اللہ کی رحمتیں اور سلامتیاں نازل ہوں اور خصوصیت کے ساتھ ان میں سے افضل ترین اور ان کے خاتم پر﴾ لوگوں کو اپنی بارگاہ قدس کی طرف بلایا اور اس تعلق ظلمانی سے منع فرمایا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے 'قل اللہ ثم ذرھم' ﴿اے پیغمبر! کہہ دیجئے کہ ﴿موسیٰ علیہ السلام پر کتاب اللہ ہی نے اتاری تھی﴾ پھر آپ ان کو چھوڑ دیجئے﴾ جس کسی کو سعادت ازلی حاصل ہو گئی اس نے الٹے پیروں واپس ہو کر علم سفلی کی محبت کو الوداع کہا اور عالم بالا کی طرف متوجہ ہو گیا اور آہستہ آہستہ پرانی محبت نے غلبہ کیا اور نئی پیدا شدہ دوستی نے زوال کی راہ اختیار کی، یہاں تک کہ اس محبوب ظلمانی ﴿یعنی جسد عنصری﴾ کے ساتھ مکمل نسیان میسر آ گیا اور اس محبت کا کوئی اثر باقی نہ رہا، اس وقت فنائے جسدی حاصل ہو گئی اور دو قدم جس کا اس راہ ﴿طریقت﴾ میں اعتبار کیا گیا جیسا کہ کہا ہے 'خطوتان وقد وصلت' ﴿دو قدم ہی تو ہیں اور بس تم پہنچ گئے﴾ ان دو قدموں میں سے اس نے ایک قدم کو انجام تک پہنچا دیا۔

فنائے روحی:

اس کے بعد اگر محض فضل خداوندی جل سلطانہ کی بنا پر اس مقام سے ترقی حاصل ہو جائے تو آدمی خود روح کے وجود اور اس ﴿روح﴾ کے توابع کو بھی بھولنا شروع کر دیتا ہے اور آناً فاناً یہ بھول بھی بڑھتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ آدمی اپنے

آپ کو بالکل ہی بھلا دیتا ہے اور بجز بارگاہ واجب الوجود جل سلطانہ کے شہود کے اور کچھ باقی نہیں رہتا، اس نسیان کو فنائے روحی سے تعبیر کرتے ہیں، جو ان دو قدموں میں سے دوسرا قدم ہے اور روح کے عالم سفلی کی طرف نیچے اترنے کا مقصود فنا کی اسی دوسری قسم کا حاصل کرنا تھا، اس کے بغیر یہ دولت میسر نہیں آسکتی تھی۔

ایک دقیق راز:

اس میں جو دقیق راز ہے، وہ باکمال اہل اللہ پر مخفی نہیں ہے اور وہ راز یہ ہے کہ روح کے واسطے اپنے آپ کو بھول جانے کے لیے کسی غیر کے ساتھ شدید محبت اور کمال مودت حاصل ہونا ضروری ہے اور محبت کا غلبہ جیسا کہ حاضر کے حق میں ہوتا ہے اس کے مثل غائب کے حق میں نہیں ہوا کرتا، لہذا اولاً تو روح نے حاضر میں کمال محبت کو حاصل کیا جو خود روح کو فنا کر دینے والا تھا پھر دوسرے درجہ میں اپنے آپ کو فنا کرنے کے لیے (عالم) غیب میں اسی محبت سے کام لیا، یہ وہ دقیق راز ہے جسے اکابر عارفین کے علاوہ دوسرے لوگ نہیں جانتے۔

فنائے قلبی:

رہ گیا قلب جسے حقیقت جامعہ سے تعبیر کیا جاتا ہے تو وہ اس وقت روح ہی کے تابع ہوتا ہے، لہذا جب وہ ترقی کر کے اپنے مقام سے روح کے مقام میں پہنچ گیا تو اسے بھی روح کی متابعت میں یہی نسیان حاصل ہو گیا اور اس کے فنا کے ساتھ خود بھی فنا ہو گیا۔

فنائے نفس:

رہ گیا نفس تو اس کا تزکیہ مقام قلب میں پہنچ جانے کے بعد ہوتا ہے اور یہ اس کے بعد پیش آتا ہے، جب قلب ترقی کر کے خود مقام روح میں پہنچ جاتا ہے، صاحب عوارف جو شیخ الشیوخ ہیں نسیان مذکورہ کو مادہ نفس میں ثابت نہیں کرتے وہ نفس کی کمال پاکیزگی اسی میں بتاتے ہیں کہ نفس مقام قلب میں رسائی حاصل کر لے، لیکن یہ حقیر کہتا ہے کہ نسیان مذکور مادہ نفس میں بھی حاصل ہوتا ہے لیکن نفس کی ترقی کر کے مقام قلب اور مقام روح میں پہنچ جانے کے بعد ہوتا ہے، لہذا نفس کے لیے بھی فنا متحقق ہوتی ہے جیسی کہ قلب کی ہوتی ہے، یہ نفس ہی تو ہے جو حصول اطمینان کے بعد اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرتا ہے اور مقام قلب سے مقلب قلب ﴿دل کو پھیرنے والی ہستی یعنی خدا تعالیٰ﴾ کے ساتھ تعلق استوار کر کے راضی و مرضی ﴿پسندیدہ﴾ بن جاتا ہے، حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس کی شان میں فرمایا ہے: 'یاایتها النفس المطمئنة ارجعی الی ربك راضية مرضية' ﴿اے نفس مطمئنہ ﴿اب تو﴾ اپنے رب کی طرف راضی اور پسندیدہ بنکر واپس آجا﴾ البتہ جب تک وہ مقام قلب میں رہتا ہے جس کی شیخ الشیوخ رحمۃ اللہ علیہ نے خبر دی ہے اور جس کا نام انہوں نے مقام مطمئنہ رکھا ہے اس وقت تک نسیان مذکورہ اس کے حق میں مفقود ہوتا ہے، بلکہ اس مقام میں تو اسے اطمینان کا نام بھی زیب نہیں دیتا ہے، وہ تزکیہ یافتہ تو ہو گیا ہے لیکن ابھی تک اطمینان کے ساتھ اسے وابستگی حاصل نہیں ہوئی، مقام قلب تغیر وتبدل کا مقام ہے، اطمینان اس کی ضد ہے، لہذا اس مقام سے نکل جانا

اطمینان کی شرط ہے، ہر آدمی کا فہم اس مقام تک نہیں پہنچتا 'ذالك فضل الله يو تيه من يشاء و الله ذو الفضل العظيم ' ﴿تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وانعام ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑے ہی فضل والا ہے﴾

معاملہ قالب:

رہ گیا وہ معاملہ جو **قالب** ﴿جسم﴾ کے ساتھ ہے تو سوائے ان اعمال جوارح ﴿اعضائے بدن کے اعمال﴾ کے جن کو شریعت مصطفویہ نے بیان فرمادیا ہے، سب کچھ ولایت معلومہ کے دائرے سے خارج اور جذب وسلوک کے دونوں طریقوں سے باہر کی بات ہے، کیونکہ اس کا معاملہ تصفیہ قلب اور تزکیہ نفس کے علاوہ ہے، اکابر اولیا اللہ میں سے قلیل ترین حضرات کے سوا کسی کو اس مقام کے علوم ومعارف کی کوئی اطلاع نہیں دی گئی، چونکہ کسی نے بھی اس سلسلہ میں تفصیل سے بات نہیں فرمائی اور کلام ربانی ﴿قرآن پاک﴾ اور احادیث نبوی ﷺ میں اگرچہ ذکر آیا ہے لیکن محض اشارات ورموز میں آیا ہے لہذا یہ ضعیف بھی اس مبحث کے متعلق کوئی بات نہیں کرتا اور ولایت معرفہ کے مرتبہ میں جو فنا کے مراتب ہوتے ہیں انہیں کے بیان پر اکتفا کرتا ہے، اگر اس کے بعد بھی سامعین میں اس بات کو سمجھنے کی استعداد معلوم ہوئی تو اپنی معلومات اور سامعین کے فہم کے اندازے کے مطابق اس سلسلے میں لب کشائی کروں گا، ان شاء اللہ تعالیٰ اور حق سبحانہ وتعالیٰ ہی توفیق عطا فرمانے والا اور درست بات دل میں ڈالنے والا ہے۔

تنبیہ:

جاننا چاہیے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ جسے فنائے روحی میسر ہو جائے اسے فنائے قلبی بھی نصیب ہو جاتی ہے اتنی بات ضرور ہے کہ قلب کو روح کی طرف جو اس کے لیے بھی بمنزلہ باپ کے ہے، ایک طرح کا میلان پیدا ہو جاتا ہے اور نفس سے جو قلب کے بمنزلہ ماں کے ہے روگردانی اور اعراض حاصل ہوتا ہے، اگر اس کا میلان غلبہ کرے اور اسے پوری طرح باپ کی جانب کھینچ لے اور اس ﴿روح﴾ کے مقام میں اسے پہنچا دے تو اس وقت وہ باپ کی صفت یعنی فنا کے ساتھ متصف ہو جاتا ہے، نفس کا حال بھی اسی طرح کا ہے کہ فنائے روحی اور فنائے قلبی سے اس کی فنا لازم نہیں آتی، مختصر یہ ہے کہ نفس کو اپنے لڑکے یعنی قلب کی طرف ایک قسم کا میلان اور کشش پیدا ہو جاتی ہے، اگر یہ میلان غالب آ جائے تو اسے لڑکے کی مرتبہ میں جو خود صالح باپ کے مقام میں پہنچ چکا ہے، پہنچا دے تو وہ لامحالہ لڑکے کی صفت کے ساتھ جو اپنے باپ کے خلق کے ساتھ متخلق ﴿آراستہ﴾ ہو چکا ہے، متصف ہو جاتا ہے اور فنا کو حاصل کر لیتا ہے۔

فنائے سر وخفی واخفی:

نیز وہ تینوں مراتب جو روح سے اوپر ہیں ان کا بھی یہی حال ہے کہ روح کے فنا ہو جانے سے ان کی فنا لازم نہیں آتی، البتہ اگر روح کے ہبوط ﴿نیچے اترنے﴾ کے وقت ان تینوں مرتبوں نے بھی کلی طور پر یا جزوی طور پر روح کی موافقت میں اسی وقت ہبوط کیا ہو ﴿نیچے اتر آئے ہوں﴾ اور روح کی محبت کا غلبہ ان

میں سرایت کر گیا ہو اور اپنی ذاتوں کے نسیان کے مرتبہ تک انہیں پہنچا دیا ہو تو ہو سکتا ہے کہ واپس لوٹتے وقت ان تینوں کو بھی کلی طور پر یا جزوی طور پر فنا حاصل ہو جائے اور روح کی طرح وہ سب بھی فانی ہو جائیں۔

علامت فنائے قلب:

واضح رہے کہ خطرات کا قلب سے بالکلیہ اٹھ جانا اس کے ماسوائے حق سبحانہ وتعالیٰ کو بھول جانے کی علامت ہے کیونکہ خود خطرہ قلبی سے مراد دل میں کسی چیز کا حاصل ہونا اور اس چیز کا خیال دل میں گزرنا ہے، خواہ ابتدأً یعنی خود بخود وہ خیال آیا ہو یا ذکر کرنے سے آیا ہو اور یہ کسی چیز کا خیال دل میں آنا اور اس کے خیال کا دل میں گزرنا ہی علم ہے، کسی چیز کے خیال کا دل میں آنا جب بالکل منتفی ہو جائے یعنی اس حد تک کہ اگر اسے بہ تکلیف بھی لانا چاہیں تو نہ آئے اور اگر اسے یاد کرائیں تب بھی یاد نہ آئے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ علم بالکلیہ زائل ہو گیا، یہ زوال علم وہی نسیان ہے جو فنا میں معتبر ہے۔

یہ ہے وہ مقام فنا کی وضاحت کا آخری بیان، مشائخ میں سے کسی نے بھی اس تفصیل کے ساتھ اس مقام میں گفتگو نہیں فرمائی اور حق سبحانہ وتعالیٰ کے سوا ہر چیز کو بھول جانے سے زیادہ فنا کے کوئی اور معنی نہیں بتائے، اب بھی اس موضوع پر مزید گفتگو کی بڑی گنجائش ہے، اگر توفیق خداوندی جل سلطانہ مدد فرمائے تو یہ فقیر اس سے بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ گفتگو کرے گا، کیونکہ یہ مقام طالبین کے غلطی میں مبتلا ہونے کا مقام ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

معرفت: 27

واجب تعالیٰ کے ساتھ روح کا اشتباہ:

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ سالک کی نظر عالم ارواح پر پڑتی ہے اور اس وجہ سے کہ عالم ارواح کو مرتبہ وجوب کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے، اگرچہ یہ مناسبت محض صورت کے اعتبار سے ہی ہوتی ہے تو سالک اس عالم ہی کو حق سمجھتا ہے اور اس عالم کے مشاہدہ کو حق جل سلطانہ تصور کر لیتا ہے اور اس سے محظوظ اور لذت اندوز ہونے لگتا ہے اور چونکہ عالم ارواح کو عالم اجساد کے ساتھ بھی ایک طرح کا تعلق حاصل ہوتا ہے لہذا اس عالم کے شہود کو اس عالم میں کثرت کے اندر وحدت شہود سمجھ لیتا ہے اور احاطہ ذاتیہ اور معیت ذاتیہ کا حکم لگانے لگتا ہے اور ان تخلیات کی وجہ سے ترقی اور مطلوب حقیقی تک پہنچنے کی راہ سالک پر بند ہو جاتی ہے اگر اس مرتبہ سے اسے آگے نہ بڑھائیں اور باطل سے حق تک نہ پہنچائیں تو افسوس صد افسوس ہے، بعض مشائخ اس مقام پر تیس سال تک روح کو خدا سمجھ کر اس کی پرستش کرتے رہے ہیں اور جب ﴿توفیق حق نے﴾ انہیں اس مقام سے گزار دیا تو اس کی برائی کا انہیں علم ہوا، اس خدا کا شکر ہے کہ جس نے ہمیں اس کی راہنمائی فرمائی، اگر خدا تعالیٰ نے ہماری راہنمائی نہ فرمائی ہوتی تو ہم راہ نہ پا سکتے یقیناً ہمارے پروردگار کے تمام رسول حق لے کر آئے ہیں۔

﴿معرفت: 28﴾

وجود صفات سے بعض لوگوں کے انکار کی وجہ:

بعض مشائخ نے جو واجب تعالیٰ جل شانہ کی صفات کے ﴿الگ﴾ وجود سے انکار کر دیا ہے اور انہوں نے صفات کو خارج میں عین ذات کہہ دیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حضرات تجلیات صفاتیہ کے مرتبہ میں ہیں، صفات ان کے لیے ذات جل شانہ کے مشاہدے کے آئینے بن گئی ہیں اور آئینہ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ ﴿خود﴾ دیکھنے والے کی نظر سے مخفی ہو جاتا ہے ﴿اور وہی چیز نظر آتی ہے جو آئینے کے بالمقابل ہوتی ہے﴾ لہذا صفات لامحالہ آئینہ بن جانے کے حکم کی وجہ سے ان کی نگاہوں سے پوشیدہ ہو گئی ہیں اور چونکہ صفات انہیں نظر نہیں آتیں اس لیے وہ فیصلہ دے دیتے ہیں کہ وہ خارج میں عین ذات اور علم کے میں مرتبہ ہیں، جو انہوں نے ذات تعالیٰ وتقدس کے ساتھ صفات کی مغائرت ﴿غیر ہونا﴾ ثابت کی ہے تو وہ محض اس بنا پر ہے کہ تا کہ بالکلیہ صفات کی نفی لازم نہ آئے، اگر یہ بعض حضرات اس مقام سے اوراوپر پہنچ جاتے اور ان کا شہود صفات کے ان آئینوں سے باہر نکل جاتا تو وہ حقیقت حال کو جو کچھ کہ ہے جان لیتے اور سمجھ جاتے کہ علمائے اہل سنت کا یہ فیصلہ صحیح اور واقع کے مطابق اور فانوس نبوت علیہم الصلوات والتسلیمات سے ماخوذ ہے کہ صفات ﴿الگ﴾ موجود ہیں اور وہ ذات پر زائد ہیں۔

﴿معرفت: 29﴾

کفر شریعت اور کفر حقیقت:

کارکنان جس کسی کو محض اپنے فضل سے ترقیات کی دولت سے مشرف فرمانا چاہتے ہیں تو ہر مقام میں اسے فنا اور بقا عطا فرما دیتے ہیں، جب تک اس کو نزول کے مقام میں فنا اور بقا میسر نہ آجائے اس مقام سے اوپر کی طرف عروج کا تصور بھی نہیں

کیا جا سکتا، یہی اللہ کا طریقہ ہے جو اس سے پہلے بھی گزر رہا ہے اور تم اللہ تعالیٰ کے طریقے میں کسی قسم کی تبدیلی ہرگز نہیں پاؤ گے، ایک عزیز فرماتے ہیں ؎

بکفر و با سلام یکساں نگر
کہ ہر یک زدیوانِ او دفترے ست
کفر اور اسلام کو یوں جانئے
ہیں دو دفتر اس کے ہی دیوان کے

کفر اور اسلام کو ایک ہی نظر سے دیکھنا غلبہ توحید اور افراط سکر کے وقت ہوا کرتا ہے جو جمع محض کے مقام میں حاصل ہوتا ہے اور یہ فنا اور ہلاک ہو جانے کا مقام ہے اور یہ دیکھنا سالک کے اپنے اختیار سے نہیں ہوتا لہذا وہ قطعاً معذور ہوتا ہے، جس سالک کو اس مقام سے گزرنا نصیب نہ ہو اور فرق بعد الجمع کے مقام تک رسائی نہ حاصل کر سکے حقیقی اسلام کی بو اس کے مشام جان تک کبھی نہیں پہنچ سکے گی اور وہ تا ابد کفر حقیقی میں گرفتار رہے گا اور حق سبحانہ کی رضا مندی کو اس کی ناراضگی سے جدا نہیں کر سکے گا ؎

ہر کس کہ کشتہ گشت ازاں خال ہندوش
گرچہ شہید رفت مسلماں نمی رود
اس کے سیاہ تل پہ جو قربان ہو گیا
ہو کر شہید بھی وہ مسلماں نہیں رہا

خال ہندوی ﴿سیاہ تل﴾ تاریکی اور پوشیدگی کی خبر دیتا ہے جو کہ

مقام کفر ہی کے مناسب ہے، مسلمانی سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا اور جس طرح مرتبہ شریعت میں اسلام اور کفر کے درمیان امتیاز نہ کرنا کفر شریعت ہے اسی طرح حقیقت کے مرتبہ میں ان دونوں کے درمیان امتیاز نہ کرنا کفر حقیقت ہے، نیز غلبہ حال کے ظہور سے پہلے اسلام اور کفر کے درمیان امتیاز نہ کرنا جس طرح اہل شریعت کے نزدیک کفر ہے اہل حقیقت کے درمیان بھی کفر اور قابل مذمت ہے، اہل شریعت اور اہل حقیقت کے درمیان اگر کچھ اختلاف ہے تو وہ غلبہ حال کی صورت میں ہے، جیسا کہ منصور حلاج کا معاملہ ہوا جو کہ مغلوب الحال تھا، اہل شریعت نے اس کے کفر کا حکم دیا ہے، اہل حقیقت نے نہیں تاہم اہل حقیقت کے نزدیک بھی کوتاہی اس کے دامن گیر ہے، وہ اسے کاملین میں سے شمار نہیں کرتے، حقیقی مسلمانوں میں سے نہیں سمجھتے، منصور کا یہ شعر اسی مضمون کا شاہد ہے ؎

کفرت بدین اللہ والکفر واجب
لدی و عند المسلمین قبیح
ہوا کافر میں دین حق سے مجھ پر کفر واجب ہے
اگرچہ سب مسلمانوں کے ہاں یہ کفر بدتر ہے

تنبیہ:

لہذا غلبہ حال کے طور سے پہلے اصحاب احوال کی پیروی کرنا اور فرق نہ کرنا بے تمیزی ہے اور الحاد و زندقہ ہے اور کفر شریعت و حقیقت ہے، اللہ سبحانہ ہمیں

اور تمام مسلمانوں کو ایسی تقلیدات سے محفوظ رکھے، تقلید کے شایان شان علوم شرعیہ ہی ہیں، نجات ابدی حنفی اور شافعی کی تقلید ہی میں منحصر ہے، جنید رحمۃ اللہ علیہ اور شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال دو مصلحتوں سے کارآمد ہوتے ہیں، ظہور احوال سے پہلے ان اقوال کا سننا طالبین کے لیے ان احوال کی طرف شوق دلانے کا باعث بنتا ہے اور ایک قسم کا وجد پیدا کر دیتا ہے، ظہور احوال کے بعد وہ انہی اقوال کو اپنے احوال کی کسوٹی اور مصداق بنا لیتے ہیں، ان دونوں مصلحتوں کے بغیر ان حضرات کے اقوال کو جاننا اور ان میں غور و فکر کرنا ممنوع ہے، اس میں نقصان کا احتمال ہے اور جس مقام میں ضرر کا ذرا بھی وہم پایا جاتا ہو عقلمند لوگ اس کی طرف پیش قدمی نہیں کرتے تو جہاں ظن غالب ہو وہاں کیسے ممکن ہے۔

﴿معرفت: 30﴾

کفار کے واصل ہونے کی تحقیق:

بعض مشائخ طریقت رحمۃ اللہ علیہم نے سکر اور غلبہ حال میں فرمایا ہے کہ کافر بھی مومن کی طرح مقصود سے واصل ہو جاتا ہے، اگرچہ اس کے وصل کی راہ مختلف اور جدا واقع ہوئی ہے، کیونکہ کفار خدا کے نام المضل ﴿راہ سے گمراہ کر دینے والا﴾ کی راہ سے واصل ہوتے ہیں اور اہل اسلام خدا کے نام 'الھادی' ﴿راہنمائی دینے والا﴾ کی راہ سے، ان حضرات نے اس مقام میں اس جیسی بہت سی باتیں کہی ہیں کچھ دوسرے لوگوں نے بھی جو اس بلند مرتبہ جماعت کے ساتھ تشبیہ اختیار کیے

ہوئے ہیں اس بارے میں محض تقلید کے طور پر یا توحید صوری کے انوار کے ظہور کے وقت بہت سی باتیں کہہ ڈالی ہیں اور سادہ دل لوگوں کو راہ سے بھٹکا گئے ہیں۔

اس بات کی حقیقت ایک دوسرے انداز پر ہے جسے اکابر اہل اللہ پر جو استقامت حال سے مشرف ہیں منکشف فرمایا گیا ہے، اس میں سے مختصر کچھ یہاں تحریر کر دیا جاتا ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

جاننا چاہیے کہ سالک پر اثنائے راہ میں قرب اور معیت حق سبحانہ کو چیزوں کے ساتھ خواہ وہ چیز کوئی سی اور کیسی بھی ہو ظاہر کیا جاتا ہے اور سالک اس وقت ذات حق سبحانہ کو ہر چیز کے ساتھ موجود پاتا ہے اور معیت ذاتی، قرب ذاتی احاطہ اور سریان ذاتی کا حکم لگاتا ہے، وہ اس قرب و معیت میں ساری چیزوں کو یکساں جانتا ہے، وہ چیز خواہ مومن ہو یا کافر، قرب اور معیت کا شہود اس جماعت کے لیے سابقہ حکم لگانے کا باعث ہوا ہے جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں۔

لیکن ارباب صحو ﴿ہوش والے﴾ اور اصحاب تمیز جانتے ہیں کہ اس بارگاہ حق سبحانہ وتعالیٰ سے قرب اور معیت فرض کر لینے کے باوجود یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اس سے قریب ہیں اور اس کے ساتھ ہیں کیونکہ قرب اور فصل تو علم کے اعتبار سے ہوتا ہے اور علم کافر میں مفقود ہے بلکہ عام مومن کے بارے میں بھی لفظ وصل کا اطلاق نہیں کرتے، جب تک کہ وہ درجہ ولایت تک نہ پہنچ جائے اور اس کو بقا باللہ کا مقام حاصل نہ ہو جائے وہ واصل نہیں ہے، اکابر اولیاء اللہ کا یہی مذہب ہے، ایک

بزرگ فرماتے ہیں ؎

دوست نزدیک تر از من نزدیک تر
وین ست مشکل کہ من ازوے دورم
دوست مجھ سے بھی زیادہ ہے مرے نزدیک تر
پر یہ مشکل ہے کہ میں ہی خود ہوں اس سے دور تر

یہ دوری حق تعالیٰ کے قرب کو ذوقی طور پر نہ جاننے کے اعتبار سے ہے بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ گمراہی کا منشا اور غباوت ﴿کند ذہنی﴾ کا سرچشمہ خود یہی بندہ ہے اور بس، بارگاہ حق تعالیٰ وتقدس سے تو تمام خیر و ہدایت ہی کی فیض رسانی ہو رہی ہے، لیکن وہی ہدایت محل خباثت کی وجہ سے گمراہی اور ضلالت کے معنی پیدا کر لیتی ہے اگرچہ یہ معنی بھی حق سبحانہ وتعالیٰ کے پیدا کرنے سے ہی پیدا ہوئے ہیں، اس کی مثال صالح غذا کی طرح ہے کہ بیماروں میں بوجہ ردی اخلاط اور فاسد مواد کے وہی صالح غذا افساد مزاج کا سبب اور بدن کی خرابی کا باعث بن جاتی ہے لہذا اس بارگاہ حق جل وعلیٰ پر المضِل نام کا اطلاق اس اعتبار سے ہے کہ وہی ان میں گمراہی کو پیدا کرتا ہے مگر یہ گمراہی خود ان ہی کی ذاتوں کا تقاضا ہوتی ہے جو حق سبحانہ وتعالیٰ کے پیدا کرنے سے وجود میں آ گئی ہے، اس لیے کہ لوگوں کو خدا کے نام المضِل سے بجز اس کے اور کوئی مناسبت نہیں ہے کہ اس نے ان میں گمراہی کو پیدا فرما دیا ہے۔

اس نام کو بھی مذکورہ فعل پیدائش سے قطع نظر کرتے ہوئے حق سبحانہ کی بارگاہ سے کوئی مناسبت نہیں ہے برخلاف خدا تعالیٰ کے نام الہادی کے باوجود اس

سے قطع نظر کرنے کے وہی ان میں ہدایت کو پیدا کرتا ہے، اس نام کو ذات تعالیٰ و تقدس کے ساتھ مناسبت ہے کیونکہ ہدایت کا منشا خیر اور کمال ہوتا ہے اور ضلالت ﴿گمراہی﴾ کا منشا شر اور نقصان ہوا کرتا ہے اور اول یعنی ہدایت حق تعالیٰ کی بارگاہ قدس کے لائق ہے اور دوسری یعنی ضلالت اس کے لائق نہیں ہے، کیونکہ حق تعالیٰ تو خیر محض ہے، نیز ضلالت ﴿گمراہی﴾ کو مضل کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں ہے بجز اس کے کہ وہ حق تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے کیونکہ وہ شرارت محض ہے اور اس کے برعکس حق تعالیٰ کی ذات کمال محض ہے۔

ہدایت کو ھادی کے ساتھ مخلوق ہونے کی مناسبت کے علاوہ ایک دوسری مناسبت بھی ہے اور وہ ان دنوں میں خیریت ﴿خیر ہونا﴾ اور کمال کا پایا جانا ہے جیسا کہ ابھی ابھی اس کی طرف اشارہ گزر چکا ہے، لہذا گمراہ آدمی کے لیے تو مضل تک راہ ہی نہیں ہے اور ہدایت پانے والے آدمی کے لیے الھادی تک راہ ہے، کیونکہ اول یعنی ضلالت ﴿گمراہی﴾ میں اس جہت کی مناسبت نہیں پائی جاتی جو ان دونوں کے درمیان مشترک ہو اور دوسری یعنی ہدایت میں جہت مشترک کی مناسبت پائی جاتی ہے لہذا ہدایت پانے والا آدمی تو ہدایت کے واسطے سے ہی ھادی تک پہنچ جاتا ہے اور گمراہ آدمی ضلالت کے واسطے مضل تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا، جیسا کہ ظاہر ہے۔

پہلی مثال:

یہ بات ایک مثال سے واضح ہو جاتی ہے، صفرا کے مریض کے لیے اس کے فساد مزاج کی وجہ سے شرینی تلخ ہوتی ہے چنانچہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ صفرا کا مریض

اس تلخی کے ذریعہ سے شرینی سے واصل ہوا ہے کیونکہ شرینی میں تلخی تو بالکل بھی موجود نہیں ہے وہی شرینی بوجہ اس کے کہ صفرا کے مریض کا مزاج بگڑا ہوا ہے تلخی کے معنی پیدا کر لیتی ہے اور یہ تلخی اگرچہ ایک عارض کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے لیکن صفرا کے مریض کے لیے شرینی تک وصول سے مانع بن گئی ہے لہذا گمراہی درحقیقت گمراہ آدمی کے لیے مضل تک رسائی کی مانع ہے، رسائی کا باعث نہیں ہے۔

دوسری مثال:

دوسری مثال یہ ہے کہ آدمی قلبی بیماری اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دشمنی کے غلبے کی وجہ سے دریائے نیل کے پانی کو خون پاتا تھا، کوئی عقل مند آدمی نہیں کہتا کہ وہ قبطی خون کے واسطے سے پانی سے واصل تھا، یہ خون اس کے لیے پانی تک واصل ہونے سے مانع بن گیا تھا، پانی میں خون ہونے کی بالکل کوئی بات نہیں تھی وہ تو اس قبطی کے مزاج کے فساد کی وجہ سے حادث ہوا تھا اور اس کے لیے پانی تک پہنچنے کا مانع بن گیا تھا اسے خود سمجھ لو، لہذا اس جماعت نے حق سبحانہ وتعالیٰ کے قریب ہونے کا تو لحاظ کیا اور بندہ کی جہت کا کوئی لحاظ نہ کرتے ہوئے حق سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ بندہ کے قرب کا فیصلہ دے دیا، انہوں نے غائب اور حاضر میں کوئی فرق نہیں کیا ہے لیکن ارباب صحو وتمیز ﴿ہوش اور تمیز والے﴾ حضرات فرق کرنے والے لوگ ہیں، انہوں نے ایسا فیصلہ دیا ہے جو واقعہ کے مطابق ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم اور وہی حق کو ثابت کرتا ہے اور راستہ کی راہنمائی فرماتا ہے۔

تنبیہ:

اور وہ جو ہم نے کہا تھا کہ اثنائے راہ میں سالک پر حق سبحانہ وتعالیٰ کا قرب ظاہر ہوتا ہے اور وہ اس لیے کہا تھا کہ منتہی حضرات اشیا کے ساتھ حق سبحانہ وتعالیٰ کے قرب کو قرب علمی سمجھتے ہیں اور معیت اور احاطہ اور سریان بھی علمی ہوتا ہے اور وہ اس مسئلہ میں علمائے اہل حق کے موافق ہیں اور علم سابق سے استغفار کرتے ہیں، وہ حق تعالیٰ وتقدس کی ذات کو عالم ﴿ کائنات ﴾ کے ساتھ کوئی نسبت بھی نہیں دیتے اور ہر وہ نسبت جو واقع ہوتی ہے اسے حق سبحانہ کی صفات کے ساتھ نیچے لے آتے ہیں، وہ ذات حق کو بے چون و چگون جانتے ہیں، کسی نسبت کو ثابت کرنا اس مقصد کے منافی ﴿ خلاف ﴾ ہے، لہذا وہ قرب اور معیت جو ذات کے اعتبار سے ہو، اسے وہ دونوں طرف سے مسلوب سمجھتے ہیں، یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

﴿معرفت: 31﴾

سیر کی حقیقت اور اس کی اقسام:

سیر اور سلوک سے مراد وہ حرکت ہے جو علم میں ہوتی ہے اور مقولہ کیف سے تعلق رکھتی ہے، حرکت اَینَ کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

سیر اول:

لہذا سیر الی اللہ ﴿ خدا کی طرف سیر ﴾ سے مراد حرکت علمیہ ہے، جو اسفل سے اعلیٰ تک جاتی ہے اور اس اعلیٰ سے دوسرے اعلیٰ تک یہاں تک سالک آخر تمام

علوم ممکنات کو طے کر لینے اور ان کے بالکلیہ زوال پذیر ہو جانے کے بعد علم واجب تک پہنچ جاتا ہے، اس حالت کو فنا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

سیر دوم:

اور سیر فی اللہ ﴿اللہ میں سیر﴾ سے مراد وہ حرکت علمیہ ہے جو مراتب وجوب میں ہوتی ہے اور جس کا تعلق اسما و صفات اور شیون و اعتبارات اور تقدیسات و تنزیہات سے ہوتا ہے، یہاں تک کہ آخر میں وہ اس مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے، جسے کسی عبارت سے تعبیر کرنا اور کسی اشارہ سے اس کی طرف اشارت کرنا ممکن نہیں ہے، نہ کوئی جاننے والا اسے جان سکتا ہے اور نہ کوئی ادراک کرنے والا اس کا ادراک کر سکتا ہے، اس سیر کو بقا کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

سیر سوم:

اور سیر عن اللہ باللہ ﴿اللہ کی طرف سے اللہ کے ساتھ سیر﴾ جو تیسری سیر ہوتی ہے، اس سے مراد وہ حرکت علمیہ ہے جو علم اعلیٰ سے علم اسفل کی طرف نیچے اترتی ہے اور اسفل سے پھر اسفل کی طرف، یہاں تک کہ سالک ممکنات کی طرف واپس لوٹ آتا ہے اور مراتب وجوب کے تمام علوم سے نیچے اتر آتا ہے، یہی سالک ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو فراموش کرتا ہے ﴿یعنی اس کے ساتھ ہو کر بھی اس کا ادراک نہیں کر سکتا﴾ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے واپس آ جاتا ہے، یہی پانے والا اور گم کرنے والا ہے، یہی واصل و مہجور ہے اور یہی قریب و بعید ہے۔

سیر چہارم:

اور چوتھی سیر جسے سیر در اشیا کہتے ہیں، اس سے مراد علم اشیا کا حصول ہے جو علوم اشیا کے زوال کے بعد درجہ بدرجہ ہر ایک چیز کے متعلق حاصل ہوتا ہے ﴿یعنی سیر اول میں تمام اشیا کے علوم زوال پذیر ہو جاتے ہیں پھر اس کے بعد چوتھی سیر میں درجہ بدرجہ ایک ایک چیز کا علم حاصل ہوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ تمام اشیا کا علم حاصل ہو جاتا ہے﴾ لہذا چوتھی سیر سیر اول کے مقابلے میں اور تیسری سیر سیر دوم کے مقابلے میں ہے، جیسا کہ تم دیکھ چکے ہو۔

حاصل کلام:

اور سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ خود ولایت کو حاصل کرنے کے لیے ہوتی ہے جس سے مراد فنا اور بقا ہے اور تیسری اور چوتھی سیر مقام دعوت کے حصول کے لیے ہوتی ہے جو انبیا اور مرسلین کے ساتھ مخصوص ہے، خدا تعالیٰ کی رحمتیں اور سلامتیاں ہوں ان سب پر عموماً اور ان کے افضل ترین پر خصوصاً اور انبیا کرام علیہم السلام کے کامل ترین متبعین کا بھی مقام دعوت میں کچھ حصہ ہوتا ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے 'قل هذه سبيلي ادعوا الى الله على بصيرةٍ انا و من اتبعني ' ﴿اے پیغمبر! کہہ دیجئے کہ یہی میری راہ ہے کہ میں خدا کی طرف بصیرت کے ساتھ دعوت دیتا ہوں اور میرے متبعین بھی یہی دعوت دیتے ہیں﴾

﴿معرفت: 32﴾

کسی توجہ کی برتری طبعی وجہ پر:

کچھ لوگ جو فطری طور پر ہی حضور اور توجہ کا ملکہ رکھتے ہیں اور ان کی اس توجہ میں کسب کو کوئی دخل نہیں ہوتا تو اس کا راز یہ ہے کہ روح کو بدن کے ساتھ تعلق پیدا ہونے سے پہلے ایک قسم کی توجہ اور حضور حاصل ہوتا ہے، جب اسے بدن عنصری کے ساتھ تعلق کر دیا جاتا ہے اور عشق و محبت کی نسبت درمیان میں آجاتی ہے تو پوری طرح سے بدن کی طرف ایسے متوجہ ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنے گزشتہ احوال کو بالکل فراموش کر دیتی ہے، ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں کسی دوسرے امر کی طرف توجہ غالب ہونے کی وجہ سے سابقہ توجہ بالکل فراموش نہیں ہوتی اور بدن کے ساتھ تعلق ہو جانے کے باوجود اس کا اثر باقی رہ جاتا ہے، لہذا لامحالہ ان کی یہ توجہ عمل اور کسب کی محتاج نہیں ہوتی، لیکن یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ جو لوگ ﴿احوال سابق کو﴾ پوری طرح سے فراموش کر چکے ہوں اگر بدن کے ساتھ تعلق قائم ہو جانے کے بعد انہیں کوئی عروج نصیب ہوتا ہے تو وہ پہلی جماعت سے سبقت لے جاتے ہیں اگرچہ پہلی جماعت بھی ترقی کرتی ہے، کیونکہ ان کا ﴿احوال سابق کو﴾ بالکل فراموش کر دینا اور پھر اپنے معشوق یعنی بدن کی طرف پوری طرح متوجہ ہو جانا ان کی لطافت استعداد کو بتاتا ہے کہ وہ جس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں وہی بن جاتے ہیں اور اس کے سوا کو بالکلیہ فراموش کر دیتے ہیں برخلاف اس صورت کے جس میں آدمی احوال سابقہ کو نہیں بھولتا کیونکہ اس سے معشوق کی طرف متوجہ ہونے میں نقص سمجھا جاتا ہے، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم.

﴿معرفت: 33﴾

سابقین اور محبوبین میں فرق:

سابقین میں چونکہ حضور اول ہی سے حاصل ہے اس لیے ممکن ہے کہ یہ حضور ان کی کلیت ﴿ظاہر و باطن﴾ میں سرایت کر جائے اور ان کی بصارت اور بصیرت کا حکم اختیار کر لے اور ان کا ظاہر باطن کے رنگ میں رنگ جائے لیکن وہ سرایت جو محبوبوں میں ہوتی ہے وہ دوسری چیز ہے، کیونکہ محبوب حضرات بالکلیہ اپنے آپ سے نکل کر اسی کے ساتھ باقی ہو گئے ہیں اور ان کے وجود کے ذرات میں سے ہر ذرہ اسی کے ساتھ باقی بن گیا ہے، برخلاف سابقین کے کہ ان کے وجود کا بقایا اپنے حال پر ہے، وہ خود اپنے ساتھ باقی ہیں اس کے ساتھ باقی نہیں ہیں، زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ انہوں نے اس کا رنگ اختیار کر لیا ہے۔

﴿معرفت: 34﴾

بندہ کی قدرت واختیار اور اس پر جزا کا مرتب ہونا:

حق تعالیٰ وسبحانہ سے زیادہ سچی بات کہنے والا اور کون ہوسکتا ہے کہ 'وما ظلمھم اللہ ولکن کانو انفسھم یظلمون' ﴿اور اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا وہ تو خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے﴾ اس آیت کریمہ میں حق سبحانہ وتعالیٰ سے ظلم کی نفی اور ان لوگوں کے لیے ظلم کا ثابت ہونا ظاہر ہے، کیونکہ ﴿خدا کی جانب سے﴾ ظلم کی تخلیق ان کے ارادہ کے بعد ہوئی ہے اور ان کا ارادہ اس علم کے بعد صادر ہوا ہے جو

انہیں بھلائی اور برائی کے متعلق حاصل ہے اور بھلائی اور برائی دونوں کا شریعت میں وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے اور یہ بھلائی اور برائی دونوں یکساں طور پر ان کی قدرت میں ہوتی ہیں، لہذا ﴿پہلے﴾ بندے خود ہی اس برائی کا ارادہ کرتے ہیں، جس کا برا ہونا شریعت میں واضح کر دیا گیا ہے، اس کے بعد جیسا کہ وہ ارادہ کرتے ہیں، حق تعالیٰ اس برائی کو پیدا کر دیتا ہے اور وہ خود ہی اس خیر اور بھلائی کو چھوڑ دیتے ہیں جو ان کی قدرت میں ہوتی ہے اور جس کا بھلا ہونا شریعت کی رو سے انہیں معلوم ہے، لہذا خدا نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی اپنے نفسوں پر ظلم کر رہے ہیں۔

اب یہ بات باقی رہ گئی ہے کہ ان کی قدرت اور ارادہ بھی تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ہی پیدا کیا ہوا ہے تو یہ بات بھی ان بندوں سے ظلم کی نفی نہیں کرتی کیونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے جو قدرت پیدا فرمائی ہے اس کی نسبت بھلائی اور برائی دونوں کی طرف ہے، یہ بات نہیں ہے کہ خدا نے ان میں برائی ہی کی قدرت پیدا کی ہو اور بھلائی کی قدرت پیدا نہ فرمائی ہو جس سے وہ برائی کے کرنے پر مجبور ہو گئے ہوں، یہی حال تخلیق کردہ ارادہ کا ہے کہ جب اسے خیر اور شر دونوں کا علم ہو چکا ہے تو اب وہ ان دونوں میں سے جس جہت کو چاہے ترجیح دے سکتا ہے، پس بندہ شریعت کی رو سے بھلائی اور شر کو جانتے ہوئے بھی شر ہی کو اختیار کرتا ہے حالانکہ اس کی قدرت کی نسبت بھلائی اور برائی دونوں کی طرف یکساں طور پر تھی، اس طرح ارادہ کے اعتبار سے بھی دونوں زیر قدرت صورتوں میں سے کسی ایک صورت کو دوسری کی بجائے

مخصوص کر لینا اس کے لیے درست تھا، اس سے ظاہر ہے کہ اس پر جو کچھ ظلم ہوا ہے وہ خود اس کے نفس ہی نے کیا ہے اور حق سبحانہ نے اس پر کوئی ظلم نہیں کیا۔

یہی حال ازلی علم اور ازلی قضا ﴿تقدیر﴾ کا بھی ہے کہ وہ دونوں بھی بندوں سے ظلم کی نفی نہیں کرتے کیونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے جان لیا اور ازل میں فیصلہ کر دیا کہ فلاں بندہ عمل کرنے میں اس کے شر کے پہلو کو اختیار کرے گا اور خیر کو چھوڑ دے گا اور وہ سب کچھ اپنے اختیار سے کرے گا، لہذا علم اور قضا ﴿تقدیر فیصلہ﴾ بندے کے مختار ہونے کو مضبوط کرتے ہیں، اس کی نفی نہیں کرتے، یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی شخص کو بذریعہ کشف کے بعض غیب کی باتوں کا علم حاصل ہو جائے، وہ معلوم کر لے اور فیصلہ کر لے کہ فلاں آدمی عنقریب اپنے اختیار سے یہ کام کرے گا ﴿تو اس شخص کا﴾ یہ علم اور فیصلہ بندہ کے اختیار کی نفی نہیں کرتے، اسی طرح علم الٰہی اور قضائے الٰہی جل شانہ بھی اس کی نفی نہیں کرتے، واللہ سبحانہ اعلم بحقیقة الحال وصلى الله تعالىٰ علىٰ سيدنا محمد وآله وسلم ' اور یہ مسئلہ علم کلام کے پیچیدہ ترین مسائل میں سے ہے، اس پر کچھ راسخ علما کے سوا دوسرے لوگ واقف نہیں ہو سکتے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

﴿معرفت:35﴾

قطب ابدال اور قطب ارشاد کا فیض:

قطب ابدال ان فیوض و برکات کے پہنچنے کا واسطہ ہوتا ہے جو عالم کے

وجود اور بقا سے تعلق رکھتے ہیں اور قطب ارشاد ان فیوض و برکات کے پہنچنے کا ذریعہ ہوتا ہے جو دنیا کے ارشاد و ہدایت سے تعلق رکھتے ہیں، لہذا پیدائش، رزق رسانی، ازالہ بلیات ﴿مصائب کو دور کرنا﴾ بیماریوں کو دور کرنا اور صحت و عافیت کا حصول قطب ابدال کے مخصوص فیوض سے تعلق رکھتے ہیں اور ایمان و ہدایت توفیق حسنات اور گناہوں سے رجوع اور توبہ قطب ارشاد کے فیوض کا نتیجہ ہوتا ہے، قطب ابدال ہمہ وقت کام میں مشغول رہتا ہے اور اس سے دنیا کے خالی ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ دنیا کا انتظام اس سے وابستہ ہے، اگر اس قسم کے قطب میں سے کوئی قطب چلا جائے ﴿فوت ہو جائے﴾ تو دوسرا آدمی اس کی جگہ پر مقرر کر دیا جاتا ہے، لیکن قطب ارشاد کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ ہمہ وقت موجود ہو ایک وقت ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا ایمان و ہدایت سے بالکل خالی ہی ہو جائے۔

کمال کے اعتبار سے ان قطبوں کے افراد میں بڑا فرق ہے لیکن یہ فرق ان سب کے درجہ ولایت تک واصل ہونے کے بعد ہے، اقطاب ارشاد میں سے جو فرد ﴿شخص﴾ کامل ترین ہوتا ہے وہ حضرت خاتم الرسل ﷺ کے قدم پر ہوتا ہے اور اس فرد ﴿شخص﴾ کا کمال حضور اکرم ﷺ کے کمال کے مطابق ہوتا ہے، ان دونوں میں فرق اصل ہونے اور تابع ہونے کا ہی ہوتا ہے، اس کے علاوہ کوئی اور فرق نہیں ہوتا اور حضور اکرم ﷺ قطب ارشاد ہی تھے اور اس وقت میں قطب ابدال حضرت عمر اور حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہما تھے۔

قطب ارشاد سے فیض پہنچنے کا طریقہ:

قطب سے دنیا کو فیض پہنچنے کا طریقہ یہ ہے کہ قطب بوجہ اپنی حاصل کردہ جامعیت کے مبداء فیاض کے لیے مثل صورت اور مثل سایہ کے بن گیا ہے اور دنیا تمام کی تمام خود اس قطب جامع کی تفصیل ہے، چنانچہ بغیر کسی تکلیف کے حقیقت سے صورت تک فیض پہنچتا ہے اور صورت جامعہ ﴿قطب﴾ سے عالم تک بغیر کسی رکاوٹ کے فیض پہنچتا ہے جو کہ اس کی تفصیل کے مثل ہے، لہذا افیاض مطلق تو حق تعالیٰ ہی ہے اور خود واسطہ ﴿یعنی قطب﴾ کی اس فیض رسانی میں کوئی کاری گری نہیں ہے بلکہ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ واسطہ کو اس فیض رسانی کی اطلاع بھی نہیں ہوتی ؎

از ما و شما بہانہ برخاستہ اند

ہمارا اور تمہارا درمیاں میں ایک بہانہ ہے

سوال:

اگر کوئی شخص کہے کہ ایمان و ہدایت کی نسبت تو عام خلائق کے ساتھ نہیں ہے لہذا قطب ارشاد کے فیوض عام نہیں ہوں گے بلکہ اہل ایمان و ہدایت کے ساتھ مخصوص ہوں گے اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تو رحمت عالمیان ہیں اور اس کے ساتھ ہی ﴿جیسا کہ آپ نے کہا ہے وہ﴾ قطب ارشاد بھی ہیں تو اس کا مطلب کیا ہوگا؟

جواب:

میں اس کا جواب یہ دوں گا کہ مبداء فیاض سے جو کچھ بھی فیض پہنچتا ہے

اور تفصیل پاتا ہے وہ تو سب خیر و برکت اور ایمان و ہدایت ہی ہے شر اور نقص کی تو اس مقام میں کوئی گنجائش ہی نہیں ہے، خواہ وہ فیض اہل سعادت تک پہنچے یا اہل شقاوت تک ...... لیکن وہی ہدایت و ارشاد بوجہ محل کی خباثت کے فساد پیشہ لوگوں میں گمراہی اور شرارت کے معنی پیدا کر لیتا ہے اسی انداز پر جس طرح غذا صالح بیمار آدمی میں محل خراب ہونے کی بنا پر اخلاط ردیّہ اور امراض مہلکہ کا باعث بن جاتی ہے، لہذا فساد پیشہ لوگوں میں وہی ہدایت ان کے قلبی امراض کی وجہ سے گمراہی کے معنی پیدا کر لیتی ہے جیسا کہ دریائے نیل کا پانی پسندیدہ اور محبوب لوگوں کے لیے پانی ہوتا ہے اور محجوبین ﴿مخالفین﴾ کے لیے ایک مصیبت اور آزمائش بن جاتا ہے، حقیقت میں وہ پانی ہے لیکن قبطی اسے خون پاتا ہے اور اس کا اسے خون پانا بوجہ اس کی اپنی خباثت کے ہے نہ کہ پانی کی کسی خرابی کے باعث سے صفرا کا مریض جسے شرینی بھی تلخ محسوس ہوتی ہے تو وہ اس کے اپنے مزاج میں خرابی کی وجہ سے ہوتی ہے، شرینی کی ذات میں کوئی تلخی پیدا نہیں ہوتی بلکہ محل کے فساد کی وجہ ہی سے تلخی کے معنی اس محل میں پیدا ہو گئے ہیں جیسا کہ پہلے تفصیل سے گزر چکا ہے، لہذا ثابت ہو گیا کہ جو کچھ حق تعالیٰ و تقدس کی جانب سے پہنچتا ہے وہ خیر و برکت اور اصلاح و رشد ہی ہے لیکن وہی خیریت ﴿بھلائی﴾ فساد کی جگہ فساد کے معنی پیدا کر لیتی ہے لہذا حق سبحانہ پر مضل کا اطلاق اس معنیٰ میں ہوتا ہے کہ خباثت کا محل جس فساد کا مقتضی ہوتا ہے وہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے پیدا کرنے سے وجود میں آجاتا ہے، اس لیے یہ بات ثابت ہوگئی کہ "وما ظلمھم اللہ ولکن کانوا انفسھم

یظلمون ‘ ﴿خدا تعالیٰ نے ان پر کوئی ظلم نہیں فرمایا وہ تو خود ہی اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تھے﴾

قضا اور قدر کا راز:

اگر لوگ یہ کہیں کہ خباثت محل کہاں سے آگئی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسانی بدن مثلاً عناصر اربعہ سے مرکب ہے اور ہر عضو جو جسم انسانی کا جزو ہے وہ ایک قسم کی خصوصیت کا مقتضی ہے، مثلاً جزو ناری…… بلندی اور سرکشی چاہتا ہے اور جزو خاکی…… پستی اور نیچائی چاہتا ہے، وعلیٰ ہذا القیاس، لہذا ان عناصر کے اجماع میں ہر وہ شخص جو اعتدال سے زیادہ نزدیک ہے اسے بسیط حقیقی ﴿ذات حق تعالیٰ﴾ سے زیادہ مناسب ہوتی ہے اور اس مناسبت کی بنا پر ایسا آدمی خیر و برکت اور رشد و ہدایت کے زیادہ لائق ہوتا ہے اور جو شخص اعتدال سے زیادہ دور ہے اس میں بعض اجزا کی خصوصیات زیادہ غالب ہوتی ہیں اور بعض ﴿دوسری اجزائی خصوصیات﴾ زیادہ مغلوب ہو جاتی ہیں اور اس اختلال کی وجہ سے اسے بسیط حقیقی ﴿ذات حق تعالیٰ﴾ سے مناسبت بھی کم رہ جاتی ہے لہذا لامحالہ خیر و برکت اور ان جیسی باتوں سے اسے بہت کم حصہ نصیب ہوتا ہے، فساد محل سے مراد اس نظام ﴿جسم﴾ کا خلل آ جانا اور اسی اعتدال کا بگڑ جانا ہے اور جو روح ان اجزائے مجتمعہ پر فائض ہوتی ہے اگرچہ اپنی ذات کے اعتبار سے اس قسم کے اختلال سے خالی ہوتی ہے کیونکہ وہ بسیط ہے اور یہ اختلال مرکب ہی میں صورت پذیر ہوتا ہے لیکن حق تعالیٰ نے اسے اس انداز پر پیدا فرمایا ہے کہ وہ اپنی انتہائی لطافت کی وجہ سے اپنے پڑوسی کا اثر قبول کر لیتی ہے بلکہ اپنے آپ کو اس میں گم کر کے خود کو اس کا

عین بنا لیتی ہے لہذا وہ خباثت ہمسائیگی کی وجہ سے ﴿جسم سے﴾ روح میں بھی سرایت کر جاتی ہے۔

فرشتے اپنے بسیط ﴿یعنی غیر مرکب﴾ ہونے کی وجہ سے شرارت اور اس جیسی چیزوں سے منزہ و پاک ہیں اور اس وجہ سے بھی کہ انہیں ایسے مرکبات سے جن کے انتظام میں خلل آ گیا ہو کوئی مناسبت نہیں ہے اور اگر بالفرض بعض فرشتوں میں شر کا وجود صحیح مان لیا جائے تو اس کے جواز کی وجہ سے بعض اُن افراد ملائکہ میں بعض مرکبات کے ساتھ ان کی مناسبت ہو سکتی ہے اگرچہ وہ مناسبت فی الجملہ ﴿بہت کم﴾ ہی کیوں نہ ہوں اور اس مناسبت کا مطلق طور پر انکار کر دینا محض ضد اور ہٹ دھرمی ہے، اس کے بعد میں کہتا ہوں کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے پیدا کردہ یعنی غیر حقیقی بسیط چیزوں میں ترکیب اجتماع کو بھی پیدا فرما دیا ہے اگرچہ اس ترکیب و اجتماع کے درجے مختلف ہیں اور جس طرح سے کہ ان بسائط میں سے ہر بسیط کسی نہ کسی امر کا مقتضی تھا، ہر اجتماع بھی کسی نہ کسی امر کا مقتضی ہو گیا، اس کے بعد حق تعالیٰ نے اس اجتماع کا جو تقاضا تھا اس کو پیدا فرمایا لہذا وہ فساد اس مرکب کی ذات کو لازم آتا ہے اور اس لازم کا پیدا کرنا بھی حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے اور اس میں کوئی برائی کی بات نہیں ہے اور حق تعالیٰ کی ذات کی طرف کسی قسم کا کوئی شر یا نقص منسوب نہیں ہو سکتا بلکہ بات صرف اتنی ہے کہ حق تعالیٰ اس شر اور نقص کا خالق اور موجد ہے اور کسی بری چیز کو پیدا کر دینا برائی نہیں ہے، لہذا شرارت اور فساد خود ان چیزوں کی طرف لوٹتا ہے اور خیر و اصلاح حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف، یہ ہے قضا و

قدر کے مسئلہ کا راز اور اس بات کے مان لینے اور اس فیصلہ ﴿کو پہچان لینے﴾ پر کوئی برائی لازم نہیں آتی اور یہ فیصلہ شائبہ ایجاب سے جو حق تعالیٰ وسبحانہ کے اختیار کے منافی ہے پاک ہے ﴿یعنی اس بات کی آمیزش سے پاک ہے کہ حق تعالیٰ کے ذمہ کوئی بات ضروری قرار دی جائے﴾

لہذا اس پر غور کرنا تمہارے لیے ضروری ہے تا کہ تم پر اس کا راز واضح ہو جائے اور تمہیں اہل بدعت اور ضلالت کے بہت سے اعتقادات سے نجات حاصل ہو جائے اور اللہ تعالیٰ ہی حق کو ثابت کرتا ہے اور وہی صحیح راستہ کی راہنمائی فرماتا ہے، یہ راز ان رازوں میں سے ہے جن کے متعلق حق تعالیٰ نے مجھے الہام فرمایا بلکہ مجھے اس کے ساتھ مخصوص فرمایا، سو حق سبحانہ کے لیے حمد ہے اور اس کا احسان ہے اس انعام پر بھی اور باقی تمام انعامات پر بھی۔

سوال:

اگر لوگ دریافت کریں کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کو اپنے قدیم علم میں یہ معلوم تھا کہ اس انداز کی ترکیب فساد اور خباثت کا باعث ہوگی تو اس نے اس ترکیب کو پیدا ہی کیوں فرمایا؟

جواب:

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض اس گروہ پر وارد ہوتا ہے جو حق سبحانہ وتعالیٰ پر اس بات کو واجب سمجھتے ہیں کہ وہ صالح ترین چیز ہی پیدا فرمائے لیکن ہم تو حق سبحانہ وتعالیٰ پر کسی چیز کو بھی واجب اور لازم نہیں سمجھتے، اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا

ہے اور جس طرح چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے، جو کچھ کرتا ہے وہ اس کا جواب دہ نہیں ہے، البتہ سب لوگ جواب دہ ہیں اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ پیدا ہونے کے بعد وہ مرکب ہی اس قسم کے خبث اور فساد کو مستلزم ہو گا اور اس لازم آنے والی چیز کو بھی حق سبحانہ وتعالیٰ نے ہی خود اپنے ارادہ سے پیدا فرمایا ہے، بطور ایجاب اور محکومیت کے نہیں جیسا کہ بعض لوگوں نے خیال کر لیا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر پورا غلبہ اور تسلط رکھتا ہے، لہذا بندوں کا اس پر کوئی حکم نہیں چلتا جس سے وہ ان کا محکوم ہو جائے اور بندہ محکوم اس کا حاکم بن جائے، حاصل یہ ہے کہ سر چشمہ فساد صرف مخلوق ہی ہے اور بس، اس کا پیدا کرنے والا حق تعالیٰ جس کی شان بہت ہی بلند ہے، وہ ظلم کی آمیزشوں، ایجاب کے لوازم اور محکومیت کے نقائص سے منزہ اور مبراء ہے، جو کچھ عام لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک اور بہت ہی بلند ہے، واللہ سبحانہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ ﴿یہاں واضح ہو جانا چاہیے کہ واقعی حق تعالیٰ کو معلوم تھا کہ اس انداز کی ترکیب فساد و خباثت کا باعث ہو گی تو اس نے انسان کو نور عقل عطا کیا اور ہدایت کی راہنمائی فرمائی، انبیا کرام بھیجے اور کتابیں ارسال کیں، اچھے انجام اور برے انجام سے خبردار کیا اور کفر واسلام میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا اختیار دیا تو اس اہتمام کے ہوتے ہوئے کوئی کیسے کہہ سکتا ہے کہ اس نے ظلم کیا ہے﴾

معرفت: 36

ولایت، شہادت اور صدیقیت:

جاننا چاہیے کہ ولایت، شہادت اور صدیقیت کے مقامات میں سے ہر مقام کے علوم و معارف الگ الگ ہیں جو اسی مقام سے مناسبت رکھتے ہیں، مرتبہ ولایت میں علوم زیادہ تر سکر آمیز ہوتے ہیں کیونکہ اس مرتبہ میں سکر غالب ہے اور ہوش مغلوب اور مرتبہ شہادت میں جو درجات ولایت کا دوسرا درجہ ہے، سکر مغلوب ہو جاتا ہے اور درجہ صدیقیت جو مراتب ولایت میں تیسرا درجہ ہے اور درجات ولایت کی آخری حد ہے کہ اس کے اوپر ولایت کا کوئی درجہ نہیں بلکہ اس سے اوپر نبوت کا مرتبہ ہے، اس درجہ کے علوم سکر سے بالکل آزاد ہوتے ہیں اور علوم شریعت کے مطابق ہو جاتے ہیں، صدیق انہی علوم شرعیہ کو الہام کے ذریعے حاصل کرتا ہے جیسا کہ نبی وحی کے ذریعے حاصل فرماتے ہیں، صدیق اور نبی کا فرق حاصل کرنے کے طریقے میں ہے، ماخذ میں کوئی فرق نہیں ہے، دونوں حق تعالیٰ سے ہی حاصل کرتے ہیں، لیکن صدیق نبی کی پیروی کی وجہ سے اس درجہ تک پہنچتا ہے کہ نبی اصل ہے اور صدیق اس کی فرع ہے، نیز یہ کہ نبی کے علوم قطعی ہوتے ہیں اور صدیق کے علوم ظنی ہوتے ہیں، نیز یہ بھی کہ نبی کے علوم دوسروں پر حجت ہوتے ہیں اور صدیق کے علوم دوسروں پر حجت نہیں ہوتے ۔

در قافلہ کہ اوست دانم نرسم
ایں بس کہ رسد ز دور بانگ جرسم

وہ ہے جس قافلہ میں جانتا ہوں میں نہ پہنچوں گا
غنیمت ہے کہ آواز جرس تو مجھ تک آتی ہے

اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور سلامتیاں نازل ہوں ہمارے نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور تمام انبیاء و مرسلین پر اور ملائکہ مقربین پر اور تمام فرمابردار بندوں پر۔

لہٰذا اگر اس رسالہ میں کچھ علوم و معارف بطور تنافی یا تعارض کے آگئے ہوں تو ان علوم کے اختلاف کو درجات ولایت کے اختلاف پر محمول کرنا چاہیے کیونکہ ہر درجہ کے علوم الگ ہوتے ہیں جیسا کہ میں نے تحقیق کے ساتھ بیان کر دیا ہے، علوم توحید درجہ ولایت سے مناسبت رکھتے ہیں اور درجہ شہادت کے علوم و معارف کو اگر معلوم کرنا چاہتے ہو تو اس معرفت کو جو آیت کریمہ ''لیس کمثلہ شئی'' میں مذکور ہوئی ہے، اچھی طرح حاصل کر لو کیونکہ اس مقام کے علوم مرتبہ شہادت کے علوم میں سے ہیں، چونکہ سالک اس مقام میں اپنے آپ کو اور اپنی صفات کو بالکل مردہ پاتا ہے اسی لیے البتہ اس مقام کو شہادت کے لقب سے ملقب کیا گیا ہے اور علوم صدیقیہ خود بعینہٖ علوم شرعیہ ہیں جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے اور صحیح اور قابل اعتبار علوم وہی ہیں جو علوم شرعیہ کے مطابق ہوں، حق تعالیٰ وسبحانہ ہمیں روشن شریعت پر، صاحب شریعت علیہ وعلیٰ آلہ الصلواۃ والسلام، کے طفیل میں ثابت قدم رکھے۔

معرفت: 37

ماسویٰ سے قطع تعلق:

جو کچھ ہم پر واجب ہے وہ ماسوائے حق سبحانہ کی گرفتاری سے اپنے دل کو

سلامت اور محفوظ رکھنا ہے اور یہ سلامتی اس وقت حاصل ہوتی ہے جب کہ غیر حق سبحانہ کا دل پر کوئی گزر نہ رہے، اگر بالفرض ہزار سال تک بھی زندگی وفا کرے تو اس نسیان کے باعث جو دل کو ماسوا سے حاصل ہو گیا ہے غیر کا دل پر گزر نہ ہو سکے۔

کار اینست غیر ایں ہمہ ہیچ
کام یہ ہے اور سب کچھ ہیچ ہے

﴿معرفت: 38﴾

مقام صدیقیت کا منتہیٰ:

بعض اکابر مشائخ رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا ہے کہ صدیقین کے دماغوں سے جو چیز سب سے آخر میں نکلتی ہے وہ حب جاہ اور حب ریاست ہے، بعض لوگوں نے اس جاہ و ریاست کے متعارف و مشہور معنی کے خلاف معنی مراد لیئے ہیں اور کہا ہے کہ حب جاہ و ریاست کا نکل جانا صدیقیت کے پہلے قدم میں ہوا کرتا ہے لیکن اس حقیر کے نزدیک جو بات تحقیق کو پہنچی ہے وہ یہ ہے کہ حب جاہ اور حب ریاست کی ایک قسم ایسی ہے کہ اس کا تعلق نفس سے ہوتا ہے۔

اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ جب تک یہ برائی نفس سے دور نہ ہو جائے وہ تزکیہ یافتہ نہیں ہو سکتا اور جب تک وہ تزکیہ حاصل نہ کر لے مقام ولایت تک نہیں پہنچ سکتا مقام صدیق تک پہنچنا تو بڑی بات ہے، کہنے والے سے مراد اس قسم کی جاہ و ریاست نہیں ہے، جاہ کی ایک اور قسم بھی ہے جس کا تعلق لطیفہ قالب سے ہوتا ہے اور اس کی فطرت سے انا خیر منہ ﴿میں اس سے بہتر ہوں﴾ کی صدائیں بلند ہوتی

رہتی ہیں، اس قسم کی جاہ ﴿کا دماغ سے نکل جانا﴾ اطمینان نفس کے حاصل ہو جانے اور مرتبہ ولایت تک پہنچ جانے بلکہ صدیقیت کے حاصل ہو جانے کے بعد متحقق ﴿ثابت﴾ ہوا کرتا ہے اور کہنے والے کی مراد جاہ و ریاست کی یہی قسم ہو گی کہ اس کا ﴿دماغ﴾ سے نکل جانا صدیقیت کے مقام کی آخری حد ہے اور محمدی المشرب اولیا کرام کے ساتھ مخصوص ہے۔

جس شیطان کے اسلام کے متعلق سید الانبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اس ارشاد میں خبر دی ہے کہ اسلم شیطانی ﴿میرا شیطان مسلمان ہو گیا ہے﴾ اس کا تعلق اسی بلند مقام سے ہے جیسا کہ ارباب سلوک پر مخفی نہیں ہے، یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے اور اللہ تعالیٰ کی برکتیں اور سلامتیاں نازل ہوں، ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے تمام آل و اصحاب پر۔

﴿معرفت: 39﴾

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا جذب و سلوک:

معلوم ہونا چاہیے کہ عنایت الٰہی جل سلطانہ نے اولاً مجھے اپنی طرف کھینچا جیسا کہ مقام مراد پر فائز لوگوں کو کھینچا جاتا ہے، اس کے بعد دوسرے درجہ میں میرے لیے اس جذبہ نے سلوک کی منزلوں کو طے کرنا نہایت ہی آسان کر دیا چنانچہ میں نے شروع شروع میں حق تعالیٰ کی ذات کو اشیا کا عین پایا جیسا کہ متاخرین صوفیہ میں سے توحید وجودی کے مقام پر فائز حضرات نے ارشاد فرمایا ہے، پھر میں نے حق تعالیٰ کو تمام چیزوں میں پایا بغیر اس کے کہ وہ ان اشیا میں حلول و سرایت کیے

ہوئے ہو، پھر میں نے حق تعالیٰ کو معیت ذاتیہ کے طور پر تمام چیزوں کے ساتھ مخصوص ﴿مشاہدہ﴾ کیا، اس کے بعد حق تعالیٰ وسبحانہ کو تمام چیزوں کے بعد پایا، پھر تمام چیزوں سے پہلے پایا، پھر میں نے حق سبحانہ وتعالیٰ کو دیکھا اور کوئی ایک چیز بھی مجھے وہاں نظر نہیں آئی، توحید شہودی کا سب یہی مطلب ہے جسے فنا سے تعبیر کرتے ہیں، یہ پہلا قدم ہوتا ہے جو ولایت کے درجات میں رکھا جاتا ہے اور یہی وہ سابق ترین کمال ہے جو ابتدا میں حاصل ہوتا ہے اور یہ رویت مراتب مذکورہ میں سے کسی مرتبہ میں بھی کیوں نہ پیش آئے اولاً آفاق میں ہوا کرتی ہے اور دوسرے درجہ میں انفس میں ہوا کرتی ہے، پھر اس کے بعد میں نے بقا کی طرف ترقی کی جو ولایت میں دوسرا قدم ہوا کرتا ہے پس میں نے ان اشیا کو دوبارہ دیکھا اور میں نے حق تعالیٰ و سبحانہ کو ان اشیا کا عین پایا بلکہ خود اپنا عین پایا۔

اس کے بعد میں نے اللہ تعالیٰ کو تمام اشیا میں دیکھا بلکہ خود اپنے نفس میں دیکھا اس کے بعد اشیا کے ساتھ بلکہ خود اپنے ساتھ دیکھا، پھر اشیا سے پہلے بلکہ اپنے سے بھی پہلے دیکھا، پھر میں نے حق سبحانہ کو اشیا کے بعد بلکہ خود اپنے بھی بعد دیکھا، پھر میں نے اشیا کو دیکھا اور اللہ تعالیٰ کو بالکل نہیں دیکھا اور یہ وہ آخری قدم تھا جس میں ابتدائی قدم کی طرف لوٹنا ہوتا ہے اور مرتبہ عوام کی طرف واپس آجانا ہوتا ہے اور یہ مقام مخلوق کو حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف دعوت اور بلانے کا کامل ترین مقام ہوا کرتا ہے اور یہی منزل تکمیل وارشاد کی کامل ترین منزل ہوا کرتی ہے، تاکہ مخلوق کی طرف مناسبت مکمل ترین طریقے پر حاصل ہو سکے، کیونکہ کمال درجہ کا فائدہ

پہنچانے اور فائدہ حاصل کرنے کا یہی تقاضا ہوتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے ہی فضل والا ہے اور یہ تمام مذکورہ احوال اور تحریر کردہ کمالات مجھے حاصل ہوئے ہیں بلکہ ہر اس شخص کو حاصل ہوتے ہیں جو افضل الانبیا اور اکمل البشر ﷺ کے طفیل سے واصل ہوتا ہے، اے اللہ! ہمیں آپ کی پیروی پر ثابت قدم رکھ اور ہمارا حشر آپ ہی کے زمرہ میں فرما اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس بندہ پر رحم فرمائے جو میری اس دعا میں آمین کہے اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔

﴿معرفت: 40﴾

فضائل سلسلہ نقشبندیہ:

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ چند فضیلتوں کے اعتبار سے باقی تمام سلسلوں سے ممتاز ہے اور اس طریقہ عالیہ کو باقی تمام طریقوں پر ترجیح ہونا ظاہر ہے، یہ سلسلہ عالیہ برخلاف دوسرے سلاسل کے حضرت ابوبکر صدیق اکبر ؓ پر ختم ہوتا ہے جو انبیا علیہم السلام کے بعد تمام بنی آدم میں سے سب سے افضل ہیں...... اس طریقے میں برخلاف باقی طریقوں کے آغاز ہی میں انجام مندرج ہوتا ہے ﴿اندراج نہایت در بدایت﴾ علاوہ ازیں برخلاف دوسرے سلسلوں کے ان بزرگوں کے نزدیک جو شہود معتبر ہے وہ شہود دائمی ہے جسے ان حضرات نے یادداشت سے تعبیر فرمایا ہے اور جو شہود دوام پذیر نہ ہو وہ ان حضرات کے نزدیک ناقابل اعتبار ہے اور اس طریق کی منزلوں کو طے کرنا صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مکمل پیروی کے بغیر حاصل نہیں ہوتا،

بر خلاف دوسرے سلسلوں اور طریقوں کے کہ کسی قدر پیروی کے ساتھ لوگ ریاضتوں اور مجاہدوں کی مدد سے انقطاع ﴿دنیا سے بے تعلقی﴾ کے مقام تک پہنچ جاتے ہیں، اس دعوے کے لیے دلیل کی ضرورت ہے اور دلیل یہ ہے کہ یہ بزرگ محض جذبہ کی مدد سے راہ کو طے کرتے ہیں اور دوسرے طریقوں میں یہ مشقت ریاضتوں اور شدید مجاہدوں کے ذریعے سے منزلیں قطع کرتے ہیں اور جذبہ محبوبیت کی صفت کو چاہتا ہے، جب تک آدمی محبوب نہ بن جائے اسے جذب نہیں کرتے اور محبوبیت کی حقیقت محبوب رب العالمین ﷺ کی متابعت اور پیروی سے وابستہ ہے، آیت کریمہ ’فاتبعونی یحببکم اللہ ‘ ﴿لہذا میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت فرمائے گا﴾ اسی مضمون پر شاہد ہے، لہذا جس قدر متابعت کامل تر ہوگی اسی قدر جذبہ زیادہ ہوگا، لہذا کامل متابعت اور پیروی ان بزرگوں کے طریقہ کی شرط ہے، اس لیے جہاں تک ممکن ہو سکا ان حضرات نے عزیمت ہی پر عمل فرمایا حتیٰ کہ ذکر بالجہر سے بھی جو اس راہ میں بڑی عمدہ چیز ہے ان حضرات نے منع کر دیا اور سماع اور رقص سے بھی جو ارباب احوال کا مرغوب ترین خلاصہ ہے ان حضرات نے اجتناب فرمایا ہے، نیز ظاہر ہے کہ جو کمال متابعت پر مرتب ہوگا وہ تمام دوسرے کمالات سے بلند درجہ پر ہوگا، یہی وجہ ہے کہ ان بزرگوں نے فرمایا ہے، ہماری نسبت تمام نسبتوں سے بلند ہے، وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ بڑے ہی فضل والا ہے، لہذا طالبان حق کے لیے اس طریق کو اختیار کرنا زیادہ بہتر اور زیادہ مناسب ہوگا کہ یہ راستہ انتہائی نزدیک تر ہے اور مطلوب انتہائی طور پر بلند ہے اور اللہ سبحانہ ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

﴿معرفت: 41﴾

حضور انور ﷺ کے فضائل:

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اولاد آدم کے سردار اور آقا ہیں اور قیامت کے دن سب سے زیادہ تعداد آپ ﷺ کے پیروکاروں کی ہوگی، آپ ﷺ اللہ کے نزدیک اولین و آخرین میں سب سے زیادہ معزز ہیں، ﴿قیامت کے روز﴾ آپ ﷺ سب سے پہلے قبر شریف سے باہر تشریف لائیں گے، آپ ﷺ ہی سب سے پہلے شفاعت فرمانے والے ہوں گے اور سب سے پہلے آپ ﷺ ہی کی شفاعت قبول ہوگی، سب سے پہلے آپ ہی جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے اور دروازہ آپ ﷺ کیلئے کھول دیا جائے گا، قیامت کے دن حمد کا جھنڈا آپ ﷺ کے ہاتھ میں ہوگا اور اسی جھنڈے کے نیچے آدم اور تمام انبیاء علیہم السلام ہوں گے اور تمام لوگ ہوں گے، آپ ﷺ کی وہ ہستی مبارک ہے جس کے متعلق آپ ﷺ نے خود فرمایا ہے کہ ہم ﴿دنیا میں﴾ سب سے بعد میں آنے والے ہیں لیکن قیامت کے دن سب سے آگے ہوں گے۔

﴿اور آپ ﷺ نے فرمایا﴾ میں بغیر کسی فخر کے یہ بات کہتا ہوں کہ میں اللہ کا حبیب ہوں، میں رسولوں کا امام و پیشوا ہوں اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں ہے، میں خاتم النبیین ہوں، مجھے اس پر بھی کوئی فخر نہیں ہے، میں محمد ابن عبداللہ ابن عبدالمطلب ہوں، ﴿یعنی انسانوں﴾ میں بنایا گیا ہوں پھر ان ﴿انسانوں﴾

کی دو جماعتیں بنائیں تو مجھے ان کی بہترین جماعت میں سے بنایا، پھر ان کے خاندان اور قبیلے بنائے گئے تو مجھے ان میں سے بہترین خاندان سے بنایا، پھر ان کے گھرانے بنائے تو مجھے بہترین گھرانے میں سے بہترین انسان بنایا، لہذا میں ان کے گھرانوں کے اعتبار سے بہترین اور اپنی ذات کے اعتبار سے بہترین ہوں، جب لوگ ﴿قیامت میں﴾ اٹھائے جائیں گے تو میں سب سے پہلا ﴿قبر مبارک سے﴾ باہر آنے والا ہوں گا، جب وہ ﴿حق تعالیٰ کی حضوری میں﴾ وفد کے طور پر جائیں گے تو میں ان کا پیشوا ہوں گا، جب وہ سب خاموش رہیں گے تو میں ان کا خطیب ہوں گا، جب وہ سب روک دیئے جائیں گے تو میری ہی سفارش قبول کی جائے گی، جب وہ سب مایوس ہو جائیں گے تو میں ہی ان کو بشارت دینے والا ہوں گا، عظمت و بزرگی اور نجات کی کنجیاں اس روز میرے ہی ہاتھ میں ہوں گی، حمد کا جھنڈا ﴿لوائے حمد﴾ اس دن میرے ہی ہاتھ میں ہو گا، میں اپنے پروردگار کے نزدیک اولاد آدم میں سب سے زیادہ معزز و محترم ہوں گا، میرے گرد ایک ہزار خادم طواف کر رہے ہوں گے جو روشن موتیوں کی طرح ہوں گے، جب قیامت کا دن ہوگا تو میں ہی انبیا کرام کا امام اور خطیب اور صاحب شفاعت ہوں گا اور مجھے اس پر کوئی فخر و ناز نہیں ہے، ﴿واقعی﴾ اگر آپ نہ ہوتے تو حق تعالیٰ وسبحانہ مخلوق کو پیدا نہ کرتا اور نہ اپنی ربوبیت کا اظہار فرماتا اور آپ اس وقت بھی نبی تھے جب کہ حضرت آدم علیہ السلام ہنوز مٹی اور پانی کے درمیان تھے۔

نما ند بعصیاں کسے در گرو
کہ دارد چنیں سید پیشرو
کب گناہوں میں رہے وہ مبتلا
جس کے رہبر ہوں محمد مصطفیٰ ﷺ

خسرانِ مخالفین:

لہذا اس روشن شریعت والی ہستی ﴿حضور پُر نور ﷺ﴾ کے منکر اور اس ملت زہرا کے بانی ﴿رسول اکرم ﷺ﴾ کے مخالف ساری مخلوقات میں بد بخت ترین لوگ ہیں ' الا عراب اشد کفرا و نفاقا ' ﴿بدوی لوگ کفر ونفاق کے اعتبار سے سخت ترین آدمی ہیں﴾ یہ فرمان الٰہی ان کی حالت کا پتا دیتا ہے، تعجب ہے کہ بعض ناپختہ اور ناقص درویش جو اپنے خیالی کشف کو معتبر سمجھتے ہیں اور اس روشن شریعت کی مخالفت اور انکار میں پیش قدمی کرتے ہیں اور حال یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اس کلیمی اور قرب کے باوجود دنیا میں زندہ ہوتے تو اس شریعت کی متابعت کے بغیر عمل نہ کرتے اس فقیر بے برگ وسر کو ان کی مخالفت سے کیا غرض؟ وہ خود اپنے آپ کو خراب کرتے ہیں اور الحاد و زندقہ سے متہم ہیں، یہ بھی عجیب تر ہے کہ اہل عقل اور اہل تمیز حضرات بھی ان کی پیروی کرتے ہیں اور شریعت کی جانب اصلاً نہیں دیکھتے حالانکہ وہ ان ﴿صوفیا خام﴾ کا نقصان مکمل طور پر جانتے ہیں یا پھر ان کی نظر میں وہ باتیں شریعت کی مخالف نہیں ہیں تو کیا جس کے لیے اس کا برا

عمل اچھا ظاہر کیا گیا ہے وہ اسے اچھا ہی گمان کرتا ہے یا پھر وہ ان کی باتوں کو شریعت کے مخالف سمجھتے ہیں لیکن خیال کرتے ہیں کہ حقیقت شریعت کے مخالف ہے اور یہ عین الحاد اور زندقہ ہے، ہر وہ حقیقت جسے شریعت رد کر دے زندقہ ہی ہوتی ہے۔

یہ فقیر اس جماعت کے بعض کشفی عقائد کا یہاں ذکر کرتا ہے، انصاف کرنا چاہئے کہ آیا وہ اس قدر شریعت کے مخالف ہیں یا کسی صحیح تاویل کے قابل بھی نہیں ہیں یا مخالف نہیں ہیں، اس جماعت کا شیخ اور رئیس اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ روح انسانی خصوصیت کے ساتھ حق تعالیٰ و تقدس کی عین ذات ہے اور ان دو آیات کریمہ کو اس پر بطور استدلال کے پیش کرتا ہے۔

○…… وجاء ربك والملك صفا صفا، اور تیرا پروردگار آئے گا اور فرشتے صف بستہ آئیں گے۔

○…… یوم یقوم الروح والملائکة صفا، جس دن روح کھڑی ہوگی اور فرشتے صف بستہ ہوں گے۔

ان میں سے ایک آیت میں ﴿فرشتوں کے ساتھ﴾ رب ﴿کا آنا﴾ فرمایا ہے اور دوسری آیت میں روح ﴿کا آنا﴾ فرمایا ہے، لہذا رب اور روح ایک ہی چیز ہوں گے اور یہ اتحاد توحید وجودی کی قسم سے نہیں ہوا کیونکہ وہ روح کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام عالم اس میں برابر کا حصہ دار ہے۔

اسی کتاب میں وہ دوسری جگہ کہتا ہے کہ ابدال میں سے کچھ لوگ جو غاروں میں رہتے ہیں اور وہ کل ستر فرد ہوتے ہیں، قیامت قائم ہونے تک رہیں گے اور انہیں موت نہیں آتی، وہ طبائعی وجود رکھتے ہیں اور یہ بات نص قرآنی ’کل نفس ذائقة الموت‘ ﴿ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے﴾ کے خلاف ہے، ایک دوسری جگہ آخرت کے حالات میں لکھتا ہے کہ مبداء سے معاد تک دو عالم ہیں، دنیا اور آخرت اور ان دونوں عالموں میں ہر ایک نے چھ مرتبہ ترتیب پائی ہے، دنیا میں نزول کے انداز پر اور آخرت میں ترقی کے انداز پر۔

اور ترقی کی ترتیب کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ زمین پارہ پارہ ہو کر اس کے اجزا پانی میں منتشر ہو جائیں گے، اس کے بعد تمام مخلوقات پانی میں غرق ہو جائے گی اور یہ جو صاحب شریعت فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن تمام مخلوق پسینے میں غرق ہو جائے گی پسینے سے مراد یہی طوفان ہے، وہ وقت ترقی کا وقت ہوگا کہ سب کے سب ذات احدیت کی جانب جو حیات دنیوی کے مراتب کا سرچشمہ اور عزت الٰہی جل شانہ کا سراپردہ ﴿بارگاہ﴾ ہے متوجہ ہو جائیں گے، لیکن ہر شخص اپنی اپنی شناخت اور دریافت کی مقدار کے مطابق ان تمام مراتب میں سے ہر مرتبہ میں ہوگا اور تمام مخلوق کی تین جماعتیں بن جائیں گی سابقین، اصحاب یمین، اصحاب شمال۔

اس کے بعد وہ کہتا ہے کہ پانی بھی جو آگ کی حرارت کی وجہ سے تپا ہوا ہوگا خشک ہو جائے گا اور سب کا سب ہوا بن جائے گا اور قیامت کی ہولناکی سے یہی مرتبہ مراد ہے کہ اکثر خلائق تشنہ لب اور پیاسی ہوگی، اس کے بعد وہ ہوا بھی کرہ

آتشی کی حرارت سے آگ بن جائے گی اور سب کو اسی آگ پر سے گزرنا ہوگا، دوزخ سے مراد یہی عالم عنصری ہے جو سب کا سب آگ بن جائے گا، یہ دوزخ قمر ﴿چاند﴾ کے آسمان کے نیچے واقع ہوگی، دوزخ کے درجات میں سے ہر درجہ میں اپنے عمل اور حجاب کی مقدار کے مطابق ایک گروہ عذاب وعتاب میں گرفتار ہوگا، باقی لوگ جو اس مقام سے گزر گئے ہوں گے وہ عالم نور میں رہیں گے اور بہشت سے مراد یہی عالم نور ہے کہ افلاک کے طبقات میں سے ہر طبقہ مراتب بہشت ہی کا ایک مرتبہ ہوگا اور یہ بہشت فلک قمر سے لیکر عرش کے نیچے تک آٹھ آسمانوں پر مشتمل ہوگی، لہذا آٹھ بہشتیں ہوں گی، کچھ لوگ اس مرتبہ میں سکونت رکھیں گے اور ان کی راحتوں میں وہ راضی، خوش اور خرم ہوں گے، یہ ان کے عمل کی مقدار کے مطابق ہوگا اور کچھ دوسرے حضرات جو انبیا عظام اور اولیا کرام کے گروہ سے ہوں گے وہ اس مرتبہ سے بھی آگے نکل جائیں گے اور لقا ﴿دیدار﴾ الٰہی کی طرف متوجہ اور وصال کے منتظر ہوں گے، ان حضرات پر نہ آگ کی گرمی کا کوئی اثر ہوگا اور نہ راحت نور کی کوئی تاثیر ہوگی، یہ حضرات دیدار حق میں مستغرق ہوں گے، مقام محمود ان کا مقام ہوگا 'قاب قوسین او ادنیٰ' ﴿پھر رہ گیا فرق دو کمانوں کے برابر یا اس سے زیادہ قریب تر﴾ سے اسی مرتبہ کی طرف اشارہ ہے، یہ مقام عرش کے اوپر ہوگا، ان ہی حضرات کی شان میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے 'ان للـه تعالیٰ جنة ليس فيها حور ولا قصور وفيها يتجلى ربنا ضاحكا' ﴿یعنی اللہ تعالیٰ کی ایک جنت ایسی بھی ہے جس میں حوریں ہوں گی نہ محلات ہوں گے اس میں ہمارا پروردگار ہنستا ہوا تجلی فرمائے گا﴾

ہر اس شخص پر جو ادنیٰ سی تمیز بھی رکھتا ہو یہ بات پوشیدہ نہیں رہتی کہ یہ تمام باتیں شریعت کے خلاف ہیں ﴿یا نہیں﴾ دوزخ کو اس نے ایک آتشی کرہ سے تعبیر کیا اور زمین، پانی اور ہوا کو اس میں گم کر دیا، بہشت سے عالم نور مراد لیا جو فلک قمر سے لیکر عرش کے نیچے تک ہوگا، انبیا اور اولیا کیلئے عرش سے اوپر جگہ ثابت کر دی نہ کہ بہشت میں، یہ ساری باتیں ﴿شریعت کی﴾ صریح مخالفت کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہیں، اہل سنت و جماعت کا اعتقاد یہ ہے کہ دوزخ اس وقت موجود ہے اور جنت بھی اور انبیا و اولیا اور تمام مومنین اپنے درجوں اور مرتبوں کے تفاوت کے مطابق جنت میں ہی ہوں گے، یہ نہیں کہ وہ جنت سے گزر کر عرش کے اوپر چلے جائیں گے اور وہیں قیام کریں گے، یہ سب خیالی ڈھکوسلے ہیں، کنایہ سے بھی ان کا کوئی تعلق نہیں ہے، ان باتوں میں بہشت کے اندر دیدار الٰہی کے وجود کا انکار ہے کیونکہ اس نے کہا ہے کہ عرش کے اوپر پہنچ کر لقا ہوگا اور عرش کے اوپر اس نے ایک الگ جنت دیدار بنائی جس میں نہ حوریں ہوں گی نہ محلات ہوں گے، لہذا عام مومنین لقا ﴿دیدار الٰہی﴾ سے بے نصیب ہوں گے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں اس قسم کے تخیلات فاسدہ سے محفوظ رکھے۔

مقام محمود کو جو حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے اور اسی طرح او ادنیٰ کے مقام کو اس شخص نے تمام انبیا اور اولیا کا حصہ قرار دیا ہے، یہ بلا شبہ ایک بہتان کے سوا کچھ نہیں ہے، اس کی ان مذکورہ باتوں سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ وہ کفار کیلئے عذاب کو بھی ابدی نہیں سمجھتا، اسی طرح جنت کی نعمتوں کو بھی دائمی اور

ابدی نہیں مانتا اور یہ خود صریح کفر ہے اور جو چیز اس معنیٰ پر دلالت کرتی ہے خود اس کی عبارت ہے جو عذاب وثواب کے بارے میں پہلے گزر چکی ہے کہ وہ عمل کی مقدار کے مطابق ہوگا، اسی ﴿آگے آنے والی عبارت﴾ میں بھی اس کی تصریح ہے، اسے خوب سمجھ لو، صاحب فصوص نے جو عذاب ابدی کے بارے میں کلام کیا ہے وہ اس کی وجہ سے مطعون خلائق ہو گیا ہے تو وہ لوگ مطعون کیوں نہیں ہوں گے جو ثواب ابدی ہی کا انکار کرتے ہیں۔

اور آخر میں وہ یہ بات لکھتا ہے کہ اس کے بعد جب ہائے ہویت سے ذات احدیت کے دریچہ سے ان کے اوپر آفتاب ذات چمکے گا تو اولین وآخرین تمام مخلوقات یعنی جو مراتب نار میں محجوب ہوں گے وہ بھی اور جو مقام نور میں مستور ہوں گے وہ بھی اور جن لوگوں کی نشیمن گاہ مقام محمود ہوگا وہ بھی سب کے سب اس جمال کے پرتو میں گم ہو جائیں گے اور دریائے لاہوت میں فنا ہو جائیں گے، نہ بہشت کا کوئی اثر باقی رہے گا اور نہ دوزخ کا کوئی شرارہ، اس مقام پر نہ جلنا ہوگا نہ کسی طرح کا بناؤ سنوار ہوگا، نہ حیرانی ہوگی نہ انتظار ہوگا، نہ زندگی ہوگی نہ موت ہوگی، کیونکہ سب کے سب ذات بن جائیں گے اور جیسا کہ ازل میں تھا اسی طرح ابدی ہو جائیگا، اس کے بعد وہی دونوں عالم یعنی ایک عالم نور جس میں بہشت کے طبقات ہیں اور دوسرا عالم نار جس میں دوزخ کے درجات ہیں جمال وجلال کی تجلی سے ظہور میں آئیں گے، کیونکہ ابتدائے عالم میں بھی ان ہی دونوں صفتوں کی تجلی سے ظہور میں آئے تھے، لیکن وہ وہاں بالامکان ﴿ممکن ہونے کے ساتھ﴾ تھے اور

یہاں بالوجوب ﴿واجب ہونے کے ساتھ﴾ ہوں گے، اہل بہشت اپنے مرتبہ میں سکونت کریں گے اور ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور اہل دوزخ اپنے اوپر محجوب رہیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، ان دو تجلیوں کے بعد کوئی اور تجلی ملحوظ نہیں اور ذات کسی تعین کے ساتھ منسوب نہیں، انتھٰی.

ان باتوں سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ جنت اور دوزخ باوجود یکہ وہ آخرت میں داخل ہیں فنا ہو جائیں گے، غور کرنا چاہئے کہ یہ بات کفر تک پہنچا دیتی ہے یا نہیں، جو ظہور ان کے زوال کے بعد حاصل ہوا اس ظہور کو وہ بالوجوب ﴿واجب الوجود﴾ کہتا ہے اور ظہور دنیا کو بالامکان ﴿ممکن الوجود سمجھتا ہے﴾ غور کرنا چاہئے کہ اہل بہشت اور اہل دوزخ کو واجب کہنا کفر ہے یا نہیں؟ نیز اسی عبارت سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ انبیا اور اولیا ہمیشہ ذات ﴿احدیت﴾ میں عدم کے اندر زوال پذیر اور مضمحل رہیں گے اور انہیں ہرگز وجود حاصل نہیں ہوگا، یہ بھی صریح کفر ہے۔

انبیا اور اولیا ہمیشہ بہشت میں رہیں گے بغیر عدم اور بغیر زوال کے اور اس کی عبارت سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ انبیا کرام گروہ سابقین میں سے ہیں اور سابقین عرش کے اوپر رہیں گے جہاں نہ حوریں ہیں نہ محلات، نہ تنعم ہے نہ راحت، یہ بات بھی نص قطعی کے خلاف ہے، حق سبحانہ وتعالیٰ سابقین کے بارے میں تنعمات کا اثبات فرماتا ہے اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں کا بھی اثبات فرماتا ہے تو اس کا یہ قول نص کی مخالفت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، اس شخص نے ان تمام نعمتوں کو جو قرآن مجید میں سابقین کے بارے میں واقع ہوئی ہیں اہل یمین کے

بارے میں ثابت کیا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے، آیت کریمہ 'علٰی سرر موضونۃ متکئین ......' ﴿وہ جڑاؤ تختوں پر بیٹھے ہوں گے تکیہ لگائے ہوئے......﴾ سابقین کے بارے میں ہے اور یہ شخص اس آیت کریمہ کو بھی اہل یمین کے بارے میں بیان کرتا ہے اور سابقین کو نعمتوں سے محروم کرتا ہے کیونکہ یہ شخص قرآن مجید سے بالکل جاہل ہے اور اس کتاب کے آخر میں ایک اور اضافہ کرتا ہے اور توحید وجودی میں شیخ عطار اور مولوی رومی کی تقلید کرتا ہے اور اضافہ میں لکھتا ہے کہ وہ خود بھی شیطان ہوگا ﴿نعوذ باللہ من ذالک﴾ اس کلمہ کی قباحت سے ہم حق سبحانہ وتعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں، حق سبحانہ وتعالیٰ کو اس کلمہ سے یاد کرنا قبیح ترین قباحت ہے اور شدید ترین کفر ہے۔

ارباب توحید اگر چہ ہمہ اوست کہتے ہیں لیکن اس قسم کے قبیح الفاظ کے اطلاق کو وہ بھی جائز نہیں رکھتے، حق سبحانہ وتعالیٰ کو شریعت میں 'خالق کل شیء' ﴿ہر چیز کو پیدا کرنے والا﴾ کہتے ہیں لیکن 'خالق النجس والقاذور' ﴿ناپاک اور گندی چیزوں کو پیدا کرنے والا﴾ کہنا جائز قرار نہیں دیتے، اس عبارت میں اس قسم کی باتیں اگر کوئی شخص تلاش کرے تو بہت سی باتیں ظاہر ہوں گی لیکن ان تھوڑی سی باتوں ہی سے بہت سی باتوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے،

'سالے کہ نکوست از بہارش پیداست'
وہ سال اچھا ہے جس کی بہار اچھی ہے

اس فقیر نے اس کی بیہودہ باتوں میں سے چند باتیں اس رسالے میں بیان کی ہیں تا کہ لوگ اس کے کام کی برائی ﴿برے عقائد﴾ سے واقف ہو سکیں اور

اس کی تقلید کر کے اہل الحاد کے گروہ میں شامل نہ ہوں، اگر وہ اس کے باوجود بھی اس جماعت کی تقلید ہی کو اختیار کریں گے تو حجت ان لوگوں پر ہو چکی ہوگی۔

الحمد لله اولاً و آخراً والصلوٰة والسلام علیٰ رسولہٖ محمد وآلہٖ دائماً سرمداً والسلام علیٰ من اتبع الهدیٰ ۔

﴿اور اول و آخر اللہ تعالیٰ کی حمد اور محمد رسول اللہ ﷺ پر دائمی رحمتیں اور سلامتیاں ہوں اور سلام اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے﴾

……⊙……

﴿نواب صدیق حسن خان غیر مقلد کا خراج عقیدت﴾

شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی عالم عارف اور کامل و مکمل تھے، طریقہ نقشبندیہ میں اپنے عہد کے امام خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے، آپ کا سلسلہ ہندوستان سے ماوراء النہر شام روم اور مغرب بعید تک پھیلا ہوا ہے، آپ کے مکتوبات شریف جو تین جلدوں پر مشتمل ہیں وہ اس حقیقت پر واضح دلیل ہیں کہ آپ علوم شریعت میں کمال تبحر کے مالک اور سلوک و معرفت کے انتہائی مقام پر فائز تھے، آپ کے حالات زندگی پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں، یہاں آپ کے تمام کمالات کو بیان کرنے کی گنجائش نہیں، وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں فرق و امتیاز آپ ہی کی افادات عالیہ میں سے ہے، آپ کی قدر و منزلت معلوم

کرنے کے لیے یہی جاننا کافی ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ اور مرزا مظہر جان جاناں آپ ہی کے طریقے سے منسلک تھے، آپ کا طریقہ کتاب و سنت کی اتباع پر مبنی ہے، ظاہر و باطن ہر طرح سے کتاب و سنت کے مخالف کسی چیز کو قبول نہیں کرتے، آپ کے مکتوبات منازل معرفت و قبول کو طے کرنے کے لیے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، طالب صادق اور سالک کسی بھی وقت ان کے مطالعہ سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔

﴿تقصار الجیود الاحرار من تذکار جنود الابرار: ۱۱۰ مطبوعہ بھوپال﴾

……☆……

ایک جگہ اور تحریر کرتے ہیں:

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکشوفات کے علو مرتبت کا اس سے اندازہ لگانا چاہیے کہ وہ سب کے سب چشمہ صحو سے نکلے ہیں اور کبھی شریعت کے خلاف نہیں ہوئے بلکہ بیشتر مکشوفات کی شریعت تائید کرتی ہے اور بعض ایسے ہیں کہ شریعت ان کے بارے میں خاموش ہے، اولیاء اللہ میں آپ کا مرتبہ ایسا ہے کہ جیسے انبیاء میں اولوالعزم حضرات کا۔ ﴿ریاض المرتاض: ۲۲﴾

……☆……

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسالہ مبدأ و معاد

مصنف

حضور امامِ ربانی مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

حضرت مولانا عالم الدین نقشبندی مجددی

فہرست مضامین

○ اپنے احوال کا بیان 378
○ قطب الارشاد کا فیض 383
○ مقامِ کمال و تکمیل 384
○ اندراج النہایہ فی البدایہ 385
○ تحدیثِ نعمت اور اظہارِ واقعہ 385
○ روحانی سیروں کی داستان 386
○ کمالاتِ ولایت کے مدارج 387
○ نزولِ تام کا بیان 388
○ انفسی اور آفاقی مشاہدہ 389
○ طریقِ توبہ کی ابتداء 390
○ اس طریقے میں بے حاصلی 393
○ خواجہ نقشبند کے فرمان کی تشریح 395
○ مقامِ روح اور کمالِ عروج 400
○ حضور پیغمبر اعظم ﷺ کا امتیاز خاص 411
○ راہ سلوک میں پیش آنیوالے حالات 413

○ آیتِ قرآنی کی تعبیر لطیف 414
○ مشائخ کے ایک قول کی تشریح 415
○ وجودِ باری کے متعلق معرفت خاص 416
○ اس مسئلہ کی مزید توضیح 417
○ خدا تخیل وتصور سے ماورا ہے 419
○ اس مطلب کی مزید توضیح 420
○ صرافتِ مطلق کا بیان 420
○ انسان افضل ہے یا فرشتہ 421
○ عوام کے ساتھ اولیاء کی ہم رنگی کی حقیقت 421
○ علومِ امکانی اور معارفِ وجوبی 424
○ علمِ اشیاء کا رجوع 424
○ مقامِ رضا کا حصول اور اطمینانِ نفس 246
○ امام کے پیچھے قرأت کا کیا حکم ہے 427
○ تعلیمِ طریقہ کی اجازت 430
○ مراتبِ ثلاثہ اور یادداشت 431
○ مقاماتِ عشرہ کے بغیر وصول نہایت 432
○ اولیائے باری اور اسباب کی گرفتاری 434
○ شانِ اولیاء پوشیدہ کیوں؟ 435

○ ...... بدعت اعتقادی کا نقصان 436
○ ...... متشابہات کی تاویل 436
○ ...... متابعت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت 437
○ ...... محبت ذاتی اور محبت صفاتی 438
○ ...... علم باطن کی علم ظاہر پر فضیلت 439
○ ...... موت قبل از موت کی حقیقت 441
○ ...... کلام الٰہی کا سربستہ راز 444
○ ...... تکوین صفت حقیقی ہے 446
○ ...... باری تعالیٰ کا دیدار 448
○ ...... حواس کے بغیر مرتبہ تعین 451
○ ...... ارادے کی فنا 452
○ ...... قرآن اور مقام ہدایت 454
○ ...... خواجہ باقی رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت مجدد 455
○ ...... نفی و اثبات کا ذکر 456
○ ...... حقائق ثلاثہ کا بیان 457
○ ...... کلمہ طیبہ کی فضیلت 458
○ ...... کیا معوذتین داخل قرآن نہیں 459
○ ...... شیخ کامل کی اتباع 460

○ انبیاء کے درجات اور تجلی ذات 461
○ اسما اور صفات کی سیر 463
○ مقام رضا کی برتری 464
○ سنت اور بدعت 464
○ جنوں کے بارے میں کشف 465
○ ولی کی جزئی فضیلت 466
○ نبی کی کلی فضیلت 467
○ صفاتِ باری کا تعارف 468
○ حق تعالیٰ بے مثل و بے مثال 469
○ عرفانِ مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو سمجھنے کا اسلوب 470

……

تعارف

یہ رسالہ مبارکہ بھی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فارسی زبان میں رقم فرمایا اور اپنے اسرار و رموز نہایت لطیف اشاروں میں بیان کیے، اس میں ۱۰۰۸ھ سے لے کر ۱۰۱۸ھ ہجری تک کے بعض مکشوفات وحقائق کا تذکرہ ہے، اس کے مضامین متفرق مسودات کی شکل میں تھے جن کو آپکے خلیفہ اجل حضرت مولانا محمد صدیق بدخشی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۰۱۹ ہجری میں مرتب کیا، اور ہر مضمون کو ''منہا'' کا عنوان دے کر الگ الگ کر دیا، مضامین کی تعداد اکسٹھ ہے اور ہر ''منہا'' اسرار معرفت کا دریا دکھائی دیتا ہے، آپ نے ان مضامین میں جذبہ و سلوک کے حصول، بیان نزول، تائید مشائخ سلاسل مختلفہ، قطب الارشاد اور اس کے فیض عام، نسبت نقشبندیہ، اظہار نعمت، کمالات ولایت کے درجات، علم ظاہر پر علم باطن کی برتری، آداب مرشد کامل، معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور عروج اولیاء میں امتیاز، رویت باری تعالیٰ اور حقیقت قرآنی کے اسرار پر کھل کر خیالات کا اظہار کیا ہے، یہ رسالہ بھی آپکے صوفیانہ خیالات کا بہترین ترجمان ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ آپ صوفیائے وجودیہ کے نظریات کو کس نگاہ سے دیکھتے ہیں، آپ نے بہت سے مقامات پر حضرت ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف فرمایا ہے اور ان کی اصطلاحات کے مقابلے میں اپنی اصطلاحات کو استعمال کیا ہے، اس رسالے میں آپ نے اپنے شیخ کامل کا ذکر بھی بہت عقیدت و احترام کے ساتھ کیا ہے،

فرماتے ہیں کہ ہم چار آدمی اپنے خواجہ کی خدمت میں ایسے تھے کہ لوگوں کی نگاہوں میں باقی تمام دوستوں میں ہمیں خاص امتیاز حاصل تھا، حضرت خواجہ کی نسبت ہم میں سے ہر ایک کا اعتقاد علیحدہ تھا اور معاملہ بھی جدا تھا، یہ فقیر تو یقین کے ساتھ یہ سمجھتا تھا کہ اس قسم کی صحبت اور یک جائی اور اس طرح کی تربیت و ہدایت آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے بعد کسی کو حاصل نہیں ہوئی اور حق تعالیٰ کی اس نعمت تمام کا شکر ادا کرتا تھا کہ اگرچہ حضور خیر البشر ﷺ کے شرف صحبت سے مشرف نہیں ہو سکا تاہم اس صحبت کی سعادت سے محروم بھی نہیں رہا، اس رسالہ مبارکہ کی عبارت میں عربی جملے اور اشعار بھی بکثرت ہیں، جن میں ایک شانِ دل آویزی کا تاثر پایا جاتا ہے، بعض ''منھا'' عربی زبان میں مرقوم ہیں، اس رسالے کا عربی ترجمہ شیخ مراد مکی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا جو مکتوبات شریفہ کے عربی ترجمے کے حاشیے پر موجود ہے۔

……◉……

﴿مولانا آزاد بلگرامی کے تاثرات﴾

مجدد الف ثانی …… برستا بادل جس کے چھینٹے عرب و عجم پر چھا گئے …… چمکتا آفتاب جس کی روشنی مشرق و مغرب میں پھیل گئی …… ظاہری اور باطنی علوم کا جامع …… پوشیدہ خزانوں کا خازن۔ ﴿سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان: ۴۷﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

ناظرین باتمکین کی خدمت میں گزارش کرتا ہوں کہ اس رسالہ شریفہ میں امام ہمام، حجۃ اللہ علیٰ الانام، پیشوائے اقطاب واوتاد، قبلہ ابدال وافراد، سبع مثانی کے کاشف اسرار، مجدد الف ثانی، عارف ربانی، شیخ الاسلام والمسلمین، ہمارے شیخ اور ہمارے امام شیخ احمد فاروقی حنفی نقشبندی ﴿خدا کرے آنخضرت کی ہدایت کے آفتاب افق اعلیٰ پر چمکتے رہیں اور لوگ آنخضرت کے افاضہ کے باغوں میں بڑھتے رہیں﴾ کے اشارات لطیفہ اور اسرار دقیقہ مندرج ہیں، اللہ تعالیٰ مددگار رہے اور اس پر بھروسا ہے۔

……﴿منہا: 1﴾……

اپنے احوال کا بیان:

جب مجھے راہ سلوک کی ہوس پیدا ہوئی تو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی عنایت نے مجھے خانوادہ نقشبندیہ کے ایک خلیفہ کی خدمت میں پہنچایا جن کی توجہ کی کرامت سے خواجگان کرام کا جذبہ جو بلحاظ فنا صفت قومیت میں جا ملتا ہے، حاصل ہوا اور اندراج النہایہ فی البدایۃ کے طریقے سے بھی ایک گھونٹ حاصل ہوا، اس جذبہ کے

حاصل ہو جانے کے بعد سلوک شروع ہوا اور یہ راہ میں نے اسد اللہ الغالب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روحانیت کی تربیت سے اس انجام تک طے کی، یعنی اس اسم سے جو میرا پرورش کنندہ ہے بعد ازاں اس اسم سے حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی روحانیت کی مدد سے قابلیت اولیٰ تک جس کو حقیقت محمدیہ سے تعبیر کرتے ہیں ترقی کی، وہاں سے اوپر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی روحانیت کی مدد سے عروج حاصل ہوا، وہاں سے آگے حضرت ختم المرسلین ﷺ کی روحانیت کی مدد سے مقام اقطاب محمدیہ تک ترقی کی، یہ مقام قابلیت کے مقام سے اوپر ہے اور یوں سمجھو کہ یہ مقام قابلیت اولیٰ کا اجمال ہے اور قابلیت اولیٰ اس کی تفصیل ہے، اس مقام میں پہنچتے وقت حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت خواجہ علاؤ الدین عطار قدس اللہ اسرارہ کی روحانیت سے بھی ایک طرح کی مدد مجھے ملی، قطب کا انتہائی عروج اسی مقام ﴿اقطاب محمدیہ﴾ تک ہوتا ہے، دائرہ ظلیت بھی اسی مقام پر ختم ہو جاتا ہے، بعد ازاں یا تو خالص اصل ہے یا اصل اور ظل ملے ہوئے ہیں، یہ مقام افراد کیلئے مخصوص ہے، ہاں بعض قطب بھی افراد کی ہمنشینی کے سبب مقام ممتزج ﴿جہاں اصل اور ظل ملے جلے ہیں﴾ تک ترقی کرتے ہیں اور اس اصل وسایہ کو ملے ہوئے دیکھتے ہیں لیکن محض اصل خالص تک پہنچنا یا اسے دیکھنا حسب درجہ افراد کا خاصہ ہے. یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عنایت کرے، اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے، اس مقام اقطاب پر پہنچ کر جناب سرور کائنات ﷺ سے مجھے قطبیت ارشاد کی خلعت عنایت ہوئی اور اس منصب سے مجھے سرفراز فرمایا، بعد ازاں پھر عنایت الٰہی جل

شانہ میرے شامل حال ہوئی اور اس مقام سے اوپر کی طرف ترقی نصیب ہوئی حتیٰ کہ مجھے عنایت الٰہی نے اصل ممتزج ﴿اصل وسایہ ملا ہوا﴾ تک پہنچایا اور وہاں بھی فنا و بقا نصیب ہوئی جیسا کہ گذشتہ مقامات میں ہوتی آئی تھی، وہاں سے آگے مقامات اصل میں ترقی عنایت فرمائی اور اصل الاصل تک پہنچا دیا، اس آخری عروج میں جو مقامات اصل کا عروج ہے، حضرت غوث اعظم محی الدین شیخ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ کی روحانیت کی مدد نصیب ہوئی جس نے اپنی قوت تصرف سے ان مقامات سے عبور کرا کے اصل الاصل میں پہنچا دیا، وہاں سے پھر جہان کی طرف لوٹایا، چنانچہ لوٹتے وقت ہر مقام سے عبور حاصل ہوا۔

مجھے یہ نسبت فردیہ جس سے عروج اخیر مخصوص ہے اپنے والد ماجد ﴿شیخ عبد الاحد بن زین العابدین علیہما الرحمۃ﴾ سے حاصل ہوئی، انہیں ایک بزرگ ﴿حضرت شاہ کمال قادری رحمۃ اللہ علیہ﴾ سے جن کو جذبہ قوی حاصل تھا اور جو خوارق عادات میں شہرۂ آفاق تھے، ہاتھ آئی لیکن مجھے شروع میں ضعف بصیرت اور اس نسبت کی قلت کے ظہور کے باعث اپنے آپ میں اس نسبت فردیہ کا ہونا معلوم نہ تھا، جب سلوک کی منزلیں طے کیں تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ نسبت شروع ہی سے مجھ میں تھی، نیز عبادات نافلہ کی توفیق خصوصاً نماز نافلہ کا ادا کرنا بھی اپنے والد ماجد سے حاصل ہوا اور انہیں یہ سعادت اپنے شیخ ﴿شیخ عبد القدوس رحمۃ اللہ علیہ﴾ سے جو سلسلہ چشتیہ سے منسوب تھے حاصل ہوئی، جب تک میں مقام اقطاب سے عبور نہ کر چکا مجھے علوم لدنی حضرت خضر علیہ السلام کی روحانیت سے حاصل ہوتے رہے،

جب اس مقام سے عبور کر کے مقامات عالیہ میں ترقی کی تو پھر اپنی حقیقت سے علوم اخذ کرنے لگا، اس وقت کسی غیر کی مجال نہ تھی کہ بیچ میں دخل دیتا نیز مجھے نزول کے وقت جس سے مراد سیر عن اللہ باللہ ہے دوسرے سلسلوں کے مشائخ کے مقامات میں عبور واقع ہوا اور ہر ایک مقام سے کافی حصہ لیا اور ان مقامات کے مشائخ نے میرے کام میں میری مدد و اعانت کی اور اپنی نسبتوں کے خلاصے مجھے عنایت فرمائے، پہلے پہل اکابر چشتیہ رحمۃ اللہ علیہم کے مقام میں عبور واقع ہوا، اس مقام سے کافی حصہ حاصل ہوا، ان مشائخ عظام میں سے حضرت خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کی روحانیت نے دوسروں کی نسبت زیادہ امداد فرمائی، واقعی اس مقام میں ان کی شان نہایت اعلیٰ ہے اور آپ اس مقام کے سردار ہیں، بعد ازاں اکابر کبرویہ رحمۃ اللہ علیہم کے مقام میں گزر ہوا، یہ دنوں مقام یعنی چشتیہ و کبرویہ بلحاظ عروج برابر ہیں لیکن یہ مقام ﴿کبرویہ﴾ نزول کے وقت شاہراہ کی دائیں طرف پڑتا ہے اور پہلا ﴿چشتیہ﴾ بائیں طرف، یہ شاہراہ وہی ہے جس سے بعض بڑے بڑے اقطاب ارشاد ہو کر مقام فردیت میں جاتے ہیں اور وہاں سے نہایت النہایہ میں پہنچتے ہیں، صرف افراد کی راہ اور ہے بغیر قطبیت کے اس راہ سے نہیں گزر سکتے، یہ مقام ﴿کبرویہ﴾ مقام صفات اور اس شاہراہ کے مابین واقع ہے گویا یہ دونوں مقاموں کا رخ ہے، دونوں طرف سے اسے حصہ ملتا ہے، پہلا مقام ﴿چشتیہ﴾ شاہراہ کی دوسری طرف واقع ہے جو صفات سے بہت کم مناسبت ﴿رکھتا﴾ ہے، اس کے بعد مجھے اکابر سہروردیہ کے مقام میں جو شیخ

شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ سے اس طرف ہیں، عبور واقع ہوا، یہ مقام سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے نور سے آراستہ اور مشاہدہ فوق الفوق کی نورانیت سے مزین ہے، توفیق عبادات اس مقام کی رفیق ہے، بعض سالک جو ابھی اس مقام تک نہیں پہنچے اور عبادات نافلہ میں مشغول ہیں اور اس سے مطمئن ہیں، انہیں بھی اس مقام کی مناسبت کی وجہ سے اس مقام سے کچھ حصہ نصیب ہوتا ہے، عبادات نافلہ اصالتاً اسی مقام کے مناسب ہیں، دوسرے کیا مبتدی اور کیا منتہی سب اس مقام کی مناسبت کی وجہ سے بہرہ ور ہیں، یہ مقام ﴿سہروردیہ﴾ نہایت عجیب و بزرگ ہے، جو نورانیت اس مقام میں دیکھنے کو آئی ہے، دوسرے مقامات میں بہت کم دکھائی دیتی ہے، اس مقام کے مشائخ بہ سبب کمال اتباع عظیم الشان اور رفیع القدر ہیں، اپنے ہم جنسوں میں پورے طور پر ممتاز ہیں، جو کچھ ان بزرگوں کو اس مقام میں نصیب ہوا ہے، دوسرے مقامات میں گو وہ بلحاظ عروج اوپر ہی ہیں، میسر نہیں ہوتا، بعد ازاں مجھے مقام جذبہ میں اتار لائے، اس مقام میں بیشمار جزئیات کے مقامات شامل ہیں، پھر وہاں سے بھی نیچے لائے، نزول کا آخری مرتبہ و مقام قلب ہے جو حقیقت جامع ہے اور ارشاد و تکمیل اسی مقام پر نزول کرنے کے متعلق ہے، جب اس مقام میں لائے تو پیشتر اس کے کہ مجھے اس مقام پر استقرار حاصل ہو پھر عروج نصیب ہوا، اس وقت اصل کو سائے کی طرح پیچھے چھوڑا اور اس عروج سے جو مقامات قلب میں ہوا استقرار حاصل ہوا۔

﴿منہا:2﴾

قطب الارشاد کا فیض:

قطب ارشاد جس میں فردیت کے جامع کمالات بھی پائے جاتے ہیں قلیل الوجود ہوتا ہے، کئی صدیوں بلکہ بے شمار زمانوں کے بعد اس قسم کا موتی ظاہر ہوتا ہے، جس کے نور ظہور سے تاریک دنیا روشن ہو جاتی ہے، اس کی ہدایت وارشاد محیط عرش سے لے کر مرکز زمین تک تمام جہان کو حاصل ہوتا ہے، جس شخص کو رشد و ہدایت اور ایمان و معرفت حاصل ہوتے ہیں، اسی کی وساطت سے ہوتے ہیں ، اس کے وسیلے کے بغیر براہ راست کسی کو یہ نعمت حاصل نہیں ہو سکتی گویا اس کا نور ہدایت سمندر کی طرح تمام جہان کو گھیرے ہوتا ہے اور وہ ایک منجمد سمندر ہے جو بالکل حرکت نہیں کرتا، جو شخص اس بزرگ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کا مخلص ہوتا ہے یا وہ بزرگ کسی طالب کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو توجہ کے وقت طالب کے دل میں گویا ایک سوراخ کھل جاتا ہے جس کی راہ سے وہ اس دریا سے توجہ اور اخلاص کے مواقف سیراب ہوتا ہے، اسی طرح جو شخص ذکر الٰہی میں مشغول ہے لیکن اس بزرگ ﴿قطب ارشاد﴾ کی طرف متوجہ نہیں مگر انکار کی وجہ سے نہیں بلکہ اس واسطے کہ وہ اسے جانتا نہیں تو بھی اسے اسی قسم کا فائدہ پہنچتا ہے مگر پہلی صورت میں بہ نسبت دوسرے کے زیادہ فائدہ حاصل ہوتا ہے، لیکن جو شخص قطب ارشاد کا منکر ہے یا وہ بزرگ اس سے ناراض ہے خواہ وہ کتنا ہی ذکر الٰہی میں مشغول رہے پھر بھی رشد و

ہدایت کی حقیقت سے محروم رہتا ہے اور اسکا انکار اس کے فیض کا سد راہ ہوتا ہے، خواہ قطب ارشاد اسے فائدہ نہ پہنچانے کیلئے یا نقصان پہنچانے کیلئے توجہ نہ ہی کرے، ایسے شخص کو ہدایت کی حقیقت میسر نہیں ہو سکتی گویا اسے رشد کی صورت حاصل ہوتی ہے لیکن محض صورت سے کیا کام نکل سکتا ہے، صورت بے معنیٰ سے بہت تھوڑا فائدہ حاصل ہوتا ہے، جو لوگ قطب ارشاد کے محبّ و مخلص ہوتے ہیں گو وہ ذکر الٰہی اور توجہ مذکور سے خالی ہی ہوں تو بھی محض محبت کی وجہ سے رشد و ہدایت کا نور پا لیتے ہیں، والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

……﴿منہا: 3﴾……

مقام کمال و تکمیل:

پہلے پہل جو دروازہ میرے لئے کھولا گیا وہ یافت کا ذوق تھا نہ کہ یافت، بعد ازاں دوسرے درجے پر یافت نصیب ہوئی تو ذوق یافت مفقود ہو گیا، تیسرے درجے پر یافت بھی ذوق یافت کی طرح مفقود ہو گئی، دوسری حالت حالت کمال اور ولایت خاصہ کے درجے کا حاصل کرنا ہے، تیسرا مقام تکمیل اور دعوت کیلئے خلقت کی طرف لوٹنا ہے، پہلی حالت صرف بلحاظ جذبہ کمال ہے، جب اس کے سلوک کو پورے طور پر حاصل کر لیا جاتا ہے تو دوسری حالت حاصل ہوتی ہے، بعد ازاں تیسری حالت، لیکن مجذوب کو سلوک سے یہ دوسری اور تیسری حالت بالکل نصیب نہیں ہوتی جو کامل و مکمل ہے وہ مجذوب سالک ہے، اس سے دوسرے

درجے پر سالک مجذوب ہے، جو ان دونوں کے بغیر ہے وہ نہ کامل ہے نہ مکمل ہے، تم کم ہمت نہ بننا' والسلام علیٰ خیر البشر سید نا محمد و آله الاطہر'

منہا: 4

اندراج النہایہ فی البدایہ:

ماہ ربیع الآخر کے آخری حصے میں بزرگ خانوادہ کے ایک بزرگ خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان بزرگوں کا طریقہ اخذ کیا، اسی سال ماہ رجب کے نصف کے قریب حضور نقشبندیہ کی سعادت جو اس مقام میں اندراج نہایت در بدایت ہے حاصل ہوئی، ان بزرگ نے فرمایا کہ نسبت نقشبندیہ سے مراد یہی حضور ہے، پورے دس سال کچھ مہینے اوپر ماہ ذوالقعدہ کے نصف میں وہ نہایت جو بدایت میں بدایات واوساط کے اتنے پردوں کے پیچھے سے جلوہ گر ہوئی تھی، نقاب اتار کر نمودار ہوئی، اس وقت یقین ہو گیا کہ بدایت میں اس اسم کی صورت تھی اور اس پیکر کا سخن تھا اور اس مسمّٰی کا اسم تھا، ان دونوں میں بڑا بھاری فرق ہے، کام کی حقیقت یہاں آکر کھلی اور معاملہ راز اس جگہ ظاہر ہوا، جس نے چکھا نہیں اسے معلوم نہیں ہوا' والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانام و آله الکرام واصحابه العظام۔

منہا: 5

تحدیث نعمت اور اظہار واقعہ:

'واما بنعمة ربك فحدث 'اپنے پروردگار کی نعمت کا ذکر کرو' کے حکم کے

تحت بیان کرتا ہوں کہ ﴿ میں ایک روز اپنے یاروں کے حلقے میں بیٹھا تھا اور اپنی خرابیوں کو دیکھ رہا تھا، یہ دید یہاں تک غالب آئی کہ میں نے اپنے آپ کو اس وضع سے بالکل مناسب نہ پایا، اسی اثنا میں من تواضع للہ رفعہ اللّٰہ جس نے اللہ تعالیٰ کی خاطر تواضع کی اللہ تعالیٰ نے اس کا درجہ بلند کر دیا، کے موافق اس دور پڑے ہوئے کو رسوائی کی خاک سے اٹھا کر یہ آواز سر میں دی، غفرت لك ولمن توسل بك الیٰ بواسطة او بغیر واسطة الی یوم القیٰمة، میں نے تجھے اور اس شخص کو بھی جو تجھے میری بارگاہ کا وسیلہ بالواسطہ یا بلا واسطہ بنائے گا بخشا اور یہ سلسلہ قیامت تک یونہی جاری رہے گا اور از راہ بندہ نوازی بار بار مجھے یہ فرمایا حتیٰ کہ شک وشبہ کی گنجائش نہ رہی، اس بات کیلئے اللہ تعالیٰ کا بہت بہت شکر ہے، اللہ تعالیٰ اس میں برکت دے، والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہٖ سیدنا محمد والہٖ کما یحری: بعد ازاں اس واقعہ کے ظاہر کرنے کا مجھے حکم ہوا ؎

اگر بادشاہ بردر پیر زن
بیاید تواے خواجہ سبلت مکن

'ان ربك واسع المغفرة' بے شک تیرے پروردگار کی مغفرت بہت وسیع ہے۔

﴿منھا:6﴾

روحانی سیروں کی داستان:

سیر الی اللہ سے مراد کسی ایک اسم الٰہی تک کی سیر ہے جو سالک کا مبداء

تعین ہے اور سیر فی اللہ سے مراد اس اسم میں یہاں تک سیر کرنا ہے کہ اسماء وصفات اور شیون واعتبارات کے لحاظ سے مجرد ذات احدیت کی بارگاہ میں پہنچ جائے، یہ تقریر اس وقت درست معلوم ہوتی ہے جب کہ اسم مبارک اللہ سے مراد مرتبہ وجوب لیا جائے جو اسماء وصفات کا جامع ہے لیکن اگر اس اسم مبارک سے مراد ذات محض لی جائے تو پھر سیر فی اللہ بھی سیر الی اللہ میں داخل ہوتی ہے اور اس طرح سیر فی اللہ بالکل حاصل نہیں ہوتی کیونکہ آخری سے آخری نقطہ میں سیر کرنا وہم وخیال میں بھی نہیں آسکتا، اس نقطے پر پہنچ کر بلاتوقف جہان کی طرف لوٹنا ہوتا ہے جسے سیر عن اللہ باللہ کہتے ہیں، یہ شناخت آخری سے آخری نقطہ تک واصلوں کیلئے مخصوص ہے، میرے سوا کسی ولی اللہ نے اس شناخت کے بارے میں کچھ نہیں کہا، اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی طرف چن لیتا ہے، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، والسلام علیٰ سید المرسلین محمد وآلہ اجمعین۔

منہا: 7

کمالات ولایت کے مدارج:

کمالات ولایت کی سیر میں اولیائے کرام کے مختلف مراتب ہیں، بعض میں صرف ایک درجہ ولایت کی استعداد ہوتی ہے، بعض میں دو کی، بعض میں تین کی اور بعض میں چار کی، خال خال ایسے ہوتے ہیں جو ولایت کے پانچویں درجے کو حاصل کرتے ہیں، ان پانچ درجوں میں سے پہلا درجہ تجلی افعال سے وابستہ ہے،

دوسرا تجلی صفات سے اور باقی کے تین حسب مرتبہ تجلیات ذاتی سے وابستہ ہوتے ہیں، میرے اکثر یار تیسرے درجہ سے مناسبت رکھتے ہیں اور ان میں تھوڑے ایسے ہیں جو چوتھے درجے کے قابل ہیں اور خال خال ایسے بھی ہیں جو ولایت کے آخری یعنی پانچویں درجے سے مناسبت رکھتے ہیں لیکن جس کمال کو میں معتبر سمجھتا ہوں وہ ان پانچوں سے بڑھ کر ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے کے بعد اس کمال کا ظہور نہیں ہوا جو جذبہ وسلوک کے کمال سے بڑھ کر ہے، انشاء اللہ یہ کمال آخری زمانے میں حضرت مہدی موعود رضی اللہ عنہ میں ظاہر ہوگا، والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر البریہ۔

……﴿منہا: 8﴾……

نزولِ تام کا بیان:

نہایت النہایت ﴿آخری مقام﴾ کے اصل رجوع قہقری ﴿الٹے پاؤں واپس آتے﴾ وقت نچلے سے نچلے مقام میں اتر آتے ہیں، یہی نچلے سے نچلے مقام میں اتر آنا ہی اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ اور آخری سے آخری مقام تک ترقی کر چکے ہیں، جب نزول اس خصوصیت سے وقوع میں آتا ہے تو صاحب رجوع ہمہ تن عالم اسباب کی طرف متوجہ ہوتا ہے، یہ نہیں ہوتا کہ اس کا کچھ حصہ بارگاہ الٰہی کی طرف متوجہ ہو اور کچھ خلقت کی طرف، کیونکہ ایسی حالت اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ آخری سے آخری مقام تک نہیں پہنچا، نیز اسے نچلے سے نچلے مقام تک نزول بھی حاصل نہیں ہوا، اب میں اصل بات کو بیان کرتا ہوں وہ یہ

کہ نماز پڑھتے وقت جو کہ مومن کیلئے معراج ہے صاحب رجوع کے تمام لطائف بارگاہ الٰہی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور نماز سے فارغ ہو کر بالکل خلقت کی طرف، لیکن فرائض و سنن ادا کرتے وقت چھ لطیفے بارگاہ الٰہی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور نفل ادا کرتے وقت صرف عمدہ سے عمدہ لطیفے متوجہ ہوتے ہیں، ممکن ہے کہ حدیث لی مع اللہ وقت کا اشارہ اس خاص وقت کی طرف ہو جو نماز سے مخصوص ہے اور اس اشارہ کے تعین پر قرینہ حدیث قرۃ عینی فی الصلوٰۃ ہے یعنی مجھے نماز میں آنکھوں کی ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے، اس قرینے کے علاوہ کشف صحیح اور الہام صریح بھی اس بارے میں مجھے ہوا ہے، یہ جو معارف مجھ سے ہی مخصوص ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے، دوسرے مشائخ نے اس کمال کو جمع بین التوجہین میں جانا ہے، میں اپنا کام اور معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں، اس شخص پر سلامتی ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی اور جناب سرور کائنات ﷺ کی فرمانبرداری اور تابعداری کی۔

……﴿منہا:9﴾……

انفسی اور آفاقی مشاہدہ:

مشائخ نے فرمایا ہے کہ اہل اللہ مرتبہ ولایت پر پہنچ کر اپنے اندر ہی مشاہدہ کرتے ہیں، بیرونی مشاہدہ جو سیر الی اللہ کے وقت اثنائے راہ میں حاصل ہوتا ہے، معتبر نہیں، جو کچھ مجھ پر منکشف ہوا ہے وہ یہ ہے کہ مشاہدہ اندرونی بھی مشاہدہ بیرونی کی طرح قابل اعتبار نہیں، اس واسطے کہ وہ مشاہدہ دراصل حقیقت

حق سبحانہ وتعالیٰ کا مشاہدہ نہیں کیونکہ جب حق تعالیٰ بیچون وبیچگون ہے تو پھر چون کے آئینہ میں کیونکر سما سکتا ہے، خواہ آئینہ اندرونی ہو یا بیرونی، اللہ تعالیٰ نہ جہان کے اندر ہے اور نہ اس سے باہر ہے، نہ جہان سے ملا ہوا ہے، نہ ہی الگ ہے، اسی واسطے جو رویت حق آخرت میں حاصل ہونی ہے، اسے بھی بلا کیف ہی لکھا ہے جو عقل ووہم کے احاطہ سے باہر ہے، دنیا میں بھی یہ بھید خواص الخواص پر منکشف کیا ہے، اگرچہ اسے رویت تو نہیں کہہ سکتے پھر بھی رویت ہی کی طرح ہے، یہ دولت عظمیٰ ایسی ہے کہ صحابہ کرام ؓ کے زمانے کے بعد بہت کم اشخاص کو نصیب ہوئی ہے، گویا یہ بات آج کل بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے اور اکثر لوگ اس پر یقین نہیں کرتے لیکن میں اس نعمت عظمیٰ کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتا، خواہ کوتاہ اندیش لوگ اسے مانیں یا نہ مانیں، یہ نسبت اس خصوصیت سے انشاء اللہ آخری زمانے میں حضرت مہدی موعود ؓ میں ظاہر ہو گی، اس شخص پر سلامتی ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی اور جناب سرور کائنات ﷺ کی فرمانبرداری کی اور آنحضرت ﷺ کی متابعت کو لازم جانا۔

……﴿منہا: 10﴾……

طریق توبہ کی ابتدا:

جب کوئی طالب کسی شیخ کی خدمت میں حاضر ہو تو شیخ پہلے اس سے تین سے لے کر سات تک استخارہ کرائے اگر استخاروں کے بعد طالب میں کسی قسم کا تذبذب پیدا

نہ ہو تو اس کے کام کو شروع کرے، سب سے پہلے اسے توجہ کا طریقہ سکھلائے اور دو رکعت نماز توبہ پڑھنے کیلئے کہے، کیونکہ توبہ کیے بغیر اس راہ میں قدم رکھنا مفید نہیں پڑتا لیکن توبہ کے حصول میں مجمل پر ہی اکتفا کرے، یہ نہ کرے کہ طالب اسی وقت ہی توبہ نصوحی کرے بلکہ یہ کرے کہ طالب آہستہ آہستہ تمام بری باتوں سے توبہ کر سکے گا کیونکہ آج کل ہمتیں بالکل پست ہو گئیں ہیں، اگر پہلے ہی مفصل توبہ کی تکلیف دی جائے تو اس کیلئے عرصہ درکار ہے، ممکن ہے اس عرصہ میں طالب اس کام سے ہمت ہار جائے بلکہ توبہ ہی کو سرانجام نہ دے سکے جب توبہ مجملاً ہو چکے تو پھر طالب کی استعداد کے موافق خاص طریقہ کی تعلیم کرے اور جو ذکر اس کی قابلیت کے مناسب ہو تلقین کرے اور اس کے کام میں اپنی توجہ صرف کرے اور اس کے حال کو مدنظر رکھے اور راستے کے آداب وقواعد اور شرائط اسے بتادے، کتاب وسنت کی اور آثار سلف صالحین کی متابعت کی ترغیب دلائے اور اس کے ذہن نشین کر دے کہ اس متابعت کے بغیر مطلوب حاصل نہیں ہوتا اور اس کو جتلا دے کہ جو کشف وخواب کتاب وسنت سے بال بھر بھی اختلاف رکھتا ہو وہ قابل اعتبار نہیں بلکہ اس سے استغفار کرنی چاہئے اور اس بات کی نصیحت کرے کہ عقائد کو فرقہ ناجیہ یعنی اہل سنت وجماعت کی رائے کے موافق صحیح کرے اور اس بات کی تاکید کرے کہ وہ فقہ کے ضروری احکام دیکھ کر ان پر عمل کرے کیونکہ اس راہ میں بغیر ان دو بازوؤں یعنی اعتقاد اور علم کے اڑنا محال ہے، نیز اس بات کی سخت تاکید کرے کہ مشتبہ اور حرام لقمہ میں نہایت احتیاط سے کام لے جو کچھ یا جہاں سے مل جائے نہ کھائے، تاوقتیکہ اس کا کھانا شرعاً جائز نہ ہو، مختصر یہ کہ تمام کاموں میں اس آیت کریمہ کو

ملحوظ ومد نظر رکھے وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتھوا جو کچھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کرنے کیلئے فرمایا ہے اسے کرو اور جس سے منع فرمایا ہے اس سے باز آجاؤ، طالب دو حالتوں سے خالی نہیں، یا اہل کشف و کرامت ہے یا صاحب جہل و حیرت، لیکن جب پردے اٹھ جاتے ہیں اور منزلیں طے ہو جاتی ہیں تو اس وقت دونوں برابر ہوتے ہیں، یعنی پہنچ جانے میں یکساں ہوتے ہیں، مثلاً دو شخص دور دراز کی منزلیں طے کر کے جب کعبے پہنچ جائیں، ایک راہ میں ہر منزل پر نظارے دیکھتا آئے اور دوسرا آنکھوں پر ٹھیکری رکھ کر آئے تو دونوں شخص کعبہ پہنچنے میں برابر ہیں، کسی کو دوسرے پر فوقیت نہیں، گو راہ کے نظاروں کے لحاظ سے ان میں فرق ہے، مطلوب کے پاس پہنچ جانے کے بعد دونوں کیلئے جہل لازم ہے کیونکہ ذاتِ الٰہی کی معرفت یہی ہے کہ اس کی معرفت سے جہل و عجز کیا جائے۔

واضح رہے کہ سلوک کی منزلیں طے کرنے سے مراد دس مقامات کا طے کرنا ہے اور ان دس مقامات کا طے کرنا ان تین قسم کی تجلیات سے وابستہ ہے، یعنی تجلی افعال، تجلی صفات اور تجلی ذات، ان مقامات سے سوائے مقام رضا کے سب تجلی افعال اور تجلی صفات کے متعلق ہیں، مقام رضا تجلی ذات سے وابستہ ہے، نیز محبت ذاتیہ کے متعلق ہے جس میں محبّ کی یہ حالت ہوتی ہے کہ محبوب کی طرف سے خواہ اسے تکلیف ہو یا آرام دونوں کو برابر سمجھے، جب ایسی حالت ہو جاتی ہے تو فی الواقع رضا حاصل ہوتی ہے اور کراہت اٹھ جاتی ہے، اسی طرح باقی مقامات پر بدرجہ کمال پہنچنا بھی تجلی ذات کے وقت نصیب ہوتا ہے جس سے فنائے اتم وابستہ ہے لیکن

تو مقامات کا نفس حصول تجلی افعال اور تجلی صفات میں ہو جاتا ہے، مثلاً جب یہ دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر اور تمام اشیا پر قادر ہے تو بے اختیار توبہ کرتا ہے، ڈرتا ہے اور تقویٰ کو اپنی عادت بنا لیتا ہے، اس کی تقدیروں پر صبر کرنے لگتا ہے، بے طاقتی و بے صبری چھوڑ دیتا ہے اور کسی نعمت کا دینا یا روکنا اس سے یقین کرتا ہے، جب جانتا ہے کہ نعمتوں کا مولا وہی ہے اور چاہے دے چاہے نہ دے تو ناچار شکر گزار بنتا ہے اور توکل میں راسخ قدم ہو جاتا ہے، جب مہربانی اور نرمی متجلی ہوتی ہے تو مقام رضا آ جاتا ہے، جب اس کی عظمت اور کبریائی کا مشاہدہ کرتا ہے اور دنیائے دوں اس کی نگاہوں میں خوار و بے اعتبار دکھائی دینے لگتی ہے تو مجبوراً دنیا سے دل ہٹا لیتا ہے، فقر اختیار کرتا ہے اور زہد کو اپنا طریقہ بنا لیتا ہے، یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ مقامات مفصل و ترتیب وار صرف سالک مجذوب کو حاصل ہوتے ہیں، مجذوب سالک ان مقامات کو مجمل طور پر طے کرتا ہے کیونکہ عنایتِ الٰہی نے اسے ایسی محبت میں گرفتار کیا ہے کہ وہ بالتفصیل ان مقامات میں مشغول نہیں ہو سکتا، اسی محبت کے ضمن میں اسے ان مقامات کا وہ لب لباب اور ان منازل کا وہ خلاصہ پورا پورا حاصل ہو جاتا ہے جو صاحب تفصیل کو بھی نصیب نہیں ہوتا، والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

﴿منہا: 11﴾

اس طریقے میں بے حاصلی:

طالب کو چاہئے کہ اندرونی و بیرونی باطل معبودوں کی نفی کی کوشش کرے

اور معبود حقیقی کے اثبات کیلئے جو کچھ اس کے وہم وخیال میں آئے اسے بھی برطرف کردے، صرف اس کی موجودیت پر اکتفا کرے اگر چہ اس مکان میں وجود کی بھی گنجائش نہیں، اسے وجود کے علاوہ تلاش کرنا چاہئے، اہل سنت نے کیا خوب کہا ہے کہ واجب تعالیٰ کا وجود اس کی ذات اقدس پر زائد ہے، وجود کو عین ذات کہنا اور وجود کے سوائے کسی اور بات کا ثابت نہ کرنا نظر کی کوتاہی کی وجہ سے ہے، شیخ علاؤالدولہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عالم وجود کے اوپر ملک ودود کا عالم ہے، میں ﴿حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ﴾ عالم وجود سے اوپر گزرا تو کچھ عرصہ میں مغلوب الحال رہا اور اپنے آپ کو علم تقلید کی رو سے مسلم خیال کرتا رہا، مختصر یہ کہ جو کچھ ممکن کے حوصلہ میں آتا ہے وہ بدرجہ اولیٰ ممکن ہوتا ہے، وہ ذات پاک ہے جس نے اپنی طرف خلقت کی راہ سوائے اس کے اور کوئی نہیں بنائی کہ اس کی معرفت سے عاجزی ظاہر کی جائے اِس سے یہ خیال نہ کرنا اس فنا فی اللہ اور بقا باللہ سے ممکن واجب ہو جاتا ہے کیونکہ ایک تو ایسا ہونا محال ہے اور دوسرا اس سے قلب حقائق لازم آتا ہے، پس جب ممکن واجب نہیں ہو سکتا تو ممکن کو واجب تعالیٰ کے ادراک سے سوائے عجز کے اور کیا حاصل ہو سکتا ہے۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چین
کایں جا ہمیشہ باد بدست است دام را

بلند ہمت اشخاص اس طرح مطلب کو چاہتے ہیں کہ اس سے کچھ بھی ہاتھ نہیں آتا اور اس کا نام ونشان تک پیدا نہیں ہوتا، بعض ایسے ہیں کہ کسی خاص

مطلب کے متوالے ہوتے ہیں تو اسی کو اپنا عین پا کر اس سے قرب و معیت پیدا کرتے ہیں............ آن ایشانند من چنینم یارب

……﴿منھا: 12﴾……

خواجہ نقشبند کے فرمان کی تشریح:

حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر ایک شیخ کے آئینے کے دو رخ ہوتے ہیں لیکن میرے آئینے کے چھ رخ ہیں، اس میں کلام نہیں کہ آج تک اس بزرگ خانوادے کے کسی خلیفے نے اس کلمہ قدسیہ کی شرح بیان نہیں کی، بلکہ اشارتاً اور کنایتاً بھی اس بارے میں کوئی بات نہیں کی، مجھ حقیر و قلیل البضاعۃ کی کیا حیثیت کہ اس کی شرح کی جرأت کر سکے اور اس کے کشف کیلئے زبان کھولے لیکن چونکہ حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے اس معما کا بھید بھی منکشف فرمایا ہے اور کماحقہ اس کی حقیقت مجھ پر ظاہر فرمائی ہے، اس واسطے اس پوشیدہ بھید کو بیان کی انگلیوں سے رشتہ تحریر میں پروتا ہوں اور زبانِ ترجمان سے بھی تقریر میں لاتا ہوں، استخارہ کے بعد اور اللہ تعالیٰ سے غلطی سے بچنے اور توفیق کی دعا کر کے شروع کرتا ہوں، واضح رہے کہ آئینہ سے مراد عارف کا دل ہے جو روح اور نفس کے مابین برزخ ﴿وسیلہ﴾ ہے، آئینے کے دو رخوں سے مراد ایک رخ روح کا اور دوسرا رخ نفس کا لیا ہے، جس وقت مشائخ مقامِ قلب پر پہنچتے ہیں تو ان پر دونوں رخوں سے وہ علوم و معارف جو قلب کے مناسب ہوتے ہیں منکشف ہونے لگتے ہیں برخلاف

اس کے حضرت خواجہ نقشبند ؒ کے طریقہ میں بدایت ہی میں نہایت مندرج ہے، اس طریقہ میں آئینہ کے چھ رخ ہو جاتے ہیں، اس کی مفصل حقیقت یہ ہے کہ اس طریقہ عالیہ کے بزرگوں پر منکشف ہوا کہ جو کچھ تمام افراد انسانی میں ثابت ہے وہ چھ لطیفوں سے اکیلئے دل میں متحقق ہے، ان چھ طرفوں سے مراد نفس، قلب، روح، سر، خفی، اخفیٰ لئے ہیں، باقی تمام مشائخ کی سیر قلب کے ظاہر تک محدود ہے لیکن نقشبندی بزرگوں کی سیر قلب کے باطن تک بلکہ اس سیر کے ذریعے اس کے اندرونی سے اندرونی نقطے تک ہے اور انہیں ان چھ لطیفوں کے علوم و معارف مقام قلب میں منکشف ہوتے ہیں لیکن وہ علوم منکشف ہوتے ہیں جو مقام قلب کے مناسب ہیں' یہ ہے حضرت خواجہ نقشبند ؒ کے کلمہ قدسیہ کا بیان، مجھ حقیر کو ان بزرگوں کی برکت سے اور زیادہ تحقیق وتدقیق معلوم ہوئی، سو میں اس تحقیق وتدقیق میں سے کچھ اشارتاً اس آیۂ کریمہ کے بموجب، واما بنعمة ربك فحدث ، بیان کرتا ہوں، واضح رہے کہ قلبِ قلب میں بھی قلب کی طرح لطائف پائے جاتے ہیں لیکن قلبِ قلب میں یا دائرہ کی تنگی یا کسی اور بھید کی وجہ سے مذکورہ بالا چھ لطیفوں میں سے دو لطیفے بطریق جزو یعنی لطیفہ نفس اور لطیفہ اخفیٰ ظاہر نہیں ہوتے اور یہی حالت اس دل کی ہے جو تیسرے مرتبے میں ہو کیونکہ اس میں خفی بھی ظاہر نہیں ہوتا اور یہی حالت اس دل کی ہے جو چوتھے رتبہ میں ہو کیونکہ اس میں صرف قلب و روح کا ظہور ہوتا ہے، سر کا نہیں ہوتا، پانچویں مرتبے میں لطیفہ روح کا بھی ظہور نہیں ہوتا صرف قلب ہی قلب رہ جاتا ہے جو بسیط محض اور نا قابل اعتبار ہے، اس موقع

پر بعض معارف عالیہ کا معلوم کرنا ضروری ہے، تا کہ ان کے ذریعے واضح ہو جائے کہ نہایت النہایت اور غایت الغایت سے کیا مراد ہے، میں ان معارف کو بتوفیق الٰہی بیان کرتا ہوں، وہ یہ کہ جو کچھ عالم کبیر میں مفصل طور پر ظاہر کیا گیا ہے وہ عالم صغیر میں مجمل طور پر ظاہر ہوتا ہے، عالم صغیر کو صیقل کر کے منور کر لیا جاتا ہے تو اس میں آئینے کی طرح عالم کبیر کی تمام چیزیں مفصل دکھائی دینے لگتی ہیں کیونکہ صیقل اور منور کرنے سے اس کا احاطہ وسیع ہو جاتا ہے، اس وقت صغیر کا لفظ اس پر عائد نہیں ہوتا اور یہی حالت اس دل کی ہے جس کو عالم صغیر سے وہی نسبت ہے جو عالم صغیر کو عالم کبیر سے ہے، جب دل کو صیقل کیا جاتا ہے اور اس سے تاریکی دور ہو جاتی ہے تو اس میں بطریق آئینہ عالم صغیر کی تمام چیزیں مفصل دکھائی دینے لگتی ہیں اور یہی نسبت قلب القلب اور قلب میں ہوتی ہے جو قلب اور عالم صغیر میں ہوتی ہے، جب قلب القلب کا تصفیہ کر لیا جاتا ہے تو اس میں تمام چیزیں مفصل طور پر دکھائی دینے لگتی ہیں، علیٰ ہذا القیاس' دل تیسرے اور چوتھے اور پانچویں مرتبے میں بہ سبب صقالت و نورانیت سابقہ مراتب کی تمام چیزوں کو مفصلاً دکھلانے لگتا ہے، اس طرح جو دل پانچویں مرتبے میں بسیط محض اور ناقابل اعتبار ہوتا ہے، جب اسے پورے طور پر صیقل کیا جاتا ہے تو اس میں عالم کبیر، عالم صغیر اور اصغر اور بعد کے باقی تمام عوالم کی چیزیں مفصلاً دکھائی دینے لگتے ہیں، سو وہ تنگ لیکن سب سے فراخ اور بسیط سے بسیط ہے، نہایت چھوٹا لیکن سب سے بڑا ہے، اس وصف کی کوئی اور چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں کی، اس لطیفہ بدیعہ سے بڑھ کر کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے مناسبت

نہیں رکھتی، اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمایا ہے، لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المومن، میرے آسمان اور میری زمین میں میری گنجائش نہیں، میں صرف اپنے مومن بندے کے دل میں سما سکتا ہوں۔

عالم کبیر اگر چہ بلحاظ ظہور نہایت وسیع ہے اور اس کی کثرت و تفصیل کی وجہ سے اسے اس چیز کے ساتھ جس میں کثرت و تفصیل بالکل نہ ہو کوئی مناسبت نہیں، وہ تنگ لیکن بہت وسیع ہے اور بسیط الابسط ہے، بہت ہی تھوڑا ہے لیکن ساتھ ہی بہت ہی کثیر بھی ہے، جب وہ عارف جو بلحاظ معرفت مکمل اور از روئے شہود اکمل ہو اس مقام پر پہنچتا ہے جو عزیز الوجود اور شریف الرتبہ ہے تو وہ عارف تمام جہان اور اس کے ظہورات کیلئے بمنزلہ دل ہو جاتا ہے، تب اسے ولایتِ محمدیہ حاصل ہوتی ہے اور دعوتِ مصطفویہ سے مشرف ہوتا ہے، قطب، اوتاد اور ابدال سبھی اس کی ولایت کے دائرہ کے تحت داخل ہوتے ہیں اور ہر قسم کے اولیاء اللہ مثلاً افراد و آحاد سبھی اس کے انوارِ ہدایت کے تحت مندرج ہوتے ہیں، کیونکہ وہ جنابِ رسول خدا ﷺ کا نائب مناب اور حبیب الٰہی کی ہدایت سے ہدایت یافتہ ہوتا ہے، یہ عزیز الوجود اور شریف النسبۃ مرادوں میں سے کسی ایک سے مخصوص ہوتی ہے، مریدین کو یہ کمال نصیب نہیں ہوتا، یہ بڑی نہایت اور آخری غایت ہے، اس کے اوپر کوئی کمال نہیں اور اس سے عمدہ کوئی بخشش نہیں، خواہ اس قسم کا عارف ہزار سال بعد پایا جائے تو بھی غنیمت ہے، اس کی برکت مدت مدید اور عرصہ بعید تک جاری رہتی ہے، ایسے عارف کا کلام بمنزلہ دوا اور

اس کی نظر بمنزلہ شفا ہوتی ہے، اس آخری امت میں سے انشاء اللہ حضرت مہدی موعود رضی اللہ عنہ اس نسبت شریفہ پر پائے جائیں گے، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے، یہ دولت عظمیٰ سلوک و جذبہ کے دونوں راستے بالترتیب اور بالتفصیل طے کرنے سے وابستہ ہے، نیز فنائے اتم اور بقائے اکمل کو ایک ایک درجہ کر کے حاصل کرنے پر منحصر ہے، سو یہ باتیں جناب سرور کائنات ﷺ کی فرمانبرداری کے بغیر نصیب نہیں ہو سکتیں، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہمیں آنحضرت ﷺ کی فرمانبرداری و پیروی عنایت فرمائی، ہم اللہ تعالیٰ سے آنحضرت ﷺ کی متابعت کا کمال، اس پر ثابت قدم رہنا اور آنحضرت ﷺ کی شریعت کی استقامت مانگتے ہیں، آمین کہنے والے بندے پر اللہ تعالیٰ رحم کرے، یہ معارف پوشیدہ اسرار اور مخفی رموز سے ہیں، بڑے بڑے اولیا میں سے کسی نے بھی ان کا ذکر نہیں کیا اور بڑے بڑے اصفیا میں سے کسی نے بھی ان کی طرف اشارہ نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے اپنے اس بندے کو اپنے حبیب اکرم ﷺ کے صدقے ان اسرار سے مطلع فرما کر ان کے ظاہر کر دینے کا حکم فرمایا، کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

اگر بادشاہ بر در پیر زن
بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

اللہ تعالیٰ کی قبولیت کسی شے یا سبب پر منحصر نہیں، جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے حکم کرتا ہے، اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے مخصوص کرتا ہے اور اللہ

تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے، و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد و آلہٖ واصحابہٖ وسلم وبارك علیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین وعلیٰ الملئکۃ المقربین وعلیٰ عبادہ الصالحین والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

……﴿منھا:13﴾……

مقام روح اور کمال عروج:

روح بھی چونکہ عالم بیچونی سے ہے اس واسطے اس کیلئے بھی لامکان ہونا متحقق ہے، لیکن اس کی بیچونی بمقابلہ وجوبِ ذاتِ حق عین چون ہے اور اسکا لامکان ہونا حقیقی لامکان کی لامکانیت کے سامنے عین مکانیت ہے، گویا عالمِ ارواح اس عالم اور مرتبہ بیچونی کے مابین برزخ ہے، چونکہ روح میں دونوں رنگ پائے جاتے ہیں، اس واسطے عالم بیچون ﴿کی نسبت سے﴾ اسے بے چون جانتے ہیں لیکن اصلی بیچون کے مقابلہ میں عین چون ہے، یہ برزخ ہونے کی نسبت اسے اس کی اصلی فطرت کے اعتبار سے حاصل ہے لیکن جب اس ﴿روح﴾ کا تعلق اس کے ایک ہیکل اور قفس عنصری سے ہو جاتا ہے تو عام برزخیت سے نکل کر بالتمام عالم چون میں اتر آتا ہے، اس واسطے بیچونی کا رنگ اس سے نکل جاتا ہے، اس کی مثال ہاروت کی سی ہے جیسا کہ مفسرین نے بیان کیا ہے کہ ارواح ملائکہ بعض خاص مصلحت کیلئے بشریت کی پستی میں اترے ہیں، پس اگر عنایت الٰہی مدد کرے اور

اس سفر سے لوٹ کر اپنی اصلی جگہ جائے جو در حقیقت تنزل سے عروج ہے تو تاریک نفس اور بدن عنصری بھی اس کی متابعت سے ضرور عروج حاصل کریں گے اور منزلیں طے کرلیں گے، اس ضمن میں وہ مقصود بھی ظاہر ہو جائے گا جو روح کے تعلق اور اس کے نزول سے مطلوب تھا، نفس امارہ نفس مطمئنہ بن جائے گا اور ظلمانی نورانی سے بدل جائے گا، جب روح اس سفر کو ختم کر لیتا ہے اور نزول کے مقصود کو انجام تک پہنچا لیتا ہے تو اصلی برزخیت پر پہنچتا ہے اور نہایت بدایت کی طرف لوٹتے وقت حاصل کرتا ہے، چونکہ قلب بھی عالم ارواح سے ہے اس واسطے اسے بھی برزخیت میں وطن نصیب ہوتا ہے اور نفس مطمئنہ بھی جو عالم امر کا رنگ رکھتا ہے کیونکہ وہ قلب و بدن کے مابین برزخ ہے اس جگہ اقامت کرتا ہے اور بدن عنصری جو اربعہ عناصر کا بنا ہوا ہے عالم کون و مکان میں قرار پکڑتا ہے اور اطاعت و عبادت میں مشغول ہو جاتا ہے، بعد ازاں اگر سرکشی اور مخالفت واقع ہوتی ہے تو اسے عناصر کی طبیعتوں سے منسوب کیا جاتا ہے، مثلاً جزو ناری جو بالذات سرکش اور مخالفت طلب ہے ابلیس لعین کی طرح انا خیر منہ میں اس سے اچھا ہوں پکارے گا، نفس مطمئنہ سرکشی سے باز آچکا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے، سو جو ایک دوسرے سے راضی ہوں ان میں سرکشی کا خیال تک نہیں ہوتا، اگر سرکشی ہے بھی تو قالب سے، شاید جناب سرور کائنات ﷺ نے اس شیطانی سرکشی ﴿کے خلاف جہاد﴾ کو جہاد اکبر سے تعبیر فرمایا ہو کیونکہ اس کی پیدائش بھی جزو قالبی ہے اور یہ جو فرمایا، اسلم شیطانی، اس سے مراد ہے میرے شیطان نے اسلام

قبول کیا،[1] یا تو مراد شیطان آفاقی ہے جو آنحضرت ﷺ کا قرین ہے لیکن جہاد اکبر والی حدیث میں انفسی شیطان مراد ہے، اگرچہ ﴿سالک نے﴾ اس شیطان کی شان وشوکت کو بھی توڑا ہوا ہے اور وہ سرکشی سے باز آیا ہوا ہے لیکن پھر بھی جو شے کسی کی ذات میں داخل ہو اس سے جدا نہیں ہو سکتی، سیاہی از حبشی کے رود کہ خود رنگ است یا اس سے مراد انفسی شیطان ہے، اس کے اسلام قبول کرنے سے لازم نہیں آتا ہے کہ اس نے سرکشی بالکل ترک کر دی ہو، باوجود اسلام کے اگر عزیمت کو ترک کر کے رخصت کا مرتکب ہو تو جائز ہے اور اگر کوئی ایسا صغیرہ سرزد ہو جس میں نیکی نہ ہو تو بھی اس کی گنجائش ہے، بلکہ نیکوں کی نیکیاں مقربوں کے نزدیک برائی میں داخل ہیں، سبھی اسی قسم سے ہے، یہ سب سرکشی کی قسمیں ہیں، یہ سرکشی جو تھوڑی بہت اس میں باقی رہتی ہے وہ اس کی اصلاح وترقی کیلئے ہے کیونکہ ان امور کے حاصل ہو جانے کے بعد جن میں کمی کا انتہائی درجہ ترک کے حصول سے بہتر ہے ایسی ندامت، پشیمانی، توبہ اور استغفار ہاتھ آتی ہے جو بے نہایت ترقیوں کا موجب ہوتی ہے، جب بدن عنصری اپنی جائے قرار میں آ جاتا ہے تو لطائف ستہ کی جدائی اور ان کے عالم امر میں چلے جانے کے بعد اس جہان میں ان کا خلیفہ بلاشک وشبہ یہی بدن رہ جاتا ہے اور یہی ان سب کے کام کرتا ہے، بعد ازاں اگر الہام ہوتا ہے

---

[1] یہ حضور اکرم ﷺ کی شان تخصیص ہے کہ آپ کا شیطان ﴿قرین﴾ مسلمان ہو گیا اس لیے اس کے اثرات و تصرفات کا آپ ﷺ پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

تو گوشت کے اسی ٹکڑے کو جو حقیقت جامعہ قلبیہ کا خلیفہ ہے اور اس حدیث نبوی، من اخلص لله اربعين صباحاً ظهرت ينابيع الحكمة من قلبه علىٰ لسانه، جو شخص اخلاص سے چالیس دن اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے حکمت کے چشمے اس کے دل سے اس کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں، میں قلب سے مراد اللہ اعلم یہی گوشت کا ٹکڑا ہے، دوسری حدیثوں میں بھی یہی مراد مقرر ہے جیسا کہ جناب سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں، انه ليغان علىٰ قلبي، بے شک میرے دل پر پردہ[۲] کیا جاتا ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ پردہ اگر ڈھانپا ہوا ہے تو اس گوشت کے ٹکڑے پر نہ کہ حقیقت جامعہ پر کیونکہ وہ تو بالکل پردے سے بری ہے، دوسری حدیثوں میں دل کے پلٹنے کا ذکر آیا ہے، چنانچہ جناب سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں، قلب المومن بين اصبعين من اصابع الرحمن...... الخ مومن کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے مابین ہے نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے، قلب المومن كريشة فى ارض فلاه، مومن کا دل بیابان کے گھاس کی طرح ہے، نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے، اللهم ثبت قلبي علىٰ طاعتك، اے معبود

---

[۲] قلب پر غبار آنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ امت کے حال پر انتہائی شفقت و مہربانی سے پیش آنے کی وجہ سے ان کی کثافت کو اپنی طرف کھینچ لیتے جو غبار کی طرح نظر آتا تھا، جسے غین سے تعبیر فرمایا گیا، یہاں قلب سے مراد قلب القلب نہیں وہ تو ہمہ وقت لاہوتی جلووں میں محو رہتا ہے اور غبار سے محفوظ ہے، غین جس قلب پر آتا ہے اس سے مراد مضغہ گوشت ہے جو غم امت میں بے قرار ہوتا ہے۔

میرے دل کو اپنی اطاعت پر ثابت رکھنا، پلٹنا اور عدم اسی گوشت کے ٹکڑے کیلئے ہے کیونکہ حقیقت جامعہ ہر گز نہیں پلٹی، اس واسطے کہ وہ راسخ و مطمئن ہے، جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے دل کے واسطے اطمینان کی درخواست کی تو اس وقت آپ کی مراد اسی گوشت کے ٹکرے سے تھی نہ کہ کسی اور چیز سے کیونکہ آپ کا حقیقی دل تو بلاشک و شبہ مطمئن تھا بلکہ آپ کا نفس بھی آپ کے حقیقی قلب کی سیاست کی وجہ سے مطمئن تھا، عوارف المعارف کے مصنف ﴿شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ﴾ فرماتے ہیں کہ الہام اسی نفس مطمئنہ کی صفت ہے جو مقام قلب تک عروج کر گیا ہو بے شک تلون و تقلب نفس مطمئنہ کی صفات ہیں اور یہ قول جیسا کہ تم دیکھتے ہو مذکورہ بالا حدیثوں کے خلاف ہے، اگر شیخ کو ﴿اس وقت﴾ اس مقام ﴿نفس مطمئنہ﴾ سے اوپر عروج میسر ہوتا ہے تو حقیقت معاملہ کو جان لیتے اور میری دی ہوئی خبر کا صدق ظاہر ہو جاتا اور کشف والہام احادیث نبویہ سے مطابقت پیدا کر لیتے اور پھر یہ بھی تمہیں معلوم ہو گیا ہو گا کہ اسی گوشت کے ٹکڑے پر الہام ہوتے ہیں اور یہی خلیفہ ہے اور اسی کے احوال بدلتے رہتے ہیں، اگر میرا کہنا بالفرض ہٹ دھرم اور اصل حقیقت سے قاصر و جاہل لوگوں کو ناگوار گزرے تو حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے پاس کیا جواب ہے، خود جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، ان فی جسد بنی ادم لمضغة اذصلحت صلح الجسد کله و اذا فسدت فسد الجسد کله الاو ھی القلب، اس میں شک نہیں کہ بنی آدم کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ سنورا ہوا ہو تو سارا جسم سنورا ہوتا ہے

جب اس میں بگاڑ ہو تو تمام جسم میں بگاڑ ہوتا ہے اور وہ دل ہے ، آنحضرت ﷺ نے مبالغہ کے طور پر فرمایا ہے کہ دل وہ ہے اور سارے جسم کا سنورنا بگڑنا اسی کے سنورنے بگڑنے پر منحصر ہے، سو سنوار بگاڑ گوشت کے ٹکرے کے لیے ہے نہ کہ قلب حقیقی کیلئے خواہ نیابت اور خلافت کے طریق پر ہی ہو، واضح رہے کہ جب روح جسم سے 'موتو قبل ان تموتو 'مرنے سے پہلے مر جاؤ والی موت کے سبب جدا ہو جاتی ہے تو عارف کامل اپنی روح کو نہ جسم میں داخل اور نہ اس سے خارج، نہ ملی ہوئی اور نہ اس سے جدا پاتا ہے، اسے اتنا معلوم ہو جاتا ہے کہ روح اور جسم کا یہ تعلق اس واسطے ہے کہ جسم کی بھی اصلاح ہو جائے اور روح بھی اپنے اصلی کمال پر پہنچ جائے اور اس تعلق کا منشا یہی ہے کہ نیکی اور بہتری ہو جائے، اگر یہ تعلق نہ ہوتا تو جسم سارے کا سارا شریر اور ناقص رہ جاتا اور یہی حالت ہے واجب تعالیٰ کی روح وغیرہ کے ساتھ کہ ذاتِ حق نہ عالم میں داخل ہے اور نہ خارج ہے، نہ اس سے ملی ہوئی ہے اور نہ اس سے جدا ہے، اللہ تعالیٰ کا جہان کو پیدا کرنے، باقی رکھنے، کمالات کا فیض پہنچانے اور نعمت اور نیکیوں کے لئے مستعد بنانے کا تعلق ہے، اگر تم یہ کہو کہ علماء اہل حق نے روح کے بارے میں اس قسم کا کلام نہیں کیا بلکہ ایسا کرنے کو جائز ہی نہیں فرمایا اور آپ ہر چھوٹی بڑی بات میں ان کی موافقت کو لازم جانتے ہیں پھر آپکے اس طرح کلام کرنے کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ روح کی حقیقت جاننے والے عالم بہت کم ہیں، انہوں نے کمالات روح کے کشف کے متعلق مفصل کچھ نہیں لکھا، بلکہ مجمل طور پر لکھنے پر اس واسطے اکتفا کی ہے

کہ عوام الناس چونکہ اس کو اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے، ایسا نہ ہو کہ الٹا گمراہی میں پڑ جائیں، بیشک کمالات روحی کمالات وجوبی کی شبیہ اور صورت ہیں، ان میں ایک باریک فرق ہے، جسے صرف علمائے راسخ ہی جانتے ہیں، اس لئے انہوں نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ اس کی حقیقت کو مجمل بیان کیا جائے یا بالکل بیان نہ کیا جائے، لیکن وہ روح کے مذکورہ بالا کمالات کے منکر نہیں، میں نے جو روح کے بعض خواص منکشف کیے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے اللہ تعالی کی مدد و توفیق اور جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے کشف صریح اور علم صحیح حاصل ہے اور ساتھ ہی مجھ سے وہ شبہ دور کر دیا گیا ہے جو بیان کرنے سے روکتا ہے، اب غور وفکر کرو، یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ جس طرح جسم کو روح سے بے شمار فوائد حاصل ہوئے ہیں اسی طرح روح کو بھی جسم سے بڑے بڑے فوائد پہنچے ہیں، چنانچہ جسم ہی کی برکت سے اسے سننے، دیکھنے، بات کرنے، مجسم ہونے، مختلف افعال کرنے اور عالم اجہاد سے مناسب ہونے کی طاقت نصیب ہوئی، جب نفس مطمئنہ روحانیوں سے مل جاتا ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے تو عقل اس کے بجائے اس کا خلیفہ بن کر عالم اجساد میں بیٹھتی ہے اور اس کا نام عقل معاد ہو جاتا ہے، اس وقت اس کی تمام سوچ بچار صرف آخرت کیلئے محدود ہو جاتی ہے، دنیاوی زندگی کے اسباب کی طرف سے فارغ ہو جاتی ہے اور جو نور اسے عطا ہوا ہے اس کے سبب فراست کے لائق ہو جاتی ہے، یہ مرتبہ کمالات عقل کا انتہائی مرتبہ ہے، ناقص یہاں پر یہ اعتراض نہ کرے کہ کمالات عقل کا انتہائی مرتبہ نسیان معاش ومعاد میں متحقق ہونا چاہئے کیونکہ شروع

میں اسے سوائے حق سبحانہ وتعالیٰ کے اور کسی کا خیال و اندیشہ نہیں ہوتا وہ کیا دنیا کیا آخرت دونوں کی طرف سے فارغ ہوتی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نسیان و فراموشی اسے اثنائے راہ میں مرتبہ فنا فی اللہ پر پہنچ کر حاصل ہوئی اور یہ کمال اس سے بدرجہا متجاوز ہے، یہاں حصول جہل کے بعد رجوع علم ہے اور تحقق جمع کے بعد فرق کا لوٹ آنا ہے اور مرتبہ جمع کے کفر طریقت کے بعد اسلام حقیقی کا حاصل ہونا ہے، کوتاہ اندیش اور احمق فلسفیوں نے عقل کے چار مراتب ثابت کر کے انہیں پر اس کے کمالات کا انحصار رکھا ہے، یہ ان کی کمال نادانی ہے، عقل کی حقیقت اور اس کے کمالات کا اندازہ عقل و وہم سے نہیں ہوسکتا بلکہ اس مطلب کیلئے کشف صحیح اور الہام صریح درکار ہے جو انوار نبوت کی مشکوٰۃ سے مقتبس ہو، اگر یہ پوچھیں کہ مشائخ نے جو عقل کو روح کا ترجمان لکھا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ علوم و معارف جو روحانی تلقی کے باعث مبدءِ فیاض سے حاصل ہوتے ہیں انہیں قلب جو کہ عالم ارواح سے ہے، اخذ کرتا ہے، ان کا ترجمان عقل ہے کہ ان کو چھانٹ کر عالم خلق کے گرفتاروں کی سمجھ کے لائق بناتا ہے، کیونکہ اگر وہ ترجمانی نہ کرے تو ان کا سمجھنا مشکل بلکہ محال ہو جاتا ہے، چونکہ دل گوشت کا لوتھڑا قلبی حقیقت جامعہ کا خلیفہ ہے اس واسطے وہ اصل کی طرح ہو گیا ہے، اس کی تلقی بھی روحانی تلقی ہو گئی ہے، اس واسطے اسے ترجمان کی ضرورت ہوئی ہے، واضح رہے کہ عقل معاد پر ایک ایسا وقت بھی آتا ہے جو نفس مطمئنہ کی ہمسائیگی کے شوق کا باعث ہوتا ہے، یہاں تک کہ نفس مطمئنہ کو اس کے مقام تک پہنچاتا ہے اور جسم کو خالی

چھوڑتا ہے، اس وقت تعلق تذکر و تعقل بھی قلبی ٹکڑے میں قرار پکڑتا ہے 'ان فی ذلك لذكرى لمن كان له قلب' صاحب قلب کیلئے اس میں ذکر ہے، وہی قلب خود آپ ہی اپنا ترجمان ہو جاتا ہے، اس وقت عارف کو قالب سے پالا پڑتا ہے، ناری جزو جس کے وجود سے 'انا خير منه' میں اس سے اچھا ہوں کی آواز نکلتی تھی فرمانبردار ہونے لگتا ہے اور ہوتے ہوتے اسلام حقیقی کے شرف سے مشرف ہو جاتا ہے، تب ابلیسی جامہ اس سے اتار کر نفس مطمئنہ کے اصلی مقام میں پہنچاتے ہیں اور اس کا نائب مناب بنا دیتے ہیں، پس قالب میں قلب حقیقی کا خلیفہ یہی گوشت کا ٹکڑا ہے اور نفس مطمئنہ کا نائب مناب جزو ناری ہے۔

مصرعہ: 'زر شد مس وجود من از کیمیائے عشق'

جزو ہوائی روح سے مناسبت رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ سالک جب مقام ہوا تک عروج کر جاتا ہے تو اسی ہوا کو حقانیت کا عنوان جاننے لگتا ہے اور اسی میں گرفتار رہتا ہے، چنانچہ مقام روح میں بھی شہود ہاتھ آتا ہے اور اس میں گرفتار رہتا ہے، ایک شیخ نے فرمایا ہے کہ میں تیس سال روح کو خدا سمجھ کر اس کی پرستش کرتا رہا لیکن جب اس مقام سے مجھے عبور حاصل ہوا تو حق و باطل میں تمیز ہو گئی، یہ جزو ہوائی مقام روحی کی مناسبت کے سبب اس قالب میں روح کا قائم مقام ہوتا ہے اور بعض امور میں روح ہی کا کام دیتا ہے، جزو آبی حقیقت جامعہ قلبیہ سے مناسبت رکھتا ہے، اسی واسطے اس کا فیض تمام اشیاء کو پہنچتا ہے، 'وجعلنا من الماء كل شي حيي' ہم نے پانی سے تمام چیزوں کو زندہ کیا ہے، اس کی بازگشت بھی

یہی قلبی گوشت کا لوتھڑا ہے، جزو خاکی جو اس قالب کا جزو اعظم ہے اپنی ذات صفات کی آلودگی، کمینگی اور خست سے پاک ہوکر اس قالب میں غالب و حاکم بن جاتا ہے، قالب میں ہر طرح کا حکم اسی کو حاصل ہوتا ہے اور اسی کا رنگ اختیار کرتا ہے، یہ بات اسے خاک کی جامعیت تامہ کے سبب حاصل ہوتی ہے، تمام اجزائے قالب درحقیقت اسی کے اجزاء ہیں، یہی وجہ ہے کہ کرہ زمین تمام عناصر افلاک کا مرکز ہے اور کرہ زمین کا مرکز تمام جہان کا مرکز ہے، اسی وقت قالب کا معاملہ بھی انجام تک پہنچ جاتا ہے اور عروج ونزول کا انتہائی درجہ حاصل ہو جاتا ہے اور اعلیٰ درجہ کی تکمیل نصیب ہو جاتی ہے، یہ ہے وہ نہایت جو بدایت کی طرف رجوع رکھتی ہے، واضح رہے کہ روح مع اپنے توابع ومراتب کے گو بطریق عروج اپنی جائے قرار پر پہنچ چکی ہو لیکن چونکہ ابھی اسے قالب کی تربیت کرنا ہوتی ہے اس واسطے اس جہان کی طرف اس کیلئے متوجہ ہونا ضروری تھا، سو جب قالب کا معاملہ انجام تک پہنچ جاتا ہے تو روح معہ سر، خفی، اخفیٰ، قلب، نفس اور عقل جناب باری کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور اس قالب سے بالکل منہ پھیر لیتی ہے، اس وقت قالب بھی ہمہ تن مقام عبودیت کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، پس روح مع اپنے مراتب کے شہود وحضور کے مقام میں جگہ پکڑتی ہے اور غیر حق کی دید و دانش سے بالکل منہ پھیر لیتی ہے اور قالب سر بسر مقام اطاعت وبندگی میں راسخ ہو جاتا ہے، اس مقام کو ”فرق بعد الجمع“ وصال کے بعد جدائی کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی لذت کی توفیق عنایت کرتا ہے، مجھے اس مقام میں خاص قدم حاصل ہے اور اس خاص قدم سے مراد روح کا

مع اپنے مراتب کے عالم خلق کی طرف لوٹتا ہے تا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف بلائے، اس وقت روح بمنزلہ قالب ہوتی ہے اور اس کی تابع ہوتی ہے، یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ اگر قالب حاضر ہے تو روح بھی حاضر ہے، اگر قالب غافل ہے تو روح بھی غافل ہے مگر نماز کے وقت خواہ قالب غافل ہی ہو روح مع اپنے مراتب کے بارگاہ قدس کی طرف متوجہ ہوتی ہے، اس واسطے نماز مومن کی معراج ہے، واضح رہے کہ یہ رجوع واصل جو بالتمام واقع ہوتا ہے دعوت کا سب سے کامل مقام ہے، یہ غفلت جمع کثیر کے حضور کا سبب ہے، غافلوں کو اس غفلت کی خبر نہیں اور حاضروں کو اس رجعت کا علم نہیں، یہ مقام بظاہر برا لیکن بباطن اچھا ہے، ہر ایک کوتاہ اندیش اسے نہیں سمجھ سکتا، اگر میں اس غفلت کے کمالات بیان کروں تو کوئی شخص بھی حضور کی آرزو نہ کرے، یہ غفلت ہے جس نے خواص بشر کو خواص ملک پر فضیلت دی، یہ غفلت ہے جس کے سبب جناب سرور کائنات ﷺ رحمت عالمیان بنے، یہ وہ غفلت ہے جو ولایت سے نبوت تک پہنچاتی ہے، یہ وہ غفلت ہے جو نبوت سے رسالت تک لے جاتی ہے، یہ وہ غفلت ہے جو اولیائے عشرت کو اولیائے عزلت پر زیادتی بخشتی ہے، یہ وہ غفلت ہے جو جناب سرور کائنات ﷺ کو صدیق اکبر ؓ پر سبقت دیتی ہے، یہ وہ غفلت ہے جو ہوش کو مستی پر ترجیح دیتی ہے، یہ وہ غفلت ہے جو نبوت کو ولایت سے افضل بناتی ہے، یہ وہ غفلت ہے جس کے سبب قطب ارشاد قطب ابدال سے افضل سمجھا جاتا ہے، یہ وہ غفلت ہے جس کی آرزو صدیق اکبر ؓ کیا کرتے تھے، چنانچہ فرماتے

ہیں 'یالیتنی سھو محمدٍ' کاش محمد مصطفیٰ ﷺ جیسا سھو مجھے نصیب ہوتا، یہ وہ غفلت ہے کہ حضور اسکا ایک ادنیٰ خادم ہے، یہ وہ غفلت ہے کہ وصول اس کے حصول کا پیش خیمہ ہے، یہ وہ غفلت ہے کہ بظاہر تنزل ہے لیکن حقیقت میں عروج ہے، یہ وہ غفلت ہے جس سے خواص پر عوام کا شبہ پڑتا ہے اور وہ ان کے کمالات کے قبوں میں پھرتی ہے......... اگر بگویم شرح این بیحد شود......... یہ مشتے نمونہ از خروارے اور سمندر سے قطرہ کیمطابق لکھا گیا ہے، والسلام علٰی من اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ، وعلیٰ الہ من الصلوات و التسلیمات اتمھا واکملھا.

......﴿منھا: 14﴾......

حضور پیغمبر اعظم ﷺ کا امتیاز خاص:

حضرت ختم المرسلین ﷺ تمام انبیا کرام علیہم السلام میں تجلی ذاتی سے ممتاز ہیں اور اس دولت سے جو تمام کمالات سے بڑھ کر ہے مخصوص ہیں، آنحضرت ﷺ کے کامل تابعین کو بھی اس خاص مقام سے مفاد حاصل ہوتا ہے لیکن یاد رکھنا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ امت محمدی کے کامل باقی تمام انبیاء سے افضل ہیں، یہ اہل سنت وجماعت کے اعتقاد کے سراسر خلاف ہے، یہ فضیلت جزئی نہیں کہ اس سے شبہ رفع ہو سکے بلکہ کلی ہے کیونکہ مردان خدا کو بسبب قرب الٰہی فضیلت حاصل ہوتی ہے اور جو فضیلت بھی ہے اس فضیلت سے کم ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کہنے سے کہ

اس امت کے کامل آدمیوں کو اس فضیلت سے نصیبہ حاصل ہے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اس مقام کے واصل ہیں کیونکہ نصیبہ حاصل ہونے اور واصل ہونے میں بڑا فرق ہے، فضیلت واصل ہونے پر حاصل ہوتی ہے، اس امت کے کاملوں کا انتہائی عروج اقدام انبیاء علیہم السلام کے نیچے تک ہے، چنانچہ امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو انبیاء کے بعد تمام بنی نوع انسان سے افضل ہیں کا انتہائی عروج قدم نبی کے تلے تک ہے، جو تمام انبیاء سے ادنیٰ ہے، آمد برسر مطلب، اس امت کے کامل تابعین کو مقام تحت میں پیغمبروں کے مخصوصہ مقام فوق الفوق کے کمالات سے نصیبہ حاصل ہوتا ہے، خادم خواہ کہیں ہو اسے مخدوم کا پس خوردہ پہنچ رہتا ہے، دور کا خادم مخدوم کے طفیل سے وہ چیز حاصل کرسکتا ہے جو خدمت کی دولت کے بغیر نزدیکوں کے بھی ہاتھ نہیں آتی ؎

در قافلہ کہ اوست دانم نرسم
ایں بس کہ رسد ز دور بانگ جرسم

واضح رہے کہ کبھی مریدوں کو اپنے پیروں کے حق میں وہم پیدا ہوتا ہے، چنانچہ جب وہ پیروں کے مقامات حاصل کر لیتے ہیں تو خیال کرنے لگتے ہیں کہ ہم اور ہمارے پیر برابر ہیں لیکن معاملہ کی اصل حقیقت وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی ہے، برابری اسی واسطے ہوئی جب ان مقامات پر پہنچ جائیں نہ کہ حاصل ہو جائیں کیونکہ حصول طفیلی ہے اس سے یہ بھی خیال کرنا چاہئے کہ مرید اپنے پیر کے مساوی نہیں ہوتا ہے، ایسا نہیں ہوتا بلکہ مساوی ہونا جائز ہے اور ایسا ہوا ہے لیکن کسی خاص مقام

کے حصول اور اس کے وصول میں بڑا باریک فرق ہے ہر مرید کو یہ دولت نصیب نہیں ہوتی، اس فرق کو معلوم کرنے کیلئے کشف صحیح اور الہام صریح درکار ہے، واللہ سبحانہ الملھم بالصواب والسلام علٰی من اتبع الھدیٰ۔

...... {منھا: 15} ......

راہ سلوک میں پیش آنے والے حالات:

ایک درویش نے پوچھا، اس کا کیا سبب ہے کہ سالک طریقت پر ایسی حالت بھی آتی ہے کہ عرصہ نہ آگے بڑھتا ہے نہ پیچھے ہٹتا ہے، بعدازاں پوشیدہ ہو جاتا ہے، مدت بعد پھر وہی حالت ظاہر ہوتی ہے، پھر عرصے بعد پوشیدہ ہو جاتا ہے اور جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے ایسا ہی ہوتا رہتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ آدمی میں سات لطیفے ہیں، ہر ایک لطیفے کی مدت سلطنت جدا جدا ہے، پس اگر کوئی قوی حالت ان میں سے نہایت لطیف پر نزول فرمائے تو سالک کی کلیت اس لطیفے کے رنگ میں رنگی جاتی ہے اور وہ حال تمام لطائف میں سرایت کر جاتا ہے اور جتنی اس لطیفے کی مدت سلطنت مقرر ہوتی ہے اتنا عرصہ وہ حالت قائم رہتی ہے، جب وہ عرصہ گزر جاتا ہے تو وہ حالت بھی زائل ہو جاتی ہے، مدت بعد اگر پھر وہی حالت طاری ہو جائے تو دو حال سے خالی نہیں، یا پھر اسی پہلے لطیفے پر لوٹ آتا ہے، اس وقت راہ ترقی سالک کیلئے مسدود ہو جاتی ہے، یا دوسرے لطیفے پر وارد ہو تو اس صورت میں ترقی کی راہ کھل جاتی ہے اور دوسرے لطیفے میں بھی پہلے لطیفے کی سی

حالت طاری ہوتی ہے، پھر اس حالت کے زائل ہونے کے بعد اگر وہی حالت طاری ہو تو مذکورہ بالا دو حالتوں سے خالی نہیں، اسی طرح سارے لطائف میں یہ حالت ہوتی ہے، پس اگر وہ وارد تمام لطائف میں بطریق اصالت سرایت کرے تو ایک مقام سے دوسرے میں منتقل ہوتا ہے اور زوال سے محفوظ رہتا ہے، اللہ تعالیٰ حقیقت حال کو اچھی طرح جانتا ہے، والسلام علیٰ سید البشر والہ الا طھر۔

……﴿منھا: 16﴾……

آیت قرآنی کی تعبیر لطیف:

'قال اللہ تعالیٰ: یاایھاالذین امنوا کلوا من طیبات مارزقنکم واشکروا اللہ ان کنتم ایاہ تعبدون' اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمہارا رزق مقرر کیا اس میں سے پاکیزہ کھاؤ اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاؤ، اگر تم اسی کی پرستش کرتے ہو، ممکن ہے کہ یہ کھانے کے حکم کی قید 'من طیبات مارزقنا کم' یعنی لذیذ چیزیں کھاؤ جو ہم نے تمہارے لئے بطور رزق مقرر کی ہیں، بشرطیکہ تم بذریعہ عبادت اسے مخصوص اور درست کرلو، اگر تم اسے درست نہ کرو بلکہ لہوولعب میں مشغول ہو تو ملذذ اشیاء کا استعمال نہ کرو کیونکہ تم مرض باطنی میں مبتلا ہو اور ملذذ اشیاء تمہارے لئے زہر قاتل ہیں، جب تم سے باطنی مرض زائل ہو جائے تو پھر تمہارے لئے ملذذ اشیاء کا استعمال درست ہو سکتا ہے، صاحب کشاف نے لکھا ہے کہ طلب شکر کو ملحوظ رکھتے ہوئے طیبات سے مراد لذیذ اشیاء ہیں۔

﴿منها: 17﴾

مشائخ کے ایک قول کی تشریح:

بعض مشائخ رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا ہے 'من عرف اللہ لایضرہ ذنب' جو شخص اللہ تعالیٰ کو پہچان لیتا ہے اسے گناہ نقصان نہیں پہنچا سکتا، یعنی وہ گناہ جو خدا شناسی حاصل ہونے سے پہلے سرزد ہوئے تھے کیونکہ اسلام تمام ان باتوں کو قطع کر دیتا ہے جو اس سے پہلے ظہور میں آئی ہوں، اسلام کی حقیقت سے مراد صوفیا کے طریقے کے موافق فنا و بقا حاصل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی شناخت کا حاصل ہونا ہے، سو ایسی خدا شناسی ان تمام گناہوں کو جو اس سے پہلے سرزد ہوئے ہیں، زائل کر دیتی ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں گناہ سے مراد وہ گناہ ہوں جو اس معرفت کے بعد سرزد ہوئے ہوں اور ان سے مراد گناہ صغیرہ ہوں کیونکہ اولیاء اللہ کبیرہ گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں، صغیرہ گناہ اس واسطے نقصان نہیں دے سکتے کہ انہیں چھپایا ﴿جاتا ہے﴾ اور جس وقت کوئی صغیرہ ظہور میں آتا ہے اسی وقت توبہ و استغفار سے اس کا تدارک کیا جاتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کے یہ معنی ہوں کہ خدا شناسی کے بعد اس سے کوئی گناہ سرزد ہی نہیں ہوتا کیونکہ جب گناہ صادر ہی نہ ہوگا تو نقصان کیونکر پہنچے گا، یوں سمجھو کہ لازم کا ذکر کر کے ملزوم مراد لیا ہے، ملحدوں نے اس عبارت کے جو یہ معنی نکالے ہیں کہ عارف کیلئے گناہوں کا ارتکاب وسیع ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اسے نقصان نہیں پہنچا سکتے یہ محض باطل اور صریح بے دینی ہے، یہ لوگ شیطانی گروہ ہیں، سنو

شیطانی گروہ ہمیشہ نقصان اٹھاتے ہیں، اے پروردگار ہدایت عطا کرنے کے بعد ہمارے دلوں کو معرفت عنایت فرما اور اپنی طرف سے رحمت عطا کر واقعی تو بہت بخشنے والا ہے صلی الله تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد واله وسلم و بارك وسیع مغفرت والے کریم اللہ تعالیٰ سے امید کرتے ہیں کہ حقیقت اسلام سے واقف عارف کو خداشناسی حاصل ہونے سے پہلے کے گناہ نقصان و تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے خواہ گناہ مظالم و حقوق العباد کے متعلق ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ مالک علی الاطلاق ہے اور بندوں کے دل اس کی دو انگلیوں کے مابین ہیں جس طرح چاہتا ہے انہیں الٹتا پلٹتا ہے، ظاہر ہے کہ مطلق اسلام سے مظالم و حقوق العباد کے سوا باقی گناہ منقطع ہو جاتے ہیں کسی چیز کی حقیقت اور اس کی کمالیت کیلئے زیادتی ہوتی ہے نہ کہ اس کے مطلق کیلئے۔

......منها: 18......

وجود باری کے متعلق معرفت خاص:

حق سبحانہ و تعالیٰ اپنی ذات سے موجود ہے نہ کہ وجود سے، اس کے برخلاف تمام موجودات وجود سے موجود ہیں، پس اللہ تعالیٰ کے موجود ہونے کیلئے وجود کا ہونا لازم نہیں، اگر حق سبحانہ و تعالیٰ اپنی موجودیت کیلئے وجود کا محتاج ہوتا تو ہمیں وجود کی عینیت کا قائل ہونا پڑتا اور اس کے ثبوت کیلئے بڑی لمبی چوڑی دلیلیں دینی پڑتیں اور ایسا کرنے میں ہم جمہور اہل سنت و جماعت کی مخالفت کرتے،

کیونکہ یہ بزرگ عینیت وجود کے قائل نہیں بلکہ وجود کو زائد خیال کرتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ وجود کی زیادتی سے واجب الوجود کو غیر کی احتیاج لازم آتی ہے، اگر زائد وجود سے واجب تعالیٰ کو موجود کہیں اور خواہ بذات خود موجود کہیں اور اس وجود کو عرض عام فرض کریں تو بھی اہل حق جمہور متکلمین کی بات درست ہوتی ہے اور احتیاج کا اعتراض جو مخالف لوگ کرتے ہیں بالکل دور ہو جاتا ہے، واجب تعالیٰ کو اپنی ذات سے موجود رکھنے اور اس میں وجود کو بالکل دخل نہ دینے میں اور اس وجود کو عین ذات ثابت کرنے میں بڑا واضح فرق ہے، یہ معرفت وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے مجھے مخصوص فرمایا، اس بات کیلئے اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ۔

منہا: 19

اس مسئلہ کی مزید توضیح:

حضرت واجب الوجود کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ وہ اپنی ذات سے موجود ہے اور اس موجودیت میں وجود کا مطلق محتاج نہیں خواہ وجود کو عین ذات فرض کریں، خواہ ذات پر زائد، برابر ہے، دونوں طرح ہی عینیت اور زیادتی خطرناک لازم آتی ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ کی عادت یونہی جاری ہے کہ جو چیز مرتبہ وجوب میں ہے اس کا نمونہ ہر مرتبہ امکان میں ظاہر کرتا ہے، خواہ وہ کسی کو معلوم ہو یا نہ ہو، اسی طرح اس خاصہ کا نمونہ عالم امکان میں وجود کو بنایا ہے کیونکہ وجود گو موجود نہیں لیکن تاہم معقولات ثانویہ سے ضرور ہے لیکن اگر ہم اس کے وجود کو فرض کر بھی

لیں تو بھی وہ اپنی ذات سے موجود ہوگا نہ کہ کسی اور وجود سے، جیسا کہ عام طور پر مخلوق ہے، یعنی عام مخلوق موجودیت کیلئے وجود کی محتاج ہے کیونکہ مخلوق کی موجودیت کیلئے اس کی ذات ہی کافی نہیں بلکہ وجود کی ضرورت پڑتی ہے پس جبکہ ایسا وجود جسے چیزوں کی موجودیت میں مدخل بنایا ہے اگر وہ موجود ہوگا تو اپنی ذات سے موجود ہوگا اور کسی اور وجود کا محتاج نہ ہوگا تو کیا تعجب ہے کہ موجودات کا خالق مستقل طور پر اپنی ذات سے موجود ہو اور وجود کا بالکل محتاج نہ ہو، دور افتادوں کا اس بات کو بعید از عقل خیال کرنا خارج از بحث ہے، سو اللہ تعالیٰ ملہم بالصواب ہے، اگر کوئی یہ کہے کہ امام ابوالحسن اشعری کے پیرو حکما اور بعض صوفی ذات الٰہی کیلئے عینیت وجود کے قائل نہیں ان کی مراد بھی وہی ہے جو آپ نے بیان فرمائی ہے کہ واجب الوجود اپنی ذات سے موجود ہے نہ کہ وجود سے تو اس کا جواب میں دوں گا کہ اس لحاظ سے تو وہ اہلسنت سے متفق الرائے ہیں کیونکہ اگر مخالف ہوتے تو اہل حق یہ کہتے کہ حق تعالیٰ وجود سے موجود ہے نہ کہ ذات سے، اس پہلو سے تو زیادتی وجود کا اثبات زائد ہے، پس زیادتی وجود کا اثبات اس پر دلالت کرتا ہے کہ دونوں فریق نفس وجود کے بارے میں مختلف الرائے ہیں مگر ان کا اختلاف رائے ہے تو حق تعالیٰ کے وصف کے بارے میں ہے جو عینیت وزیادتی ہے، یعنی دونوں فریق اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ وجود سے موجود ہے، صرف اختلاف ہے تو عینیت وزیادتی کا ہے، اگر یہ نہیں کہ جب واجب الوجود اپنی ذات سے موجود ہے تو پھر واجب تعالیٰ کو موجود کہنے کے کیا معنی، موجود اسی کو کہتے ہیں جس کے ساتھ

وجود قائم ہو اور یہاں وجود ہر گز نہیں، جواب یہ ہے کہ واقعی وہ وجود جس سے ذات حق موجود ہو واجب تعالیٰ میں مفقود ہے لیکن جو وجود بطور عرض عام ذات حق کیلئے کہا جاتا ہے اور بطریق اشتقاق گمان کیا جاتا ہے اگر اس کے قیام کے لحاظ سے واجب الوجود کو موجود کہیں تو اس میں گنجائش ہے اور اس سے کسی قسم کا استحالہ لازم نہیں آتا، والسلام۔

منہا: 20

خدا تخیل و تصوُّر سے ماورا ہے:

ہم ایسے خدا کی ہر گز پرستش نہیں کرتے جو شہود کے احاطہ میں آجائے، دکھائی دے، معلوم ہو جائے، اور وہم و خیال میں سما سکے کیونکہ ظاہر ہونے والا، دکھائی دینے والا، معلوم ہو جانے والا، وہم و قیاس اور خیال میں آنے والا دیکھنے والے اور جاننے والے اور وہم و خیال کرنے والے کی طرح مخلوق و محدث ہوتا ہے............ آں لقمہ کہ در دہاں نگنجد طلبم ﴿میں وہ لقمہ طلب کر رہا ہوں جو منہ میں نہ سما سکے﴾ سیر و سلوک کی اصلی غرض پردوں کا چاک کرنا ہے، خواہ وہ حجابِ وجوبی ہوں یا امکانی حتیٰ کہ بلا پردہ وصل میسر ہو جائے نہ یہ کہ مطلوب کو قید میں لا کر شکار کریں۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں
کایں جا ہمیشہ باد بدست است دام را

باقی رہا کہ آخرت میں دیدار حق ہو گا سو اس پر ہمارا ایمان ہے لیکن ہم اس

کی کیفیت اس واسطے بیان نہیں کرتے کہ عوام الناس اسے نہیں سمجھ سکتے، خواص اسے سمجھ سکتے ہیں کیونکہ انہیں اس مقام سے دنیا میں بھی کچھ نصیب ہوتا ہے گو اسے دیدار نہ ہی کہا جائے، والسلام علیٰ من تبع الھدیٰ۔

﴿منھا: 21﴾

اس مطلب کی مزید توضیح:

جو چیز دید و دانش میں آ سکتی ہے وہ مقید ہے اور اطلاق کے معیار سے گری ہوئی ہے لیکن مطلوب وہ ہے جو تمام قیود سے منزہ اور مبرا ہو، بس اسے دید و دانش کے علاوہ ڈھونڈنا چاہئے، یہ معاملہ نظر عقل کے طور سے پرے ہے کیونکہ عقل دید و دانش کے پرے ڈھونڈنا محال جانتی ہے ؎

راز درون پردہ زرندان مست پرس
کیں حال نیست صوفیِ عالی مقام را

﴿منھا: 22﴾

صرافتِ مطلق کا بیان:

مطلق اپنے اطلاق کے معیار پر ہے، کسی قسم کی قید کا اس میں دخل نہیں لیکن چونکہ مقید کے آئینے میں ظاہر ہوتا ہے اس واسطے اس کا عکس اس آئینے کے موافق رنگا جاتا ہے اور مقید و محدود دکھائی دیتا ہے، اس واسطے وہ دید و دانش میں آتا ہے اگر ہم دید و دانش پر اکتفا کریں تو گویا ہم اس مطلوب کے ایک عکس پر اکتفا

کرتے ہیں، بلند اشخاص اخروٹ اور منقے سے سیر نہیں ہوتے، اللہ تعالیٰ عالی ہمت آدمیوں سے پیار کرتا ہے، اے پروردگار! ہمیں بھی جناب سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے عالی ہمت بنا۔

……﴿منہا: 23﴾……

انسان افضل ہے یا فرشتہ؟

شروع حال میں ایک روز میں کیا دیکھتا ہوں کہ میں ایک مکان میں طواف کر رہا ہوں اور کچھ اور لوگ بھی میرے ساتھ اس طواف میں شریک ہیں لیکن وہ اس قدر سست رو ہیں کہ جتنے عرصہ میں، میں ایک دفعہ طواف کرتا ہوں وہ صرف دو تین قدم اٹھاتے ہیں، اسی اثنا میں معلوم ہوا کہ یہ مکان فوق العرش ہے اور باقی کے طواف کرنے والے ملائکہ کرام ہیں، صلی اللہ علیٰ نبینا وعلیهم اجمعین، اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے مخصوص کرتا ہے، واقعی اللہ تعالیٰ صاحبِ فضل عظیم ہے۔

……﴿منہا: 24﴾……

عوام کے ساتھ اولیا کی ہم رنگی کی حقیقت:

اولیاء اللہ کے حجاب ﴿پردے﴾ ان کی بشری صفات ہیں جن چیزوں کی باقی تمام لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے، ان بزرگوں کو بھی ہوتی ہے، ان کا ولی ہونا انہیں احتیاج سے بری نہیں کر سکتا، ان کی ناراضگی بھی عام آدمیوں کی ناراضگی کی طرح ہوتی ہے اور تو اور خود جناب سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں'

اغضب کما یغضب البشر ' میں بھی عام انسانوں کی طرح ناراض ہوتا ہوں ، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کیفیت ہے تو اولیاء اللہ کیونکر اس سے بری ہو سکتے ہیں، کھانے پینے اور اہل وعیال سے زندگی بسر کرنے اور ان سے انس کرنے میں اولیاء اللہ اور باقی آدمی شریک ہیں ، مختلف تعلقات جو لازمہ بشریت ہیں خواص وعوام سے زائل نہیں ہو سکتے ، اللہ تعالیٰ جل شانہ نے انبیا کرام علیہم السلام کے حق میں فرمایا ہے 'وما جعلنا هم جسداً لا یاکلون الطعام ' ہم نے ان کے جسم بھی کھانا کھانے والے بنائے ہیں، ظاہر میں کفار کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، پس جس کی نگاہ اولیاء اللہ کے صرف ظاہر پر پڑتی ہے وہ نعمت الٰہی سے محروم رہتا ہے اور دنیا وآخرت کا نقصان اٹھاتا ہے، اسی ظاہر بینی نے ابوجہل اور ابولہب کو دولتِ اسلام سے محروم رکھا اور ابدی نقصان میں ڈالا، باسعادت وہی شخص ہے جو اہل رتبہ کے ظاہر کا چنداں خیال نہیں کرتا بلکہ اس کی نظر کی تیزی ان بزرگوں کے باطنی اوصاف تک پہنچتی ہے اور صرف ان کے باطن کو ہی دیکھتا ہے، اولیاء اللہ دریائے نیل کی طرح ہیں کہ مجوبوں کیلئے بلا اور محبوبوں کیلئے پانی ہیں ، یہ عجیب معاملہ ہے کہ جس قدر صفاتِ بشریت کا ظہور اہل اللہ میں ہوتا ہے باقی آدمیوں میں نہیں ہوتا ، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہموار اور مصفا مقام پر میل کچیل اور تاریکی خواہ تھوڑی بھی ہو تو بھی زیادہ ظاہر ہوتی ہے اور ناہموار اور غیر مصفا مقام پر میل کچیل اور تاریکی خواہ زیادہ

ہی ہو کم دکھائی دیتی ہے، صفات بشریت کی تاریکی عوام الناس کے قلب و قالب اور روح ونفس میں سرایت کرتی ہے لیکن خواص میں صرف قالب اور نفس تک محدود رہتی ہے اور خواص الخاص میں نفس بھی اس تاریکی سے بری ہوتا ہے صرف قالب تک محدود رہتی ہے، نیز یہ تاریکی عوام الناس کیلئے باعث نقصان وخسارہ ہے خواص میں موجب کمال وتروتازگی ہے، خواص ہی کی تاریکی عوام الناس کی تاریکیوں کو زائل کرتی ہے، ان کے دلوں کو صاف اور ان کے نفوس کو پاک کرتی ہے، اگر یہ تاریکی نہ ہوتی تو خواص کو عوام سے کوئی مناسبت نہ ہوتی اور فائدہ اٹھانے اور پہنچانے کی راہ بند ہو جاتی، یہ تاریکی خواص میں اتنا عرصہ نہیں رہتی کہ انہیں میلا کردے بلکہ اس کے بعد جو ندامت واستغفار ہاتھ آتی ہے وہ کئی کدورتوں اور تاریکیوں کو زائل کرتی ہے اور ترقی دیتی ہے، یہی تاریکی ہے جو فرشتوں میں نہ ہونے کے باعث وہ ترقی نہیں کر سکتے، اس تاریکی پر لفظ تاریکی کا اطلاق ایسا ہے جو بظاہر باعث مذمت ہے لیکن بحقیقت موجب مدح ہے، عوام الناس جو ڈھورڈنگروں کی طرح ہیں، وہ اہل اللہ کی صفات بشری کو اپنی صفات بشریت کی طرح خیال کرتے ہیں، اس واسطے محروم وخوار رہتے ہیں، یوں سمجھو کہ وہ غائب کو باطل موجود پر قیاس کرتے ہیں لیکن یاد رکھو ہر مقام کی خصوصیتیں علیحدہ ہوتی ہیں اور ہر محل کے لوازمات جدا، والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ والتزم متابعة المصطفیٰ علیه، وعلیٰ اله الصلوٰت والتسلیمات.

……﴾منہا:25﴿……

علومِ امکانی اور معارفِ وجُوبی:

جب تک انسان علم و دانش میں گرفتار ہے اور ماسوا اللہ کے نقوش سے منقش ہے تب تک خوار و بے اعتبار ہے، ماسوا اللہ کو بھلا دینا راہ سلوک کی شرط ہے اور ماعدا کا فنا کر دینا قدم پیش گاہ ہے، جب تک باطنی آئینہ امکان کے زنگار سے صاف نہ ہو جائے حضرت وجوب کا ظہور محال ہے، کیونکہ علوم امکانی اور معارف وجوبی کا جمع ہونا گویا جمع اضداد ہے، یہاں پر ایک زبردست سوال پیدا ہوتا ہے، وہ یہ کہ جب عارف کو بقا سے مشرف کر کے ناقصوں کی تعلیم کیلئے واپس لوٹاتے ہیں تو جو علوم زائل ہو گئے تھے وہ پھر عود کر آتے ہیں تو اس صورت میں علوم امکانی اور معارف وجوبی باہم جمع ہو جاتے ہیں، حالانکہ یہ ضدیں ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ عارف باقی باللہ اس وقت برزخ ہوتا ہے، گویا وجوب اور امکان کے مابین وسیلہ ہے اور دونوں مقام کے رنگ سے رنگا ہوا ہوتا ہے گو ایسی صورت میں اگر دونوں مقاموں کے علوم و معارف جمع ہو جائیں تو کوئی مشکل نہیں کیونکہ ضدین کے اجتماع کا مقام ایک نہیں رہتا بلکہ کئی مقام ہو جاتے ہیں، سو دونوں جمع نہیں کہلا سکتے۔

……﴾منہا:26﴿……

علمِ اشیاء کا رجوع:

چیزوں کے علوم جو مرتبہ فنا میں زائل ہو گئے تھے، بقا کے بعد اگر پھر لوٹ

آئیں تو اس سے عارف کے کمال میں نقص لازم نہیں آتا بلکہ ان کا لوٹ آنا کمال پر دلالت کرتا ہے بلکہ اس کا کمال اسی لوٹ آنے سے وابستہ ہے کیونکہ عارف بقا کے بعد اخلاق الٰہی سے متخلق ہو جاتا ہے، اس واجب تعالیٰ میں اشیاء کا علم عین کمال ہے اور اس کی ضد موجب نقصان ہے سو یہی حال عارف کا ہے جو متخلق باخلاق اللہ ہوتا ہے، اس میں بھید یہ ہے کہ ممکن کا علم معلوم کی صورت میں موجود ہونے سے حاصل ہوتا ہے، پس ضروری ہے کہ معلوم کی صورت کا حصول عالم پر اثر کرتا ہے، جس قدر علم زیادہ ہوگا اسی قدر عالم میں تاثر بھی زیادہ ہوگا اور اس میں تغیر و تلون بھی زیادہ وسیع و بسیط ہوگا، یہ واقعی نقص ہے، اس واسطے طالب کیلئے زیادہ ضروری ہے کہ ان تمام علوم کی نفی کرے اور تمام چیزوں کو فراموش کر دے لیکن واجب تعالیٰ کے علم کی یہ کیفیت نہیں، کیونکہ ذات الٰہی اس بات سے منزہ ہے کہ اس میں اشیائے معلومہ کی صورتیں حلول کریں، ان کے ساتھ مجرد تعلق علم ہی سے اس تعالیٰ پر وہ ﴿اشیاء﴾ منکشف ہیں، پس وہ ذات پاک ہے جو حدوث مخلوق سے بلحاظ ذات وصفات اور افعال بالکل نہیں بدلتی جو عارف متخلق باخلاق اللہ ہو جاتا ہے، اس کا علم بھی اسی طرح کا ﴿مظہر﴾ ہوتا ہے، اس میں بھی اشیا کے معلومات کی صورتیں حلول نہیں کر سکتیں، نہ اس کے حق میں تاثر ہوتا ہے نہ تغیر و تبدل اور نہ ہی یہ بات اس کیلئے نقصان کا باعث ہوتی ہے بلکہ موجب کمال ہوتی ہے، یہ اسرار الٰہی میں سے ایک پوشیدہ راز ہے، اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت سے اس سے مخصوص کرتا ہے۔

……﴿منہا: 27﴾……

مقامِ رضا کا حصول اور اطمینانِ نفس:

جب میں اپنے پیر کے وسیلے سے راہ حق کی طرف متوجہ ہوا تو بارہویں سال مجھے مقام رضا سے مشرف فرمایا گیا، پہلے نفس کو اطمینان عنایت فرمایا، بعد ازاں بتدریج فضلِ الٰہی سے یہ سعادت ﴿مقام رضا﴾ نصیب کی اور اس دولت سے اس وقت تک مشرف نہ ہوا جب تک رضائے الٰہی حاصل نہ ہوئی، پس نفسِ مطمئنہ اپنے مولیٰ سے راضی ہوا اور اس کا مولیٰ اس سے راضی ہوا، اس بات کے لیے اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے، مبارک مبارک ، والصلوۃ و السلام علےٰ رسولہٖ محمد و آلہ ، اگر یہ کہیں کہ جب نفس اپنے مولیٰ سے راضی ہو گیا تو پھر دعا اور دفع بلا کی طلب کا کیا مطلب، اس کا جواب یہ ہے کہ مولیٰ کے راضی ہونے سے اس کی مخلوق کی رضا لازم نہیں آتی بلکہ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ مخلوق سے رضا بصورت کفر و معاصی بری ہوتی ہے، پس خلق قبیح سے راضی ہونا لازم اور نفس قبیح سے کراہت کرنا واجب ہے، مولیٰ نفس قبیح سے راضی نہیں ہو سکتا بلکہ بندہ اس صورت میں شدت و غلظت کے لیے مامور ہے، پس مخلوق سے کراہت کرنا اس کے خلق کی رضا کا منافی نہیں ہو سکتا، اسی واسطے دفع بلا کی طلب ضروری ہے، جن لوگوں نے رضا حاصل ہو جانے کے بعد وجود کراہت میں مفعول سے کراہت اور فعل سے راضی ہونے میں فرق نہیں کیا وہ شبہ میں رہے ہیں، اسی شبہ کو دور کرنے کے لیے انہوں نے طرح

طرح کے تکلفات سے کام لیا ہے اور کہا ہے کہ وجود کراہت حالِ رضا کا منافی ہے نہ مقام رضا کا سو حال اور مقام میں بڑا فرق ہے، حق بات وہی ہے جو میں نے بذریعہ الہامِ الٰہی تحقیق کردی ہے، والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

...... منہا: 28 ......

امام کے پیچھے قرأت کا کیا حکم ہے:

مدت تک میری یہ آرزو رہی کہ حنفی مذہب میں کوئی معقول وجہ ہوتا کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھی جائے کیوں کہ نماز میں قرآن شریف کا پڑھنا فرض ہے تو حقیقی قرأت سے اعراض کر کے حکمی قرأت قرار دینا قرین قیاس معلوم نہیں ہوتا، حالانکہ حدیث نبوی ﷺ میں بھی ہے، 'لا صلوٰۃ اِلا بفاتحۃ الکتٰب' الحمد کے بغیر نماز نہیں ہوتی، لیکن بپاس مذہب مجبوراً ترک کرتا رہا اور اس ترک کو ریاض ومجاہدہ خیال کرتا رہا، آخر کار اللہ تعالیٰ نے مذہب کے پاس کی برکت سے کہ مذہب سے خروج الحاد ہے، اس بات کی حقیقت مجھ پر ظاہر کردی کہ مذہب حنفی میں مقتدی کو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کیوں نہیں پڑھنی چاہئے نیز مجھے قرأت حقیقی سے قرأت حکمی زیادہ اہم معلوم ہوئی، حقیقت یہ ہے کہ امام اور مقتدی دونوں مقام مناجات میں کھڑے ہوتے ہیں جیسا کہ ' لان المصلی یناجی ربہ 'نمازی اپنے پروردگار سے مناجات کرتا ہے سے ظاہر ہے، امام کو اس کام میں پیشوا بناتے ہیں، پس جو کچھ لوگ کسی عظیم الشان بادشاہ کی خدمت میں کسی ضرورت کیلئے حاضر ہوں اور ایک

کو اپنا پیشوا بنائیں تا کہ سب کی طرف سے وہ بادشاہ کی خدمت میں صورت حال عرض کرے، اس صورت میں اگر دوسرے پیشوا کے ساتھ ہی بولنے لگ جائیں تو سخت بے ادبی ہے اور بادشاہ کی ناراضگی کا باعث ہے، پس ان لوگوں کی حکمی بات چیت پیشوا کی زبانی عرض کرنا حقیقی بات چیت سے بہتر ہے، بعینہ یہی حال ہے، امام اور مقتدیوں کا کہ امام کی قرأت کے وقت مقتدیوں کا پڑھنا شور وفساد میں داخل اور دور از ادب ہے اور جدائی کا موجب ہے جو اجتماع کے منافی ہے، اکثر مسائل حنفی وشافعی جن میں اختلاف ہے اس قسم کے ہیں کہ ظاہر میں شافعی پہلو کو ترجیح ہوتی ہے لیکن باطن وحقیقت میں حنفی پہلو زبردست ہوتا ہے، مجھ پر یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ کلام حق میں جہاں جہاں فریقین کا اختلاف ہے اس میں حنفی حق بجانب ہیں بہت کم مسائل ایسے ہیں جن میں فریق ثانی کو ترجیح حاصل ہے، مجھے توسط حال میں ایک رات جناب پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا کہ تم علم کلام کے ایک مجتہد ہو، اس وقت سے لے کر مسائلِ کلامیہ میں میری رائے خاص اور میرا علم مخصوص ہے، اکثر مسائلِ خلافیہ جن میں ماتریدیہ اور اشاعرہ کا خلاف ہے شروع مسئلہ میں اشاعرہ حق بجانب معلوم ہوتے ہیں لیکن جب نور فراست سے دیکھا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ ماتریدیہ حق بجانب ہیں، علم کلام کے متعلق تمام مسائلِ خلافیہ میں میری رائے علمائے ماتریدیہ کی رائے کے موافق ہے، واقعی ان بزرگوں کی شان بہ سبب پیرویِ سنتِ نبوی ﷺ نہایت عظیم ہے، ان کے مخالفوں کو فلسفی مسائل میں مشغول ہونے کے سبب وہ شان حاصل نہیں، گو دونوں فریق

اہل حق ہیں، دیکھو ان بزرگوں میں سے سب سے بڑے بزرگ اور سب سے بڑے پیشوا ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی بابت کیا شافعی کیا مالک اور کیا احمد بن حنبل، سبھی اعلیٰ رائے رکھتے ہیں، چنانچہ امام شافعی فرماتے ہیں 'الفقهاء كلهم عيال ابى حنيفة ' تمام فقہا ابو حنیفہ کے عیال ہیں، منقول ہے کہ جب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ انکی قبر کی زیارت کرنے جاتے تو اپنے اجتہاد کو ترک کر دیتے اور ان کے مذہب پر عمل کرتے اور فرماتے مجھے شرم آتی ہے کہ ان کے حضور میں اپنے لئے ایسا عمل کروں جو ان کی رائے کے خلاف ہو، چنانچہ آپ نہ ہی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھا کرتے اور نہ ہی فجر کے وقت قنوت، واقعی امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی شان کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہی اچھی طرح جانتے ہیں، آخری زمانے میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے تو مذہبِ حنفی کے مطابق عمل کریں گے، جیسا کہ خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ فصولِ ستہ میں فرماتے ہیں اور یہی ان کی بزرگی کی کافی علامت ہے کہ ایک پیغمبر اولوالعزم ان کے مذہب پر عمل کرے گا، کسی اور کی سینکڑوں بزرگیاں بھی اس ایک بزرگی کے برابر نہیں ہو سکتیں، ہمارے حضرت خواجہ صاحب ﴿خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ﴾ فرماتے تھے کہ میں بھی کچھ عرصہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھا کرتا تھا، آخر ایک رات خواب میں، میں نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ اپنی مدح میں ایک نہایت اعلیٰ درجے کا قصیدہ پڑھ رہے ہیں جس کے مضمون سے ظاہر ہوا کہ بہت سے اولیا میرے مذہب کے پابند ہوئے ہیں، تب سے میں نے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ترک کر دیا۔

منہا: 29

تعلیم طریقہ کی اجازت:

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی کامل کسی ناقص کو تعلیم طریقہ کی اجازت دے دیتا ہے اور جب اس کے مرید بہت ہو جاتے ہیں تو اس ناقص کے مرید اس کا کام مکمل کر دیتے ہیں، چنانچہ حضرت خواجہ نقشبند رضی اللہ عنہ نے مولانا یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ کو درجہ کمال پر پہنچنے سے پیشتر تعلیم طریقہ کی اجازت عنایت فرمائی اور حکم دیا کہ یعقوب جو کچھ مجھ سے تجھے ملا ہے وہ لوگوں کو پہنچا دینا، مولانا یعقوب کا کام بعد ازاں خواجہ علاء الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں سر انجام ہوا، اسی واسطے مولانا عبدالرحمٰن جامی نفحات الانس میں لکھتے ہیں کہ مولانا یعقوب پہلے خواجہ علاالدین عطار کے مرید تھے بعد میں خواجہ نقشبند کے مرید ہوئے، اسی طرح جب کوئی کامل اپنے مرید کو جس نے ولایت کا ایک درجہ طے کر لیا ہو تعلیم طریقہ کی اجازت دے تو وہ مرید ایک لحاظ سے کامل ہے اور ایک لحاظ سے ناقص، یہی حال اس مرید کا ہے جس نے ولایت کے دو یا تین درجے طے کئے ہوں، وہ ناقص بھی ہے اور کامل بھی کیونکہ جب تک آخری درجہ طے نہ کر لے وہ کامل بھی ہوتا ہے اور ناقص بھی، جب کامل اپنے مرید کو تعلیم طریقت کی اجازت دینے کا مختار ہے تو یہ ضروری نہیں کہ مرید انتہائی درجہ طے کر چکا ہو، واضح رہے کہ گو نقص اجازت کا منافی ہے لیکن جب کوئی کامل و مکمل کسی ناقص کو نائب بناتا ہے اور اس کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ جانتا ہے تو نقص کا ضرر تجاوز نہیں کر سکتا، و اللہ اعلم بالصواب۔

منہا: 30

مراتب ثلاثہ اور یادداشت:

یادداشت سے مراد دائمی حضور ذات حق ہے اور یہ بات کبھی ارباب قلوب کو بھی دل کی جمعیت کی وجہ سے خیال میں آجاتی ہے، اس واسطے کہ جو کچھ سارے انسان میں ہے وہ اکیلے دل میں ہے، گو ان میں مجمل و مفصل کا فرق ہے، پس مرتبہ قلب میں بھی حضور ذات دائمی طور پر حاصل ہو سکتا ہے لیکن یہ بات یادداشت کے طور پر ہے نہ کہ یادداشت کی حقیقت، ہو سکتا ہے کہ بزرگوں نے جسے بدایت میں نہایت فرمایا ہے، اس سے مراد یہی یادداشت ہو لیکن یادداشت کی حقیقت اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب نفس کا تزکیہ اور قلب کا تصفیہ ہو سکے، اگر ان کی مراد ذات حق کے مرتبہ وجوب سے ہو کیونکہ ذات اس مرتبہ میں صفات وجوبیہ کی جامع ہے تو پھر تمام مراتب امکانی طے کرنے کے بعد اس مرتبہ کے شہود میں پہنچتے ہی یادداشت حاصل ہو جاتی ہے، تجلیات صفاتی میں بھی یہ بات حاصل ہو سکتی ہے کیونکہ اشارے میں صفات کا ملاحظہ حضور ذات حق کا منافی نہیں ہوتا اگر ان کی مراد حضرت ذات تعالیٰ سے مرتبہ احدیت مجردہ ہو جو اسماء وصفات اور نسبت و اعتبارات سے مبرا ہے تو پھر اسمائے صفاتی نسبتی اور اعتباری تمام مراتب طے کرنے کے بعد یادداشت حاصل ہوتی ہے، میں نے جہاں کہیں یادداشت کا بیان کیا ہے اس سے مراد آخری معنی لئے ہیں گو اس مرتبہ میں حضور کا اطلاق کچھ

نامناسب معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ارباب یادداشت سے مخفی نہیں، کیونکہ وہ غیبت و حضور سے اعلیٰ وارفع ہے، حضور کے اطلاق کیلئے کسی ایک صفت کا ملاحظہ درکار ہے جو کچھ لفظ حضور کے مناسب ہے یادداشت کی تفسیر دوسرے معنوں میں ہے، اس لحاظ سے یادداشت کو نہایت کہنا باعتبار شہود و حضور ہے کہ اس مرتبہ کے آگے شہود و حضور کی گنجائش نہیں، وہاں یا حیرت ہے یا جہل یا معرفت لیکن وہ معرفت نہیں جسے تم معرفت جانتے ہو کیونکہ جس کو تم معرفت خیال کرتے ہو وہ افعالی و صفاتی معرفت ہے اور یہ مقام اسماء وصفات سے بدرجہا اوپر ہے، 'والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدالبشر و علیٰ الہ الاطہر'

……﴿منها: 31﴾……

مقامات عشرہ کے بغیر وصول نہایت:

یہ راستہ طے کرنا اور نہایت النہایت پر پہنچنا دس مقامات مشہورہ کے طے کرنے سے وابستہ ہے جن میں سے پہلا توبہ ہے اور آخری رضا، مراتب کمال میں کوئی مرتبہ و مقام مقام رضا سے بڑھ کر نہیں حتیٰ کہ آخرت میں رویتِ اخروی بھی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی، مقام رضا کی اصلی حقیقت پورے طور پر آخرت میں ظاہر ہوگی، باقی مقامات آخرت میں سیر نہیں ہو سکتے، توبہ کے وہاں کچھ معنی نہیں، زہد کی وہاں گنجائش نہیں، توکل ہو ہی نہیں سکتا، صبر کا احتمال نہیں، ہاں شکر وہاں سیر ہوسکتا ہے لیکن وہ شکر بھی رضا کی ایک شاخ ہے، رضا سے علیحدہ نہیں، اگر یہ پوچھیں کہ کبھی

کامل و مکمل میں دنیاوی رغبت پائی جاتی ہے اور بعض ایسی باتیں دیکھنے میں آتی ہیں جو توکل کی منافی ہیں اور بے طاقتی جو منافی صبر ہے ظاہر ہوتی ہے اور کراہت جو رضا کی ضد ہے پائی جاتی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان مقامات کا حاصل ہونا قلب و روح سے مخصوص ہے، خاص الخاص کو یہ مقامات نفس مطمئنہ میں بھی حاصل ہو جاتے ہیں لیکن قالب اس بات سے محروم و بے نصیب ہے، اگرچہ جسم تیزی اور قوت کی وجہ سے مقتضی ہوتا ہے، ایک شخص نے شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ محبت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن آپ کا موٹاپا منافی محبت ہے، آپ نے جواب میں یہ شعر پڑھا ؎

احب قلبی وما دری بدنی
ولو دری ما اقام فی السمن

محبوب سے میرے دل نے محبت کی میرے بدن کو وہ معلوم نہ ہوا،
اگر وہ بھی جانتا تو اتنا موٹا نہ ہو جاتا۔

پس اگر کوئی ایسی بات جو مقامات مذکورہ کے منافی ہو کسی کامل کے قالب میں ظاہر ہو تو وہ ضرر نہیں دے سکتی اور وہ اس بزرگ کے باطن کیلئے ان مقامات کے حصول میں حارج نہیں ہو سکتی، غیر کامل میں ان مقامات کے نقائص پورے طور پر ظاہر و باطن میں ظہور کرتے ہیں، اس لئے وہ ظاہر و باطن میں دنیا کی طرف راغب ہو جاتا ہے اور وہ صورت و حقیقت میں منافی توکل ہوتا ہے، اس قلب و قالب میں بے طاقتی اور گھبراہٹ ظاہر ہوتی ہے، روح اور بدن میں کراہت کا

ظہور ہوتا ہے، یہی باتیں ہیں جنہیں حق تعالیٰ نے اپنے اولیا کا پردہ بنایا ہے اور انہیں باتوں کی وجہ سے اکثر لوگ ان بزرگوں کے کمالات سے محروم رہتے ہیں، اولیاء اللہ میں جو یہ باتیں پائی جاتی ہیں تو اس میں یہ حکمت ہے کہ ﴿ان کے بغیر﴾ حق و باطل میں تمیز نہیں ہو سکتی جو اس دنیا کی لازم بات ہے، جو امتحان کا مقام ہے، دوسری حکمت اس میں یہ ہے کہ ان کیلئے ترقی کا باعث ہے، اگر اولیاء اللہ سے یہ باتیں بالکل مفقود ہو جائیں تو ان کی ترقی مسدود ہو جائے اور فرشتوں کی طرح مقید رہ جائیں، والسلام علیٰ من اتبع والتزم متابعة المصطفیٰ علیه، وعلیٰ اله الصلوٰت والتسلیمات اتمها واکملها۔

……﴿منها: 32﴾……

اولیائے باری اور اسباب کی گرفتاری:

الٰہی یہ کیا بات ہے کہ تو نے اپنے اولیاء کے باطن کو آب حیات بنا رکھا ہے کہ جس نے ایک قطرہ چکھا اسے حیات ابدی نصیب ہو گئی اور ان کے ظاہر کو زہر قاتل بنا رکھا ہے کہ جس نے اس کو دیکھا وہ ابدی موت میں گرفتار ہو گیا یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کا باطن رحمت اور ان کا ظاہر زحمت ہے ان کے باطن کو دیکھنے والا انہیں میں سے ہے اور ان کے ظاہر کو دیکھنے والا بدکیش ہے، بظاہر جو ہیں اور بحقیقت گیہوں بظاہر عوام بشر ہیں اور بباطن خواص ملک، ظاہر میں زمین پر ہیں اور حقیقت میں آسمان پر، ان کا ہم نشین بدبختی سے بچا ہوا ہے اور ان کا غم خوار سعادت مند ہے، یہ لوگ گروہ الٰہی ہیں اور یہی لوگ اہل نجات و

فلاح ہیں، و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ سید نا محمد و الہ و سلم۔

منہا: 33

شانِ اولیا پوشیدہ کیوں ہے؟

حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے اولیاء کو اس طرح پوشیدہ کیا ہے کہ ان کے ظاہر کو بھی ان کے باطنی کمالات کی خبر نہیں، چہ جائے کہ غیر ان سے واقف ہوں، ان کے باطن کو جو نسبت بے چونی و بے چگونی کے مرتبہ سے حاصل ہے وہ بھی بیچون ہے، ان کا باطن چونکہ عالم امر سے ہے، اس واسطے بیچونی سے انہیں بھی حصہ حاصل ہے اور ظاہر جو سراسر چون ہے ان کے باطن سے کیونکر واقف ہو سکتا ہے، بلکہ قریب ہے کہ بسبب نہایت جہالت اور عدم مناسبت اس نسبت کے نفس حصول سے بھی انکار کر لے، ہو سکتا ہے کہ حصول نسبت کے نفس کو جانے لیکن یہ نہ جانے کہ اس کا متعلق کون ہے، بلکہ بہت دفعہ ایسا ہوا ہے کہ اس کے حقیقی متعلق کی نفی کرتا ہے اور یہ ساری باتیں اس واسطے ہیں کہ یہ نسبت بہت اعلیٰ ہے اور ظاہر بہت ادنیٰ ہے، خود باطن اس نسبت کا مغلوب ہوتا ہے اور دید و دانش سے گیا گزرا ہوتا ہے، اسے کیا معلوم کہ کون رکھتا ہے اور کس سے رکھتا ہے، اس واسطے معرفت سے عجز کے سوا اور کوئی معرفت کی راہ نہیں، یہی وجہ ہے کہ امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: 'العجز عن درک الادراک ادرک' معلوم کرنے سے عاجز آنا ہی معلوم کرنا ہے اور ادراک کے نفس سے مراد وہ نسبت خاصہ ہے کہ جس کے ادراک سے عجز لازم ہے،

کیونکہ صاحب ادراک مغلوب ہوتا ہے، نہ اسے ادراک معلوم ہوتا ہے اور نہ اس کا غیر معلوم ہوتا ہے اور نہ اُسے حال کی خبر ہوتی ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

……منھا: 34……

بدعت اعتقادی کا نقصان:

ایک شخص صوفیوں کے لباس میں رہ کر بدعت اعتقادی میں مبتلا تھا، مجھے اس کے حق میں تردد تھا، اتفاقاً کیا دیکھتا ہوں کہ تمام انبیاء کرام ﷩ جمع ہیں اور متفق ہو کر اس شخص کے حق میں فرماتے ہیں کہ وہ ہم سے نہیں، اسی اثنا میں مجھے ایک اور شخص کا بھی خیال آیا جس کے بارے میں میں متردد تھا، اس کے بارے میں تمام نے فرمایا کہ وہ ہم میں سے ہے، اللہ تعالیٰ انبیا کرام ﷩ کے طعن اور ان کے حق میں بداعتقاد ہونے سے بچائے۔

……منھا: 35……

متشابہات کی تاویل:

مجھ پر ظاہر کیا گیا کہ قرآن شریف میں جو قرب معیت اور احاطہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے الفاظ آتے ہیں یہ متشابہات قرآنی ہیں، جیسے ہاتھ اور چہرہ وغیرہ، اسی طرح لفظ اول و آخر، ظاہر و باطن وغیرہ، گو اللہ تعالیٰ کو قریب کہتے ہیں لیکن قریب کے معنی نہیں جانتے کہ قرب کیا ہے، اسی طرح ہم اسے اول کہتے ہیں لیکن نہیں جانتے کہ اول سے کیا مراد ہے، قرب و اولیت کے جو معنی ہمارے علم و فہم میں آتے

ہیں اللہ تعالیٰ ان سے منزہ و برتر ہے اور جو کچھ ہمارے کشف و شہود میں آسکتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے، اللہ کا قرب و معیت جو بعض صوفیا نے بطریق کشف دریافت کیا ہے اور ان کشفی معنوں کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کو قریب و مع جانتے ہیں ٹھیک نہیں، بلکہ وہ مذہب مجسمہ میں قدم رکھتے ہیں، بعض علما نے جو اس کی تاویل کی ہے اور قرب سے مراد علمی قرب لی ہے یہ ایسے ہے جیسے ید کی تاویل قدرت و وجہ سے کریں گو یہ مجوز ان تاویل کے نزدیک جائز ہے لیکن ہم تاویل کو جائز قرار نہیں دیتے، اس کی تاویل علم حق کے حوالے کرتے ہیں، اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے، والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

منھا: 36

متابعت پیغمبر خدا ﷺ کی نیت:

میں وتر کی نماز کبھی رات کے پہلے حصے میں ادا کرتا تھا اور کبھی پچھلے حصے میں، ایک رات مجھ پر ظاہر کیا کہ تاخیر کی صورت میں ادائے وتر کی نیت سے جو نمازی سو جاتا ہے کہ رات کے آخری حصہ میں ادا کروں گا تو کراماً کاتبین رات بھر وتر ادا کرنے تک اس کی نیکیاں درج کرتے رہتے ہیں، پس وتر کی نماز جتنی دیر سے ادا کریں گے اتنا ہی اچھا ہے باوجود اس بات کے مجھے وتر کی تعجیل و تاخیر سے سوائے متابعت نبوی ﷺ کے اور کچھ مقصود نہیں، میں کسی فضیلت کو متابعت نبوی ﷺ کے برابر نہیں سمجھتا، جناب سرور کائنات ﷺ وتر کی نماز کبھی رات کے پہلے حصے میں ادا کرتے

تھے اور کبھی آخری حصے میں، میں اپنی سعادت اس بات میں جانتا ہوں کہ کسی کام میں آنحضرت ﷺ سے تشبیہ حاصل کروں، اگرچہ تشبیہ بحسب صورت ہی ہو، لوگ بعض سنتوں میں شب بیداری کی نیت کرتے ہیں اور دوسری باتوں کو دخل دیتے ہیں مجھے ان کی کوتاہ اندیشی پر تعجب آتا ہے، ہم تو جو بھر متابعت کے بدلے ہزار شب بیداری کو بھی نہ خریدیں، جب ہم ماہ رمضان کے آخری دس دنوں میں معتکف ہوئے تو یاروں کو بلا کر کہا کہ سوائے متابعت کے اور کچھ نیت نہ کرنا کیونکہ ہماری قطع تعلقی کچھ وقعت نہیں رکھتی، ہم ایک متابعت کو سو گرفتاری سے قبول کرتے ہیں لیکن غیر متابعت سے ہزار قطع تعلق کو بھی قبول نہیں کرتے ۔

آں را کہ در سرائے نگاریست فارغ است
از باغ و بوستان و تماشائے لالہ زار

اللہ تعالیٰ جناب سرور کائنات ﷺ کی متابعت ہمارے نصیب کرے۔

……منہا: 37……

محبت ذاتی اور محبت صفاتی:

ایک دفعہ میں چند درویشوں سمیت بیٹھا تھا، میں نے اس محبت کے غلبہ کی وجہ سے جو مجھے جناب سرور کائنات ﷺ سے ہے کہا کہ آنحضرت ﷺ کی محبت مجھ پر اس طرح غالب ہے کہ میں حق تعالیٰ کو صرف اس واسطے پیار کرتا ہوں کہ وہ محمد مصطفیٰ ﷺ کا ربّ ہے، حاضرین یہ سن کر حیران رہ گئے لیکن مخالفت نہ کر

سکتے تھے، یہ بات رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی بات کا بالکل نقیض ہے کہ فرماتی ہیں کہ میں نے جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خواب میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت مجھ پر اس درجہ غالب ہے کہ آپ کی محبت کی گنجائش نہیں رہی، یہ دونوں باتیں سکر سے ہیں لیکن میری بات اصلیت رکھتی ہے مگر رابعہ نے محض سکر ہی کی حالت میں کہی ہے اور میں نے ہوش کے آغاز میں، ان کی بات صفات کے مرتبہ کے متعلق ہے اور میری بات مرتبہ ذات سے رجوع کرنے کے بعد کی، اس واسطے کہ مرتبہ ذات میں اس قسم کی محبت کی گنجائش نہیں، تمام نسبتیں اس مرتبہ سے نیچے ہی رہ جاتی ہیں، وہاں پر سر بسر یا حیرت ہے یا جہل، بلکہ اس مرتبہ میں ﴿سالک﴾ بڑے ذوق سے محبت کی نفی کرتا ہے اور کسی طرح سے بھی اپنے آپ کو اس محبت کے لائق نہیں جانتا، محبت اور معرفت صرف صفات میں ہوتی ہے، جسے محبت ذاتی کہتے ہیں اس سے مراد ذات احدیت نہیں بلکہ ذات معہ بعض اعتباراتِ ذات ہے، پس رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی محبت مرتبہ صفات میں ہے، واللہ اعلم بالصواب، والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید البشر و الہ الاطہر۔

......﴿منہا: 38﴾......

علم باطن کی علم ظاہر پر فضیلت:

علم کی شرافت معلوم کے شرف و رتبہ کے موافق ہوا کرتی ہے، معلوم جس قدر شریف ہوگا علم اسی قدر عالی ہوگا، پس باطنی علم جس سے صوفیا ممتاز ہیں، ظاہری

علم سے جو علما ظاہر کے نصیب ہے اشرف ہے، جس طرح کہ علم ظاہری علم حجامت اور کپڑا بننے سے اشرف ہے، پس پیر کے آداب کا ملحوظ رکھنا جس سے علم باطن اخذ کیا ہو، علم ظاہری کے استاد کے آداب ملحوظ رکھنے سے بدر جہا زیادہ ہے، اسی طرح ظاہری علم کے استاد کا ادب حجام اور جولا ہے سے بدر جہا زیادہ کرنا چاہئے، یہی فرق ظاہری علوم میں باہمی ہے، چنانچہ صرف ونحو کے استاد سے علم کلام اور فقہ کا استاد افضل ہے اور علوم فلسفہ کے استاد سے صرف ونحو کا استاد افضل ہے کیونکہ علوم فلسفی معتبر علوم میں داخل نہیں، اس واسطے کہ ان کے اکثر مسائل بیہودہ اور بے حاصل ہیں اور جو تھوڑے مسائل اسلامی کتابوں سے اخذ کئے ہیں ان میں بھی ایسے تصرفات کئے ہیں جو جہل مرکب سے خالی نہیں، عقل میں ان کی بو تک نہیں، نبوت کا طور اور ہے اور عقل نظری کا اور واضح رہے کہ پیر کے حقوق تمام حقوق سے فائق ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حقوق کو چھوڑ کر دوسرے حقوق کو پیر کے حقوق سے کوئی نسبت ہی نہیں بلکہ سب کے حقیقی پیر جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ظاہری ولادت اگر چہ والدین سے ہوتی ہے لیکن معنوی پیدائش پیر سے مخصوص ہے، ظاہری ولادت کی زندگی چند روزہ ہوتی ہے اور حقیقی ولادت کی زندگی ابدی ہوتی ہے، مرید کی باطنی پلیدی کو صاف کرنے والا پیر ہی ہے جو اپنے قلب وروح سے مرید کے باطن کی پلیدی کو صاف کرتا ہے اور اس کے معدے کو پاکیزہ بناتا ہے، بعض طالبوں کو جب توجہ دی جاتی ہو تو واقعی محسوس ہوتا ہے کہ ان کی باطنی نجاستوں کو صاف کرتے ہوئے صاحب توجہ پر بھی آلودگی اثر کرتی ہے اور دیر تک مکدر رکھتی

ہے، پیر ہی کے وسیلے سے انسان خدارسیدہ ہوتا ہے، یہ خدارسیدگی تمام دنیاوی اور اخروی سعادتوں سے افضل ہے، پیر ہی کے وسیلے سے نفس امارہ جو بالذات خبیث ہے پاکیزہ ہوجاتا ہے اور امارگی کو چھوڑ کر اطمینان حاصل کرتا ہے اور ذاتی کفر ترک کر کے حقیقی اسلام اختیار کرتا ہے .... گر بگویم شرح ایں بیحد شود .... پس اپنی سعادت پیر کی قبولیت میں خیال کرنی چاہئے اور اپنی بدبختی اس کے رد کرنے میں 'نعوذ باللہ سبحانہ من ذالك' رضائے حق پیر کے پردہ کے پیچھے رکھی ہوئی ہے، جب تک مرید اپنے آپ کو پیر کی مرضیات میں گم نہیں کرتا حق تعالیٰ کی مرضیات تک نہیں پہنچتا، مرید کی آفت پیر کو ناراض کرنے میں ہے، اس کے بغیر جو خواری ہے اس کا تدارک ہوسکتا ہے لیکن پیر کی ناراضگی کا تدارک ناممکن ہے، پیر کی ناراضگی مرید کیلئے بدبختی کی جڑ ہے 'نعوذ باللہ سبحانہ من ذالک' اس ناراضگی سے اسلامی معتقدات میں خلل اور احکام شریعہ کے بجالانے میں فتور آجاتا ہے، باطنی احوال و مواجید کا تو کچھ پوچھو ہی نہیں، اگر پیر کو ستانے کے بعد بھی احوال کا کچھ اثر رہے تو اسے استدراج سمجھنا چاہئے کیونکہ آخر اس کا نتیجہ خراب ہوتا ہے، سوائے نقصان کے اور کچھ نتیجہ نہیں نکلتا، والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

......﴿منھا: 39﴾......

موت قبل از موت کی حقیقت:

قلب عالم امر سے ہے، اسے عالم خلق سے تعلق اور تعشق دے کر عالم

کی طرف نیچے لایا گیا اور گوشت کے ٹکڑے سے جو بائیں طرف ہے خاص تعلق بخشا ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے بادشاہ کسی خاکروب پر عاشق ہو اور اس کے سبب سے اس خاکروب کے گھر رہے اور روح جو قلب سے زیادہ لطیف ہے، اصحاب یمین سے ہے اور تین لطیفوں سے جو لطیفہ روح سے اوپر ہیں، خیر الامور اوسطھا کے شرف سے مشرف ہیں، جتنے زیادہ لطیف ہیں، اتنے ہی وسط سے زیادہ مناسب ہیں، صرف اتنی بات ہے کہ سر اور خفی اخفیٰ کے دونوں طرف ہیں، ایک دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف واقع ہے، نفس حواس کا محاسبہ مجاور ہے، اس کا تعلق دماغ سے ہے، قلب کو ترقی اس وقت ہوتی ہے جب وہ مقام روح اور اس کے روبرو کے مقام میں پہنچتا ہے، اسی طرح روح اور اس کے مافوق کی ترقی ان سے بالائی مقامات سے وابستہ ہے لیکن ابتدا میں یہ وصول بطریق احوال ہوتا ہے اور انتہا میں بطریق مقام، نفس کو اس وقت ترقی ہوتی ہے جب وہ مقام قلب میں ابتدا میں بطریق احوال اور انتہا میں بطریق مقام پہنچ جائے، آخر کار یہ چھ لطائف مقام اخفیٰ میں پہنچ جاتے ہیں اور تمام مل کر عالم قدس کی طرف پرواز کرنے کا قصد کرتے ہیں اور لطیفہ قلب کو خالی چھوڑ جاتے ہیں لیکن پرواز بھی ابتدا میں بطریق احوال ہوتی ہے اور انتہا میں بطریق مقام ہوتی ہے اور اس وقت فنا حاصل ہوتی ہے، مرنے سے پہلے جس موت کی بابت کہا ہے اس سے مراد قلب سے انہیں چھ لطائف کی جدائی ہے، قالب میں ان کی مفارقت کے بعد بھی حس وحرکت رہتی ہے، اس بات کا بیان اور جگہ لکھا گیا ہے

وہاں سے مطالعہ کرنا چاہئے اس کتاب میں اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں، اس کتاب میں صرف اشارتاً اور کنایتاً باتیں درج ہیں، یہ ضروری نہیں کہ تمام لطائف ایک مقام میں جمع ہو کر وہاں سے پرواز کریں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ قلب اور روح دونوں متفق ہو کر یہ کام کرتے ہیں، کبھی تین کبھی چار مل کر یہ کام کرتے ہیں لیکن جب چھ مل کر پرواز کریں تو یہ نہایت اعلیٰ و اکمل درجہ ہے اور ولایت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص ہے، اس کے سوا جو ہے وہ ولایت کی ایک قسم ہے، اگر وہ چھ لطائف قالب سے جدا ہونے کے بعد مقام وصول میں پہنچ کر اسی رنگ سے رنگے جائیں اور پھر قالب میں لوٹ آئیں اور جبی تعلق کے سوا اور کوئی تعلق پیدا کریں، قالب کا حکم پیدا کریں، ملنے کے بعد ایک قسم کی فنا پیدا کریں اور بطور مردہ ہو جائیں تو اس وقت خاص تجلی سے متجلی ہو جاتے ہیں، از سر نو زندگی پیدا کر کے مقام بقاء باللہ حاصل کرتے ہیں اور اخلاق الٰہی سے متخلق ہو جاتے ہیں، ایسے وقت میں اگر وہ خلعت بخش کر پھر عالم میں بھیجے جائیں تو معاملہ نزدیک سے دور جا پڑتا ہے اور مقدمہ تکمیل پیدا ہوتا ہے، اگر پھر جہان میں نہ بھیجیں اور قرب کے بعد بُعد حاصل نہ ہو تو وہ اولیائے عزلت سے شمار ہوگا اور اس کے ہاتھ سے طالبوں کی تربیت اور ناقصوں کی تکمیل نہ ہوگی، یہ ہے کہانی بدایت ونہایت کی طریق رمز و اشارہ سے لیکن اس کا سمجھنا بغیر ان منزلوں کو طے کئے محال ہے، والسلام علیٰ من اتبع الهدیٰ و التزم متابعة المصطفیٰ علیه وعلیٰ اٰله الصلوٰة و السلام۔

منہا:40

کلام الٰہی کا سر بستہ راز:

حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ ازل سے ابد تک ایک ہی کلام سے متکلم ہے، اس کلام کے اجزا نہیں ہیں کیونکہ حق تعالیٰ کے حق میں خاموشی یا گونگا پن کا ہونا محال ہے، کوئی عجب نہیں کہ ازل سے ابد تک وہاں ایک ہی ساعت ہو کیونکہ وہاں زمانے کا دخل نہیں، ایک گھڑی میں سوائے کلام واحد اور بسیط کے اور کیا وقوع میں آ سکتا ہے، اس کلام واحد سے کئی قسم کے کلام پیدا ہوتے ہیں جو بلحاظ تعلقات مختلف قسم کے ہیں، مثلاً اگر مامور کے متعلق ہے تو امر پیدا ہوا ہے اور اگر رکاوٹ کے متعلق ہے تو نہی نام پایا ہے، اگر رضا کے متعلق ہے تو خبر ہوگئی ہے، آمدم برسر مطلب، ماضی و مستقبل کی خبر دینا بہت سارے لوگوں کو شک میں ڈال دیتا ہے، دلالت کرنے والے کا تقدم وتاخر مدلول کے تقدم وتاخر کو ظاہر کرتا ہے، سو یہ کوئی شبہ نہیں کیونکہ ماضی و مستقبل دلالت کرنے والوں کی مخصوصہ صفات ہیں جو اسی گھڑی کے انبساط کے لحاظ سے پیدا ہوئی ہیں، جب مرتبہ مدلول میں وہ گھڑی اپنی اصلی حالت پر ہے اور کسی قسم کا انبساط اس میں نہیں آیا تو پھر ماضی و مستقبل کی گنجائش کیسے ہوسکتی ہے، ارباب معقول نے کہا ہے کہ ایک ہی ماہیت کیلئے بلحاظ وجود خارجی لوازمات علیحدہ ہیں اور بلحاظ وجود ذہنی صفات جدا، پس جبکہ ایک ہی شے میں صفات ولوازمات کا فرق بلحاظ وجود وہویت کے تغائر کے جائز ہے تو دال ومدلول میں جو فی الحقیقت

ایک دوسرے سے جدا ہیں بطریق اولیٰ جائز ہے اور یہ جو کہا ہے کہ ازل سے ابد تک ایک ہی گھڑی ہے یہ عبارت کی تنگی کی وجہ سے کہا گیا ہے ورنہ وہاں تو اس کی بھی گنجائش نہیں، وہ بھی زمانے کی طرح یہاں ثقیل ہے۔

واضح رہے کہ جو ممکن مقامات قرب الٰہی میں دائرہ امکان سے قدم باہر رکھتا ہے تو ازل ابد کو ملا ہوا پاتا ہے، جناب سرور کائنات ﷺ نے شب معراج مقامات عروج میں حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں پایا اور نوح علیہ السلام کے طوفان کو موجود دیکھا، اہل بہشت کو بہشت میں دیکھا اور اہل دوزخ کو دوزخ میں، پانچ سو سال بعد جو آدھے دن کے برابر ہے بہشت میں داخل ہونے کے بعد ایک غنی صحابی عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بہشت میں آتے ہوئے دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے اس سے دیر سے آنے کی وجہ پوچھی تو اس نے اپنے دشوار گزار راستوں کا ذکر کیا، یہ سب کچھ ایک گھڑی میں مشہود ہوا، اس میں ماضی و مستقبل کی گنجائش نہ تھی، مجھ پر بھی حبیب خدا ﷺ کے صدقے ایک وقت میں یہ حالت طاری ہوئی تھی کہ میں نے فرشتوں کو دیکھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کر رہے ہیں اور ابھی انہوں نے سجدہ سے سر نہیں اٹھائے کہ ملائکہ علیین کو ان سجدہ کرنے والوں سے الگ دیکھا، جنہیں سجدے کا حکم نہیں ہوا تھا، وہ اپنے مشہود میں مستغرق تھے اور جن حالات آخرت میں گزرنے کا وعدہ کیا گیا ہے وہ بھی اسی گھڑی میں دکھائی دیئے، چونکہ اس واقعہ کو مدت گزر چکی ہے اس احوال آخرت کو مفصل بیان نہیں کیا کیونکہ مجھے اپنی قوت حافظہ پر پورا بھروسا نہیں رہا لیکن اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ یہ حالت آنحضرت ﷺ کے

وجود اور روح دونوں پر طاری ہوئی تھی اور آپ نے بصارت وبصیرت دونوں سے دیکھا تھا، دوسرے جو طفیلی ہیں ان پر اگر بطریق تبعیت یہ حالت طاری ہو تو فقط روح پر ہوگی اور صرف بصیرت سے مشاہدہ کریں گے، ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھیں گے

در قافلہ کہ اوست دانم نرسم
ایں بسکہ رسد زدور بانگ جرسم

علیہ و علیٰ الہٖ من الصلوٰت والتسلیمات اتمہا و اکملہا۔

......﴿منہا: 41﴾......

تکوین صفتِ حقیقی ہے:

تکوین واجب الوجود کی ایک حقیقی صفت ہے، امام ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کے پیروکار تکوین کو ایک اضافی صفت جانتے ہیں، جہان کو وجود میں لانے کیلئے قدرت اور ارادہ ہی کو کافی خیال کرتے ہیں، لیکن حق یہ ہے کہ تکوین ایک الگ صفت ہے جو قدرت اور ارادت کے علاوہ ہے، اس کا بیان یہ ہے کہ قدرت درحقیقت فعل وترک کی صحت ہے اور ارادہ قدرت کے دونوں پہلوؤں یعنی فعل وترک کی تخصیص ہے، پس قدرت کا مرتبہ ارادہ کے مرتبہ سے مقدم ہے، تکوین کا مرتبہ جسے ہم ایک حقیقی صفت خیال کرتے ہیں قدرت وارادت کے مرتبہ کے بعد ہے، اس کا کام طرف تخصیص شدہ کو وجود میں لانا ہے، پس قدرت فعل کی مصحح ہے اور ارادت اس کی تخصیص کرنے والی ہے اور تکوین اس کی موجد ہے، پس

قدرت اور ارادت کے علاوہ تکوین بھی ضروری ہے، اس کی مثال استطاعت مع الفعل کی طرح ہے جسے اہل سنت کے علماء نے بندوں میں ثابت کیا ہے، اس میں شک نہیں کہ یہ استطاعت قدرت کے ثبوت کے بعد ہے بلکہ ارادت کے متعلق اور ایجاد کی تحقیق کے بعد اسی استطاعت سے وابستہ ہے بلکہ وہ استطاعت ہی موجب فعل ہے اور ترک کا پہلو وہاں مفقود ہے، صفت تکوین کی بھی یہی حالت ہے کہ ایجاد اس کے ساتھ بطریق ایجاب ہے لیکن یہ ایجاب واجب تعالیٰ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا کیونکہ وہ قدرت کے حاصل ہونے کے بعد ثابت ہوتا ہے، اصل میں قدرت ہی فعل و ترک کی صحت ہے نیز ارادہ کی تخصیص کے بعد تکوین ہے اور یہ بات حکمائے فلسفہ کی رائے کے خلاف ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ یہ پہلا شرطیہ ﴿اگر چاہے تو پیدا کر سکتا ہے﴾ واجب الصدق ہے اور دوسرا شرطیہ ﴿اگر نہ چاہے تو نہیں پیدا کرتا﴾ ممتنع الصدق ہے، انہوں نے ارادت کی نفی کی ہے، جو صریحاً ایجاب میں ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بہت برتر ہے، وہ ایجاب جو ارادت کے تعلق اور دونوں مقدوروں میں سے ایک کی تخصیص کے بعد پیدا ہوا ہے اس کیلئے اختیار لازمی امر ہے، اس کی تاکید کرنے والا اختیار کا منافی نہیں، صاحب فتوحات یعنی شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا کشف بھی حکما کی رائے کے موافق واقع ہوا ہے یعنی قدرت میں پہلے شرطیہ کو واجب الصدق اور دوسرے شرطیہ کو ممتنع الصدق جانا ہے اور یہ جاننا ایجاب ہے ایسی صورت میں ارادہ فضول معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہاں فعل یا ترک کی تخصیص کوئی بھی نہیں، ہاں اگر تکوین میں اس بات کو ثابت کریں تو گنجائش

ہے کیونکہ وہ ایجاب کی ملاوٹ سے مبرا ہے، یہ فرق بہت ہی باریک ہے، اس کے بیان کی جرأت وسبقت بہت کم اشخاص نے کی ہے، گو علمائے ماتریدیہ نے اس صفت کو ثابت کیا ہے لیکن اس قدر غور وخوض سے کام نہیں لیا، سنت نبوی ﷺ کی پیروی کے سبب وہ تمام متکلمین میں اِس معرفت سے ممتاز ہیں، یہ حقیر بھی ان بزرگوں کا خوشہ چین ہے، اے اللہ! ہمیں اپنے حبیب اکرم ﷺ کے صدقے ان کے معتقدات پر ثابت قدم رکھنا۔

منہا: 42

باری تعالیٰ کا دیدار:

اللہ تعالیٰ جل شانہ کی رویت آخرت میں مومنوں کو نصیب ہونا حق بات ہے، یہ وہ مسئلہ ہے جس کو سوائے اہلسنت وجماعت کے کسی اسلامی فرقہ یا حکمائے فلسفہ نے جائز نہیں مانا، ان کے انکار کا باعث حاضر پر غائب کا قیاس ہے اور ایسا قیاس برا ہے، دکھائی دینے والی چیز جب بے مثل و بے مانند ہوگی تو اس کی متعلقہ رویت بھی بے مثل و بے مانند ہوگی، اس پر ایمان لانا چاہئے، اس کی کیفیتوں میں مشغول نہیں ہونا چاہئے، یہ بھید دنیا میں بھی خاص خاص اولیا پر ظاہر کیا گیا ہے اگرچہ اسے رویت تو نہیں کہہ سکتے لیکن پھر بھی رویت ہی ہے گویا کہ تو اسے دیکھتا ہے، انشاء اللہ قیامت کے دن تمام مومن اسے ظاہری آنکھوں سے دیکھ لیں گے لیکن انہیں ادراک نہ ہوگا کیونکہ اسے آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں، صرف دو چیزیں دریافت

کریں گے، ایک علم یقین کہ دیکھتے ہیں اور دوسرا حظ ولذت جو رویت سے حاصل ہوگا، سوائے ان دو چیزوں کے باقی تمام لوازمات دید مفقود ہوں گے، یہ مسئلہ علم عقائد کا نہایت ہی دقیق مسئلہ ہے، عقل اس کے اثبات وتصویر میں عاجز ہے، صرف انبیا کرام علیہم السلام کے پیروکار علما وصوفیا نے اس نور فراست سے جو انوار نبوت سے مقتبس ہے دریافت کیا ہے، اسی طرح سے علم کلام کے اور مسائل کا حل ہے جن کے ثابت کرنے میں عقل عاجز ومتحیر ہے ﴿ان میں﴾ علمائے اہل سنت کو صرف نور فراست حاصل ہے، صوفیا کو نور فراست بھی ہے اور کشف وشہود بھی، کشف و فراست میں وہی فرق ہے جو بدیہی اور حسی میں ہے، فراست نظریات کو جن کیلئے دلیل کی ضرورت ہے بدیہات بناتی ہے اور کشف نظریات کو حسیات بناتا ہے اور جن مسائل کے اہلسنت قائل ہیں اور ان کے مخالف جن کا دارومدار صرف عقل پر ہے ان مسائل کے منکر ہیں، وہ تمام مسائل اسی قسم کے ہیں جو نور فراست سے معلوم ہوتے ہیں اور کشف صحیح سے دیکھنے میں آتے ہیں، مگر ان مسائل کو واضح طور پر بیان کیا جائے تو اس سے مقصود تصویر وتنبیہ ہے نہ کہ نظر ودلیل سے ان کا اثبات، کیونکہ عقلی نظر ان کے اثبات وتصویر میں اندھی ہے، مجھے ان علماء پر تعجب آتا ہے جو ان مسائل کو دلائل سے ثابت کرنا اور مخالفوں کیلئے حجت قائم کرنا چاہتے ہیں، نہ ہی یہ ان سے ہوسکتا ہے اور نہ ہی وہ اسے سرانجام دے سکتے ہیں، اس واسطے مخالف خیال کرتے ہیں کہ ان کے مسائل بھی ان کے استدلات کی طرح بودے اور ادھورے ہیں، مثلاً علمائے اہلسنت نے استطاعت مع الفعل کو ثابت کیا ہے، یہ

مسئلہ ایک سچا مسئلہ ہے جو نور فراست اور کشف صحیح سے معلوم ہوتا ہے لیکن جو دلائل اس کے ثبوت میں بیان کئے ہیں وہ سراسر بودے اور نامکمل ہیں، ان کی سب سے زبردست دلیل یہ ہے کہ جوہر کے مقابلہ میں عرض کو دو زمانوں میں عدم بقا ہے کیونکہ اگر عرض باقی ہو تو لازم آتا ہے کہ عرض عرض سے قائم ہو اور یہ محال ہے چونکہ اس دلیل کو مخالفوں نے بودی اور ادھوری خیال کیا ہے اس واسطے ان کا یقین ہو گیا ہے کہ یہ مسلہ بھی ادھورا ہے لیکن مخالفوں کو یہ معلوم نہیں کہ اہل سنت کا رہنما اس مسئلہ اور اسی قسم کے اور مسائل میں نور فراست ہے جو انوار نبوت سے حاصل کیا گیا ہے لیکن یہ ہماری کوتاہی ہے کہ ہم حدسی و بدیہی کو مخالفوں کی نظروں میں نظری بناتے ہیں اور تکلف سے اس کے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، آمدم بر سر مطلب، ہماری حدسی و بدیہی مخالفوں کیلئے حجت نہیں اور نہ بھی ہو تو بھی مضائقہ نہیں، ہمارا کام صرف اطلاع دینا اور پہنچانا ہے، جس میں مسلمانی کی علامات ہیں وہ خود بخود اختیار اور قبول کرے گا اور جو بے نصیب ہے وہ انکار کرے گا، علماء اہلسنت میں شیخ الاسلام شیخ ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب کا طریقہ کیا ہی عمدہ ہے جنہوں نے صرف مقاصد پر اکتفا کیا ہے اور فلسفی باریکیوں اور نکتہ چینیوں سے بالکل روگردانی کر لی ہے، فلسفیوں کی طرح نظر و استدلال کا طریقہ علماء اہل سنت و جماعت میں شیخ ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ سے شروع ہوا ہے، ان کا یہ مدعا تھا کہ کسی طرح اہل سنت کے معتقدات کو فلسفی دلائل سے ثابت کریں، ایسا کرنا مشکل ہے بلکہ ایک طرح سے مخالفوں کو اکابر دین پر طعن کرنے کی جرأت دلانا اور طریق سلف

کوترک کرنا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اہل حق کے معتقدات کی متابعت پر ثابت قدم رکھے، جنہوں نے انوار نبوت 'علیٰ صاحبہا الصلوات و التسلیمات اتمہا و اکملہا' سے نور حاصل کیا ہے۔

منہا: 43

حواس کے بغیر مرتبہ یقین:

میں اس آیہ کریمہ 'واما بنعمة ربك فحدث' کے مطابق اس نعمت عظمیٰ کا اظہار کرتا ہوں کہ مجھے علم کلام کے متعلقہ معتقدات کا یقین اہل سنت و جماعت کی رائے کے موافق عطا ہوا ہے اور یقین آگیا ہے کہ اس کے مقابلے میں یقینی یقین بھی جو سب سے بہتر اور ظاہر تر بدیہیات کی نسبت حاصل ہوا ہے ظن بلکہ وہم معلوم ہوتا ہے، مثلاً جب میں علم عقائد کے مسائل کے متعلق حاصل شدہ یقین کا مقابلہ اس یقین سے کرتا ہوں جو وجود آفتاب کی نسبت مجھے حاصل ہے تو اول الذکر کو موخر الذکر کی نسبت یقینی جانتا ہوں، ارباب عقل خواہ اس بات کو قبول کریں یا نہ کریں بلکہ بالضرور قبول نہیں کریں گے کیونکہ یہ بات عقل سے پرے ہے، ظاہر میں عقل کو اس مقام سے سوائے انکار کے اور کچھ حاصل نہیں، اس معاملہ کی حقیقت یہ ہے کہ یقین دل کا کام ہے اور وہ یقین جو دل کو آفتاب کے وجود کی طرح حاصل ہوتا ہے وہ حواس خمسہ کے وسیلے سے ہوتا ہے جو بمنزلہ جاسوس ہیں اور جو یقین دل کو علم عقائد کے مسائل کے متعلق حاصل ہوا ہے اس میں ان حواس خمسہ میں سے کسی

ایک کا بھی دخل نہیں بلکہ یہ یقین جناب باری تعالیٰ سے بطریق الہام بلاواسطہ ہوا ہے، پس پہلا یقین بمنزلہ علم الیقین ہے اور دوسرا بمنزلہ عین الیقین، سو علم الیقین اور عین الیقین میں بڑا فرق ہے……… شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔

……﴿منہا: 44﴾……

ارادے کی فنا:

جب محض فضل الٰہی سے طالب کا سینہ تمام مرادات سے خالی ہو جاتا ہے اور سوائے حق کے اور کوئی اسے خواہش نہیں رہتی تو اس وقت وہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے جو اس کے پیدا کرنے سے تھا اور وہ حقیقی بندگی بجالاتا ہے، بعد ازاں اگر چاہتے ہیں تو اسے ناقصوں کی تربیت کیلئے واپس کرتے ہیں اور اپنے پاس سے اسے ارادہ عطا فرماتے ہیں اور اختیار عنایت کرتے ہیں جس کے سبب سے وہ قولی اور فعلی تصرفات میں مجاز و مختار ہوتا ہے جیسا کہ اذن دیا ہوا غلام، مقام تخلق باخلاق اللہ میں صاحب ارادہ جو کچھ چاہتا ہے دوسروں کے واسطے چاہتا ہے نہ کہ اپنے لئے اور دوسروں کی مصلحتیں اس کے مد نظر ہوتی ہیں نہ کہ اپنے نفس کی جیسا کہ واجب تعالیٰ کے ارادے کا حال ہے ﴿کہ جو کچھ کرتا ہے مخلوق کی خاطر کرتا ہے﴾ بلکہ بلند ترین مثال اللہ کے لیے ہے، یہ نہ ضروری ہے اور نہ جائز کہ جو کچھ یہ صاحب ارادہ چاہے ظہور میں آئے کیونکہ ایسا ہونا شرک ہے اور بندگی اس کی برداشت نہیں کر سکتی چنانچہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے حبیب کریم ﷺ کو فرمایا: 'انك لا تهدى من احببت ولكن الله يهدى من يشاء' جسے تو چاہے ﴿بالذات﴾

ہدایت نہیں کر سکتا جسے اللہ تعالیٰ چاہے اسے ہدایت کرتا ہے، جب آنحضرت ﷺ کا ارادہ توقف میں پڑے تو دوسروں کی کیا ہستی ہے نیز یہ بھی ضروری نہیں کہ صاحب ارادہ کی تمام مرادیں مرضی حق کے مطابق ہوں اگر ایسا ہوتا تو جناب باری تعالیٰ سے آنحضرت ﷺ پر اعتراض نازل نہ ہوتا 'قولہ تعالیٰ' ما کان لنبی الخ 'اور معافی کی گنجائش نہ ہوتی' عفا اللہ عنك' اللہ تعالیٰ نے تجھے معاف کیا، معافی ہمیشہ تقصیرات[1] میں ہوتی ہے، تمام مراداتِ حق بھی مرضیاتِ حق نہیں، مثلاً کفر و گناہ۔

---

[1] یہاں تقصیرات سے مراد اگر اولیا کرام کی تقصیرات ہیں تو بات اور ہے اور اگر ان کی نسبت حضور سراپا نور ﷺ کی طرف ہے تو ان کا مطلب گناہ کبیرہ اور صغیرہ نہیں کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ انبیا کرام ؑ کبیرہ اور صغیرہ گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں، یہاں تقصیرات سے مراد وہ دنیوی احکام ہیں جن میں آپ کو اجتہاد کا اختیار دیا جاتا تھا اور بسا اوقات امت کی بہتری کے لیے آپ افضل اور اولیٰ کام کو ترک کر کے امر فاضل کا اکتساب کرتے تھے، بنا بریں اللہ تعالیٰ کی طرف سے صورتاً عتاب ہوتا تھا جو حقیقتاً محبت الٰہی کا ایک حسین باب ہوتا تھا کیونکہ انبیا کرام کا ترکِ افضل غیر انبیا کے ترکِ واجب کے بمنزلہ ہے، ﴿شرح فقہ اکبر:۲۱﴾ حدیث پاک میں ہے کہ حضور سراپا نور ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم ؓ کی آمد پر فرمایا: 'مرحبا بمن عاتبنی فیہ ربی' ﴿مرحبا جس کی وجہ سے میرے رب نے مجھ پر عتاب فرمایا﴾، ﴿تفسیر مظہری:۱۹۷/۱۰﴾ نیز حدیث پاک میں ہے 'عتب اللہ علیہ' ﴿اللہ تعالیٰ نے موسیٰ ؑ پر عتاب فرمایا﴾، ﴿صحیح بخاری:۲۳/۱﴾ امام بیضاوی، امام رازی، امام آلوسی، امام ابن حجر عسقلانی اور امام عمر نسفی ؒ جیسے علمائے دین نے تصریح فرمائی ہے کہ دنیوی معاملات میں بعض اوقات انبیا کرام ؑ کے اجتہاد میں خطا ﴿یعنی خلاف اولیٰ﴾ کا احتمال ممکن ہے لیکن عصمت نبوت کی وجہ سے اس پر استقرار نہیں رہتا تھا جبکہ دینی امور میں خطا کا صدور ناممکن ہے اور ان کو ہر قسم کے اجتہاد پر اجر بھی ملتا تھا، اس سے انکی امتوں میں اجتہاد اور معاملات میں مشاورت کا جذبہ بیدا ہوتا تھا۔

……﴿منہا:45﴾……

قرآن اور مقام ہدایت:

اس کام میں میرا امام کلام اللہ اور میرا پیر قرآن مجید ہے، اگر قرآن شریف کی ہدایت نہ ہوتی تو حقیقی معبود کی عبادت کی راہ نہ کھلتی، اس راہ میں ہر ایک لطیف والطف انا اللہ پکار کر سالکِ راہ کو اپنی پرستش میں ﴿مصروف﴾ کر لیتا ہے اگر چون ہے تو اپنے آپ کو بیچون ظاہر کرتا ہے، اگر تشبیہ ہے تو تنزیہ کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے، یہاں امکان و وجوب آپس میں خلط ملط ﴿دکھائی دیتے﴾ ہیں اور حدوث وقدم گڈمڈ ﴿محسوس ہوتے﴾ ہیں، اگر باطل ہے تو حق کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، اگر گمراہی ہے تو ہدایت کی شکل میں نمودار ہوتی ہے، بیچارہ سالک اندھے مسافر کی طرح ہے کہ ہر ایک کو ’ھذا ربی‘ یہی میرا پروردگار ہے، کہتا آتا ہے، اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے آپ کو زمین وآسمان کا پیدا کرنے والا اور مشرق ومغرب کا پروردگار بتاتا ہے، جب مجھے عروج کے وقت یہ خیالی معبود پیش کئے گئے تو میں نے سب سے انکار کیا اور سب زائل ہو گئے، اس واسطے میں نے ’لا احب الافلین‘ میں غروب وزائل ہونے والوں سے پیار نہیں کرتا، کہتے ہوئے سب سے منہ پھیرا اور سوائے ذات واجب الوجود کے اور کسی کو قبلہ توجہ نہ بنایا، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اس بات کی ہدایت کی، اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت نہ کرتا تو کبھی سیدھی راہ پر نہ آتے، ہمارے پروردگار کے رسول سب

سچے ہیں جو کچھ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں سچ اور حق ہے۔

منہا: 46

خواجہ باقی رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدتِ مجدد:

ہم چار شخص اپنے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ملازمت میں باقی تمام یاروں سے ممتاز تھے، ہم چاروں کا اعتقاد خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت الگ الگ تھا اور ہمارا معاملہ بھی ایک دوسرے سے نرالا تھا، میرا یہ یقین تھا کہ اس قسم کی صحبت و اجتماع اور اس طرح کی تربیت اور ارشاد جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے بعد کبھی میسر نہیں ہوئی، اس نعمت کا شکر بجا لایا کرتا تھا کہ مجھے جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف تو حاصل نہیں ہوا لیکن اس صحبت کی سعادت سے محروم نہیں رہا، ہمارے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے باقی تین کے احوال کی نسبت یوں فرمایا کہ فلاں شخص مجھے صاحب تکمیل جانتا ہے لیکن صاحب ارشاد خیال نہیں کرتا، اس کے نزدیک ارشاد کا مرتبہ تکمیل کے مرتبے سے زیادہ ہے، دوسرے کی نسبت فرمایا کہ اس کا ہم سے کچھ سروکار نہیں، تیسرے کی نسبت فرمایا کہ وہ ہمارا منکر ہے، ہم میں سے ہر ایک کو اعتقاد کے موافق حصہ ملا، واضح رہے کہ مرید کو اپنے پیر سے جو محبت ہوتی ہے اور فائدہ اٹھانے اور پہنچانے کے سبب کی مناسبت کا نتیجہ پیر کو افضل اور اکمل جاننا ہے، لیکن یہ ضروری ہے کہ پیر کو ان لوگوں سے افضل نہ جانے جن کی فضیلت شرع میں مقرر ہے کیونکہ ایسا کرنا افراط میں داخل ہے اور اچھا نہیں،

شیعہ لوگوں کی خرابی محض اہل بیت سے محبت کی افراط سے ہوئی ہے اور عیسائیوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی افراط محبت سے ﴿یہ خرابی ملی ہے﴾ کہ انہیں اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے ہیں، اسی واسطے ابدی نقصان میں مبتلا ہیں لیکن اگر ان کے سوا فضیلت دے تو جائز ہے بلکہ طریقت میں واجب ہے، یہ فضیلت دینا مرید کے اختیار میں نہیں بلکہ اگر مرید سعادت مند ہے تو خود بخود بے اختیار اس میں یہ اعتقاد پیدا ہو جاتا ہے اور اس کے وسیلے سے پیر کے کمالات کو حاصل کرتا ہے، اگر یہ فضیلت دینا مرید اپنے اختیار وتکلف سے پیدا کرے تو جائز نہیں اور نہ اس کا کچھ نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔

……﴿منہا: 47﴾……

نفی واثبات کا ذکر:

نفی واثبات میں اعلیٰ درجہ لا الہ الا اللہ کے کلمہ طیبہ میں یہ ہے کہ جو کچھ دیدو دانش اور کشف وشہود میں آئے خواہ وہ محض تنزیہ وبے کیف ہو سب کچھ لا کے تحت میں داخل ہو اور اثبات کی جانب میں سوائے اللہ کہنے کے جو دل کی موافقت سے کہا جائے اور کچھ نصیب نہ ہو ؎

عنقا شکار کس نشود دام باز چین
کایں جا ہمیشہ باد بدست است دام را

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ والتزم متابعة المصطفیٰ علیه وعلیٰ اله الصلوت والتسلیمات۔

﴿منہا:48﴾

حقائق ثلاثہ کا بیان:

قرآنی حقیقت اور کعبہ ربانی کی حقیقت دونوں حقیقت محمدی سے اوپر ہیں، یہی وجہ ہے کہ قرآنی حقیقت حقیقت محمدی کی امام اور کعبہ ربانی کی حقیقت حقیقت محمدی کا مسجود ہے، باوجود اس بات کے کہ کعبہ ربانی کی حقیقت قرآنی حقیقت سے بڑھ کر ہے، وہاں سر بسر بے صفتی اور بے رنگی ہے اور شیون و اعتبارات کی وہاں گنجائش نہیں، تنزیہ و تقدیس کی وہاں مجال نہیں .... آنجا ہمہ آنست کہ برتر زبیان است .... یہ ایسی معرفت ہے جس کے بارے میں کسی اہل اللہ نے لب کشائی نہیں کی اور رمز اور اشارہ کے طور پر بھی اس کے متعلق بات نہیں کی، مجھے اس معرفت عظمیٰ سے مشرف کیا ہے اور ابنائے جنس میں ممتاز فرمایا ہے، یہ سب کچھ حبیب خدا ﷺ کے صدقے نصیب ہوا ہے۔

واضح رہے کہ جس طرح چیزوں کی صورتوں کا مسجود صورت کعبہ ہے اسی طرح ان اشیاء کے حقائق کا مسجود حقیقت کعبہ ہے، میں ایسی عجیب بات بیان کرتا ہوں کہ جسے نہ کسی نے کہا نہ سنا، مجھے اللہ تعالیٰ نے خبر دی اس واسطے میں لوگوں کو اس سے آگاہ کرتا ہوں، یہ سب کچھ اس کے فضل و کرم سے ہے، جناب سرور کائنات ﷺ کے عہد مبارک سے کچھ اوپر ہزار سال بعد ایسا زمانہ آرہا ہے کہ حقیقت محمدی اپنے مقام سے عروج فرمائے اور حقیقت کعبہ کے مقام سے مل کر

ایک ہو جائے، اس وقت حقیقت محمدی کا نام حقیقت احمدی ہو اور وہ ذات احد کا مظہر بنے اور دونوں مبارک نام مسمیٰ کو حاصل ہوں اور پہلا مقام حقیقت محمدی سے خالی ہو جائے جب تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں اور شریعت محمدی پر عمل کریں، اس وقت حقیقتِ عیسوی اپنے مقام سے عروج کر کے حقیقتِ محمدی کے خالی شدہ مقام میں قرار کرے گی۔

منہا:49

کلمہ طیبہ کی فضیلت:

اگر کلمہ لا الہ الا اللہ نہ ہوتا تو جناب باری کی راہ کون دکھاتا اور توحید کے چہرہ پر سے نقاب کون اٹھاتا اور جنت کے دروازے کون کھولتا، بکثرت صفات بشریت اس لا کے کدال سے اکھیڑی جاتی ہیں اور بے شمار تعلقات اس نفی کے تکرار کی برکت سے دور ہوتے ہیں، اس کلمہ کی نفی باطل معبودوں کو مات کرتی ہے اور اس کلمہ کا اثبات معبود حقیقی کو ثابت کرتا ہے، سالک اس کی مدد سے امکانی مدارج طے کرتا ہے اور عارف اس کی برکت سے وجوبی معارج پر چڑھتا ہے، یہ کلمہ طیبہ ہی ہے جو تجلیات صفات میں پہنچاتا ہے اور پھر تجلیات صفات سے تجلیات ذات تک لے جاتا ہے۔

تابجا روب لا نروبی راہ
نرسی درسرائے الا اللہ

والسلام علٰی من اتبع الهدیٰ والتزم متابعة المصطفیٰ علیه وعلیٰ اله الصلوٰت والتسلیمات۔

...... منہا: 50 ......

کیا معوذتین داخل قرآن نہیں:

مخدومی شیخ شرف الدین منیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ معوذتین کو نماز میں نہیں پڑھنا چاہئے، کیونکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان دونوں سورتوں کی قرآنیت میں جمہور کے مخالف ہیں، پس ان دونوں سورتوں کی قرأت کو فرض قطعی میں شمار نہیں کرنا چاہئے، میں بھی نہیں پڑھتا تھا حتیٰ کہ ایک روز اس فقیر پر ظاہر کیا گیا کہ گویا معوذتین موجود ہیں اور مخدوم شرف الدین کی شکایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرض میں ان کی قرأت کو کیوں ترک کیا گویا ہمیں قرآن شریف سے نکالا ہے، تب سے میں نے ان کا پڑھنا شروع کیا، چنانچہ نماز فریضہ میں پڑھنے لگا، جب ان دونوں سورتوں کو نماز فریضہ میں پڑھتا ہوں تو عجیب وغریب احوال کا مشاہدہ کرتا ہوں، واقعی جب علم شریعت کی طرف رجوع کیا جائے تو ان دو سورتوں کو نماز فریضہ میں نہ پڑھنے کیلئے کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی بلکہ اس متفق علیہ حکم کی قطعیت میں شبہ ڈالنا ہے کہ جو کچھ دفتین کے اندر ہے وہ قرآن ہے، جب سورۂ فاتحہ سے سورہ کا ملانا واجب ہے تو پس دونوں سورتوں کا پڑھنا خواہ وہ بالفرض والمحال خواہ ظنی ہی ہوں کوئی وجہ نہیں کہ انہیں فاتحہ کے ساتھ ملا کر نہ پڑھا جائے، مجھے تو شیخ منیری رحمۃ اللہ علیہ کے اس

کلام پر سخت تعجب آتا ہے،[1] والسلام علیٰ سید البشر و اله الاطهر۔

……﴿منہا: 51﴾……

شیخ کامل کی اتباع:

صوفیوں کے طریق بلکہ مذہب اسلام سے حظ وافر اسی شخص کو حاصل ہو سکتا ہے جس میں تقلید کی فطرت اور متابعت کی جبلت زیادہ ہو، یہاں کام کا دارومدار تقلید پر ہے، اسی مقام پر کام متابعت سے وابستہ ہے، انبیا کرام علیہم السلام کی تقلید اعلیٰ درجات پر پہنچاتی ہے اور نیک لوگوں کی متابعت اعلیٰ عروج پر پہنچاتی ہے، امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق ؓ میں چونکہ یہ فطرت زیادہ تھی اس لئے بلا توقف تصدیق نبوت کی سعادت حاصل کی اور صدیقوں کے سردار بن گئے، ابو جہل لعین میں چونکہ تقلید اور متابعت کا مادہ کم ﴿بلکہ ناپید﴾ تھا اس واسطے اس سعادت سے مشرف نہ ہوا اور ملعونوں کا پیشوا بن گیا، مرید کو جو کمال حاصل ہوتا ہے اپنے پیر کی تقلید سے حاصل ہوتا ہے، پیر کی خطا مرید کے صواب سے بہتر ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق ؓ جناب سرور کائنات ﷺ کے سہو کو طلب کرتے

---

[1] شرح مواقف میں ہے کہ قرآن کریم کی بعض سورتوں میں بعض صحابہ کرام کا جو اختلاف منقول ہے وہ اخبار آحاد سے ہے اور ان سورتوں کا قرآن ہونا تواتر سے ثابت ہے، آحاد میں اتنی قوت نہیں کہ وہ تواتر کے معارض ہو سکیں اور نہ ہی ظن یقین سے مزاحم ہو سکتا ہے ﴿تفسیر روح المعانی﴾ امام نووی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود ؓ سے جو معوذتین کی عدم قرآنیت کی نقل منقول ہے وہ باطل ہے اور امام رازی نے بھی اس کو باطل قرار دیا ہے۔

تھے 'یـالیتنی کنت سھو محمدٍ '[1] کاش! میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا سہو بن جاتا، جناب سرور کائنات ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا ہے ' سین بـلال عنـد الـلـه شین ' حضرت بلال رضی اللہ عنہ عجمی تھے، اس لئے اذان میں بجائے اشھد کے اسہد کہا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا اسہد اشہد ہے، پس حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی خطا دوسروں کی درستی سے بہتر ہے........... بر اشہد تو خندہ زند اسہد بلال........... میں نے ایک بزرگ سے سنا ہے جو فرماتے تھے کہ بعض دعائیں جو مشائخ سے منقول ہیں اور جن میں مشائخ سے اتفاقاً غلطی ہوگئی ہے اور تلفظ بگڑ گیا ہے اگر ان کے تابعین اور پیروکار اپنے مشائخ کی طرح پڑھیں تو تاثیر ہوتی ہے اگر درست کر کے پڑھیں تو تاثیر نہیں ہوتی، یا اللہ ہمیں انبیا کرام کی تقلید اور اولیا کرام کی متابعت پر بحرمت حبیب خدا ﷺ ثابت قدم رکھنا۔

......﴿منہا:52﴾......

انبیا کے درجات اور تجلی ذات:

عوام الناس تو در کنار تمام مرسلوں کے جناب سرور کائنات ﷺ سردار ہیں، اگرچہ حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کو حسب درجہ مقام تجلی ذات سے کچھ

---

[1] حدیث پاک ہے کہ میں بھولتا نہیں بھلایا جاتا ہوں ﴿تا کہ امت کے لیے بہت سے احکام وضع کر دیے جائیں﴾ قرآن پاک میں بھی ہے ہم آپ کو پڑھائیں گے، پس آپ نہ بھولیں گے مگر اس کے جو اللہ چاہے، یاد رہے کہ عوام کا سہو مبنی بر غفلت ہوتا ہے اور خواص کا سہو مبنی بر حکمت ہوتا ہے۔

حاصل ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا ہے 'اصطنعتك لنفسی ای لذاتی' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ ہیں اور اسکا کلمہ ہیں اور آنحضرت ﷺ سے بہت زیادہ مناسبت رکھتے ہیں لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام حالانکہ مقام تجلی صفات میں ہیں، پھر بھی تیز چشم اور دور بین ہیں، جو خاص شان ہمارے پیغمبر علیہ السلام کو تجلی ذات کے مقام میں نصیب ہوئی وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تجلی صفات کے مقام میں حاصل ہو گئی لیکن استعداد دونوں کی مختلف ہے، پس اس لحاظ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام دونوں یعنی حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام سے افضل ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑھ کر ہے، [1] آپ ان کی نسبت تیز نظر اور دور بین ہیں، ان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام ہیں، آپ کا مقام مقام صفات میں اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقام سے اوپر ہے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس مقام میں خاص شان حاصل ہے اور آپ کی نظر کو وہ تیزی حاصل ہے جو دوسروں کو میسر نہیں، لیکن آپ کی اولاد کرام کو بھی بطور تبعیت و فرعیت اس مقام سے حصہ حاصل ہے، حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت آدم علیہ السلام ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے

---

[1] مکتوبات کی عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام افضل ہیں، ان دو قولوں کے درمیان تطبیق اس طرح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد حضور علیہ السلام کی اتباع فرمائیں گے تو یہ ان کی جامعیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت زیادہ ظاہر ہے۔ ﴿مجموعہ رسائل: ۱۲۹﴾

مجھے ان باتوں کے الہام سے سرفراز فرمایا، علم اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے۔

منہا:53

اسما اور صفات کی سیر:

جس سالک کی سیر اسما اور صفات کی تفصیل میں ہو اس کا ذات حق تک پہنچنا بند ہو جاتا ہے کیونکہ اسما اور صفات کی کوئی انتہا نہیں، نہ یہ ختم ہوتے ہیں نہ وہ منزل مقصود پر پہنچتا ہے، مشائخ نے اس مقام کی خبر دی ہے کہ مراتب وصول کی کوئی انتہا نہیں اس واسطے کہ محبوب کے کمالات کی کوئی انتہا نہیں، یہاں وصول سے مراد اسمائی و صفاتی وصول ہے، سعادت مند وہ شخص ہے جس کی سیر اسما اور صفات میں بطریق اجمال واقع ہوئی ہے اور جلدی خدا رسیدہ ہو گیا ہے، واصلانِ ذات جب نہایت النہایت پر پہنچتے ہیں تو دعوت کیلئے ان کا واپس آنا لازم ہے اور وہاں سے واپس نہ آنا محال ہے برخلاف اس کے متوسط جب اپنی استعداد کے موافق آخری مقام پر پہنچ جاتے ہیں تو ان کیلئے واپس آنا لازم نہیں، ہوسکتا ہے کہ واپس آئیں یا وہیں ٹھہرے رہیں، پس منتہی کے وصول کے مراتب ختم ہو جاتے ہیں بلکہ لازم ہے کہ پورے ہو جائیں لیکن متوسطوں کے وصول کے مراتب کی جو اسمائی و صفاتی تفصیل میں سیر کرتے ہیں کوئی انتہا نہیں، یہ علم بھی میرا مخصوص علم ہے، والعلم عند اللہ سبحانہ۔

…… منہا: 54 ……

مقام رضا کی برتری:

مقام رضا مقامات ولایت سے بڑھ کر ہے، یہ مقام تمام سلوک و جذبہ طے کر لینے کے بعد حاصل ہوتا ہے، اگر یہ پوچھیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات اور اس کے افعال سے رضا واجب ہے اور نفسِ ایمان میں ماخوذ ہے لہذا جس سے عام مومنوں کو چارہ نہیں تو پھر سلوک و جذبہ کے تمام پر اس کے حصول کے کیا معنی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح ہر رکن ایمان کی صورت و حقیقت ہے اسی طرح رضا کی بھی صورت و حقیقت ہے، شروع میں صورت کا وجود ہوتا ہے اور آخر میں حقیقت حاصل ہوتی ہے، جب منافی رضا ظاہر نہ ہو تو ظاہر شریعت حصول رضا کا حکم فرماتی ہے لیکن تصدیق قلبی کے طور پر کہ جب کوئی بات منافی تصدیق نہ پائی جائے تو تصدیق حاصل ہو جاتی ہے اور ہم حقیقتِ رضا کے حصول کے درپے ہیں نہ کہ صورت رضا کے، اللہ سبحانہ اعلم۔

…… منہا: 55 ……

سنت اور بدعت:

اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ سنت نبوی ﷺ کے موافق عمل حاصل ہو اور بدعت سے بچنا نصیب ہو، خاص کر ایسی بدعت سے جس سے سنت رفع ہوتی ہو، جناب سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں 'من احدث فی دیننا فھو رد' جوئی

بات اس دین میں نکالی جائے وہ رد ہے، ان لوگوں پر مجھے تعجب آتا ہے کہ دین میں حالانکہ وہ مکمل اور پورا ہے نئی شاخیں نکالتے ہیں اور ان سے دین متین کی تکمیل کرنا چاہتے ہیں اور اس بات سے نہیں ڈرتے کہ کہیں ان بدعتوں سے سنت رفع نہ ہو جائے مثلاً شملہ دونوں کندھوں کے بیچ رکھنا سنت ہے لیکن بہت سے لوگوں نے شملے کو بائیں طرف لٹکانا اختیار کیا ہے، اس عمل سے وہ مردوں سے مشابہت پیدا کرنا چاہتے ہیں، بہت سے لوگوں نے اس معاملہ میں ان کی پیروی کی ہے، یہ فعل سنت سے بدعت اور بدعت سے حرمت تک پہنچاتا ہے، کیا جناب سرور کائنات ﷺ سے مشابہ ہونا اچھا ہے یا مردوں سے، جناب سرور کائنات ﷺ موت سے پہلے موت سے مشرف ہوئے ہیں، اگر فوت شدہ ہی سے تشبیہ درکار ہے تو ﴿پھر بھی﴾ آنحضرت ﷺ سے کرو اور عجب بات یہ ہے کہ مردے کو عمامہ پہنانا ہی بدعت ہے چہ جائے کہ شملہ چھوڑا جائے بعض متاخرین نے جو عالم کی میت کیلئے عمامہ کو جائز قرار دیا ہے، میری رائے میں زیادتی ہے اور زیادتی نسخ ہے اور نسخ عین رفع ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں متابعتِ سنت نبوی ﷺ پر ثابت قدم رکھے اور آمین کہنے والے بندے پر رحم کرے۔

...... ﴿منہا:56﴾ ......

جنوں کے بارے میں کشف:

ایک روز جنوں کا حال مجھ پر منکشف فرمایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ جن گلی

کوچوں میں عام آدمیوں کی طرح چلتے پھرتے ہیں اور ہر ایک جن کے سر پر ایک فرشتہ مقرر کیا ہوا ہے کہ وہ جن اس موکل کے ڈر کے مارے سر نہیں اٹھا سکتا اور دائیں بائیں نہیں دیکھ سکتا، قیدیوں اور گرفتاروں کی طرح چل رہے ہیں، ان میں مخالفت کی مجال بالکل نہیں، ہاں جب اللہ تعالیٰ چاہے تو ان سے کچھ ظہور میں آتا ہے، اس وقت مجھے ایسا معلوم ہوا کہ گویا موکل کے ہاتھ میں لوہے کا گرز ہے کہ اگر جن ذرا بھی مخالفت کرے تو ایک ہی چوٹ سے اس کا کام تمام کردے ؂

خدائے کہ بالا و پست آفرید
زبردستِ ہر دست آفرید

……﴿منہا: 57﴾……

ولی کی جزئی فضیلت:

ولی کو جو کمال حاصل ہوتا ہے یا جس درجے پر پہنچتا ہے اپنے نبی کے طفیل پہنچتا ہے، اگر متابعتِ نبوی نہ ہوتی تو نفسِ ایمان ظاہر نہ ہوتا اور اعلیٰ درجات کی راہ نہ کھلتی، پس اگر ولی کو کوئی جزوی فضل حاصل ہو جو نبی کو حاصل نہیں تھا اور کوئی ایسا خاص درجہ مل جائے جو نبی کو میسر نہیں تھا تو نبی کو بھی اس جزوی فضل اور اس خاص درجہ سے حصہ ملتا ہے کیونکہ ولی کو وہ کمال اس نبی کی متابعت سے حاصل ہوا ہے اور یہ اس کی سنت کی پیروی کا نتیجہ ہے، پس لامحالہ نبی کو اس کمال سے پورا حصہ حاصل ہوتا ہے جیسا کہ سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں 'من سن سنة حسنة فله اجرها

واجر من عمل بها، جس نے کوئی نیک طریقہ جاری کیا اسے اس طریقے پر عمل کرنے والے کا بھی اجر ملتا ہے، لیکن ولی اس کمال کے حصول میں سابق ہے اور اس درجہ کے وصول میں مقدم ہے اس قسم کی فضیلت ولی کو نبی پر جائز ہے جو جزئی ہو، جو کلیۃ معارض نہ ہو، صاحبِ فصوص ﴿شیخ محی الدین ابن العربیؒ﴾ نے جو فرمایا ہے کہ خاتم النبوت علوم و معارف کو خاتم الولایت سے اخذ کرتا ہے اس سے مراد یہی معرفت ہے جس سے مجھے ممتاز فرمایا گیا ہے اور جو سراسر شریعت کے موافق ہے، فصوص کے شارحین نے اس کی تصحیح میں تکلف سے کام لیا ہے اور کہا ہے کہ خاتم ولایت خاتم نبوت کا خزانچی ہوتا ہے اگر بادشاہ اپنے خزانچی سے کچھ لے تو نقص لازم نہیں آتا، اصل حقیقت وہی ہے جو میں نے تحقیق کی ہے، انہوں نے یہ تکلف اس واسطے کیا ہے کہ معاملہ کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکے، اللہ تعالیٰ امور کی اصلِ حقیقت سے اچھی طرح واقف ہے، والصلوۃ والسلام علیٰ سید البشر والہ الاطہر۔

......﴾منہا: 58﴿......

نبی کی کلی فضیلت:

ولی کی ولایت اس کے نبی کی ولایت کا جزو ہوتی ہے، ولی کو خواہ کتنے ہی اعلیٰ درجات حاصل ہو جائیں پھر بھی وہ درجات اس نبی کے درجات کا جزو ہوتے ہیں، جزو خواہ کتنا ہی بڑا ہو جائے پھر بھی کل سے کم ہی رہے گا کیونکہ "کل ہمیشہ اپنے جزو سے بڑا ہے" ایک بدیہی قضیہ ہے، وہ شخص احمق ہے جو یہ خیال کرتا ہے کہ جزو کل

سے بڑا ہوتا ہے حالانکہ کل دیگر اجزا کے علاوہ اس جزو سے بھی عبارت ہے۔

منہا: 59

صفات باری کا تعارف:

اللہ تعالیٰ کی صفات واجبی تین قسم کی ہیں، پہلی قسم کی صفات اضافی ہیں، مثلاً خالقیت اور رازقیت، دوسری حقیقی لیکن اضافت کی جھلک لیے ہوئے ہیں، مثلاً علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام، تیسری محض حقیقی مثلاً حیات، اس میں اضافی ہرگز ملاوٹ نہیں، اضافت سے ہماری مراد ہے جہان کا لگاؤ، تیسری قسم تمام اقسام سے افضل ہے اور اس میں تمام اقسام جمع ہیں، یہ امہات صفات سے ہے، علم کی صفت باوجود جامعیت کے صفت حیات کی تابع ہے، صفات وشیونات کا دائرہ حیات پر جا ختم ہوتا ہے، وصول مطلوب کا دروازہ یہی ہے چونکہ صفت حیات صفت علم سے بڑھ کر ہے اس واسطے ضروری ہے کہ مراتب علم طے کرنے کے بعد اس تک پہنچیں، علم یا ظاہری ہوتا ہے یا باطنی یا شریعت کا ہوتا ہے یا طریقت کا بہت ہی کم اشخاص اس دروازے میں داخل ہوئے ہیں صرف کوچوں کے پیچھے سے اندر دیکھتے ہیں ایسے دیکھنے والے بھی نہایت ہی کم ہیں اگر اس بھید کی رمز ظاہر کردوں تو گلا کٹ جائے۔

ومن بعد هذاما يدق صفاته
وما كتمه احظى لدى اجمل

والسلام على من اتبع الهدیٰ والتزم متابعة المصطفیٰ علیه وعلیٰ اله الصلوٰة والسلام۔

……﴿منها:60﴾……

حق تعالیٰ بے مثل و بے مثال ہے:

حضرت حق سبحانہ تعالیٰ مثل سے منزہ ہے، کوئی چیز اس کی مانند نہیں لیکن مثال کو جائز قرار دیا ہے اور مثل تجویز کی ہے، اللہ تعالیٰ کیلئے مثل اعلیٰ ہے، ارباب سلوک اور اصحاب کشوف کو مثال سے تسلی دیتے ہیں اور خیال سے آرام بخشتے ہیں، بیچون کو چون کی مثال سے دکھاتے ہیں اور وجوب کو امکان کی صورت میں جلوہ گر کرتے ہیں، بے چارہ سالک مثال کو عین صاحب مثال خیال کرتا ہے اور صورت کو عین ذی صورت سمجھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے احاطہ کی صورت کو چیزوں میں دیکھتا ہے اور اس احاطہ کی مثال کو جہان میں مشاہدہ کرتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ احاطہ میں حق کی کیفیت دکھائی دے رہی ہے لیکن دراصل ایسا نہیں بلکہ حق تعالیٰ کا احاطہ بیچون وبچگون ہے اور نہ وہ شہود میں آسکتا ہے اور نہ کسی پر ظاہر ہوسکتا ہے، اس بات پر ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر محیط ہے لیکن یہ ہم نہیں جانتے کہ اس کا احاطہ کیا ہے اور جو کچھ ہمیں معلوم ہے وہ اس احاطہ کی شبہ اور مثال ہے نہ کہ حقیقت بلکہ اس کی حقیقت کی کیفیت نامعلوم ہے، یہ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ قریب ہے اور ہمارے ساتھ ہے لیکن یہ ہم نہیں جانتے کہ اس کا قرب ومعیت کس طرح کے ہیں، ممکن ہے کہ جو حدیث نبوی ﷺ میں آیا ہے 'یتجلی ربنا ضاحکا' ہمارا پروردگار ہنستا ہوا ظاہر ہوا، یہ ﴿ممکن ہے کہ﴾

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلحاظ صورت مثالی فرمایا ہو یعنی کمال رضا کے حصول کو مثال میں بصورت خندہ دکھایا ہو اور ہاتھ، چہرے، قدم اور انگلیوں کا اطلاق بھی صورت مثالی کے لحاظ سے ہو، مجھے اللہ تعالیٰ نے اسی طرح سکھایا ہے، اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے مخصوص کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے، وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد والہ وسلم وبارك۔

……﴿منها: 61﴾……

عرفانِ مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو سمجھنے کا اسلوب:

اگر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی عبارات میں جو آپ نے احوال و مواجید اور علوم و معارف کے بیان میں لکھی ہیں کسی قسم کا تناقض یا تدافع معلوم ہو تو یہ گمان نہیں کرنا چاہئے کہ واقعی ایک دوسرے کے نقیض ہیں بلکہ یہ خیال کرنا چاہئے کہ مختلف اوقات میں مختلف وضع پر یہ عبارات لکھی گئی ہیں کیونکہ ہر وقت احوال و مواجید مختلف ہوا کرتے ہیں اور ہر ایک وضع میں علوم و معارف جدا ہیں، پس درحقیقت یہ تناقض اور تدافع نہیں، اس کی مثال احکام شرعیہ کی طرح ہے کہ نسخ و تبدیل کے بعد متناقض احکام جاری ہوتے ہیں، جب اوقات و اوضاع کے اختلاف کو ملحوظ رکھا جائے تو وہ تناقض و تدافع اٹھ جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ہی کیلئے حکمت ہے، اس میں عین حکمت و مصلحت ہے تو کسی قسم کا شک نہ کرنا، وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد والہ وسلم وبارك، انٰ عجیب وغریب بلند نکات کا جامع محمد صدیق

بدخشی کشمی ملقب بہ ہدایت کہتا ہے کہ مبداء و معاد کے ان معارف شریفہ عالیہ کی تسوید سے مجھے ماہ رمضان المبارک ۱۰۱۹ ہجری کے آخر میں دوران اعتکاف فراغت ہوئی ۔

این نسخہ کہ مبداء و معاد است بنام
زانفاس نفیس حضرت فخر کرام
چوں کرد ہدایت اقتباس از سر صدق
در سال ہزار و نوز دہ گشت و تمام

……

﴿قاضی ثنا اللہ رحمۃ اللہ علیہ پانی پتی کا ارشاد﴾

جب پہلا ہزارہ گزر گیا اور ایک اولوالعزم مرد کامل کی باری آئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنی عادت قدیمہ کے تحت دوسرے ہزارے کے لیے ایک مجدد پیدا فرمایا کہ تمام اولیا کرام میں ان جیسا اولوالعزم مجدد کوئی نہ ہوگا اس کو نبیوں رسولوں اور رسول کریم ﷺ کی طینت سے پیدا فرمایا، وہ مقامات و کمالات عطا فرمائے گئے جو کسی نے نہ دیکھے تھے اور آخر زمانے میں اس کے طفیل یہ کمالات عام اور ظاہر کیئے گئے ۔ ﴿ارشاد الطالبین: ۶۳﴾

……

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکاشفاتِ عینیہ

از

حضرت امامِ ربانی مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ

ترجمہ

مولانا ابوالفتح صغیر الدین

فہرست مضامین

○ شجرہ مشائخ قادریہ 480

○ شجرہ مشائخ نقشبندیہ 482

○ شجرہ مشائخ چشتیہ 484

○ مکاشفات: خواجگانِ نقشبندیہ کا طریقہ 489

○ بزرگانِ دین کے مقامات 497

○ حضرت خواجہ محمد پارسا نقشبندی 499

○ حضرت خواجہ نقشبند بخاری 500

○ حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی 501

○ ذات باری تعالیٰ کا عرفان 503

○ راز حقیقت کیا ہے؟ 505

○ شان حقیقت محمدی ﷺ 509

○ کلام اور حضور اکرم ﷺ 512

○ ہر حرفِ قرآن جامع کمالات 515

○ ہر آیت کا پورا فائدہ 516

○ قرآن دائرہ اصل میں داخل 516

○ قرآن اور اہل بیت 517

○ قرآن پاک اور رمضان پاک 518

○ فضائل رمضان المبارک 519

○ شیون وصفات میں دقیق فرق 521

○ عالم اجسام اور عالم ارواح 524

○ عالم ارواح کے مشاہدات 525

○ توحید کی دو اہم قسمیں 528

○ اب کام کا وقت ہے 532

○ نسبت نقشبندیہ کا امتیاز 532

○ حقیقت کعبہ مشرفہ 539

○ مقالات فتوح الغیب کا حاصل 542

○ سالک طریقت کا اختیار 544

○ دائرہ ظل کا افہام 547

○ خلق عیال اللہ ہے 555

○ دنیا دار العمل ہے 556

○ عالم آب وگل کی حقیقت 557

○ جامع حدیث الخیرات 558

○ نظم (میلا د مجدد اعظم) 562

……

تعارف

یہ رسالہ مبارکہ ایسی تحریروں پر مشتمل ہے جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض خلفاء نے محفوظ کر لی تھیں لیکن انھیں نامور خلیفہ حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ نے یکجا کر دیا، اس طرح ایک گراں قدر علمی ذخیرہ ضائع ہونے سے بچ گیا، یہ رسالہ آپ کے وصال کے بعد ۱۰۵۱ھ ہجری میں شروع کیا گیا اور قیاس کہتا ہے کہ بعض معلومات اور موادات حاصل کرنے میں مزید وقت صرف ہوا، بعض تذکرہ نگاروں نے اس کا نام ''مکاشفات غیبیہ'' بھی بیان کیا ہے، حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ۱۰۵۱ھ میں ہمارے امام وقبلہ شیخ احمد فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کے مسودات قدسی آیات کے چند اوراق بعض دوستوں کے ہاتھ سے ملے جو کہ اب تک منقول نہیں ہوئے تھے، یہ اوراق رنگین و دلکش الفاظ سے آراستہ ہیں، اسرار خفیہ، معارف سنیہ اور مقالات یکتا سے پیراستہ ہیں، اس کا ہر ورق ایک شفیق مرشد اور کعبہ مقصود تک پہنچانے والا ہے، اس کا ہر صفحہ اسرار معبود کی اجمالی تحریر ہے، اس درگاہ کے فداکاروں کے دل میں یہ بات آئی کہ اس کو نقل کیا جائے اور بکھرے موتیوں کو ترتیب کی لڑی میں پرو کر رکھا جائے، کیونکہ ان اوراق کے اکثر معارف آنجناب رحمۃ اللہ علیہ کے علوم سابقہ میں سے ہیں، جو رسائل و مکاتیب میں موجود تو ہیں لیکن چونکہ وہاں بساط سخن کا طرز کچھ اور ہے اور فوائد و زوائد سے بھی خالی نہیں، اس لیے تبرکاً اس کو بھی تمام اوراق کے رنگ میں نقل کر کے ''مکاشفات

عینیہ'' کے نام سے ایک رسالے کی صورت میں ترتیب دیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ رسالہ بہت وقیع ہے اور متفرق صوفیانہ مسائل کا بیان ہے، مکاشفات کی تعداد انتیس بنتی ہے اور ان میں بعض تو ایسے بھی ہیں جن کا ''زبدۃ المقامات'' اور ''حضرات القدس'' جیسی سوانح میں بھی ذکر نہیں ملتا، آخر میں چالیس احادیث نبویہ مندرج ہیں، جن کو ''صحیح بخاری'' اور ''صحیح مسلم'' سے اخذ کیا گیا ہے، اس کے علاوہ پانچ احادیث فضائل شیخین رضی اللہ عنہما اور سات احادیث فضائل عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے متعلق ہیں، الغرض یہ سارا رسالہ مبارکہ اپنے اہم ترین موضوعات کی بنا پر تاریخ تصوف میں بہت اہمیت کا حامل ہے۔

……

...... مولوی رشید احمد گنگوہی کا اعتراف ......

> مجدد الف ثانی ...... وہ جس کی مثال دنیائے اسلام میں کم یاب ہے جس نے عین اس وقت اسلام کی کشتی کو غرقاب ہونے سے بچایا جب چاروں طرف سے طوفانی ہوائیں اس کے خلاف چل رہی تھیں، جس کی آواز سرہند سے اٹھی اور پورے ملک ہند میں پھیلی اور پھیلتی ہوئی تمام ممالک اسلامیہ تک پہنچ گئی، جس کی کوشش کا نتیجہ ہے کہ میں اور آپ آج مسلمان کہلاتے ہیں۔ منقولہ از بیاض قلمی، مولانا محمد ہاشم جان سرہندی بحوالہ سیرت امام ربانی: ۳۸۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

پاک ہے وہ ذات کہ کسی حمد کرنے والے کی حمد اس کے قدس ذات تک نہیں پہنچ سکتی بلکہ حمدوں کا منتہا اس کی بارگاہ عزت یعنی اسماوصفات سے فروتر ہے، تو پاک ہے ایسا کہ تو آپ اپنی ثنا ہے، تو ہی حمد ہے اور حامد اور محمود ہے، تیرے علاوہ اس مقصود کے ادا کرنے سے عاجز ہے، اپنی حمد کے ساتھ جس کی حقیقت سے تیرے حبیب صاحب مقام محمود کو یوم موعود میں کافی حصہ ملا اور یا اللہ ان پر اپنی رحمت کاملہ شاہد ومشہود کی تعداد میں نازل فرما، پس ہم جس طرح حمد کے ادا کرنے سے عاجز ہیں اسی طرح صلوٰۃ معہود پیش کرنے سے عاجز ہیں، دونوں چیزیں تیرے حوالہ ہیں اور ان کے حق کی ادائیگی وہی ہیں جو تیرے پاس ہیں اور ان کی آل پر اور ان کے اصحاب پر جو کمال متابعت پر فائز ہیں اور ولایت کے درجہ تک پہنچے ہوئے ہیں، بہت زیادہ سلامتی نازل فرما!

بعد حمد وصلوٰۃ کے واضح ہو کہ ۱۰۵۱ھ میں حضرت قدوۃ المحققین، اسوۃ

الواصلین، حجۃ اللہ فی العالمین، ملجاء اقطاب ونجبا، ملاذ افراد و بدلا، صاحب ولایت اصلیہ، خازن رحمت الٰہیہ، وارث کامل، عالم، متکلم، محدث امام ربانی، خلیفہ رحمانی، ہمارے امام، قبلہ شیخ احمد بن عبد الاحد الفاروقی قدس اللہ سرہ کے مسودات قدسی آیات کے چند اوراق بعض دوستوں کے ہاتھوں سے ملے جو کہ ابتک منقول نہیں ہوئے ہیں، یہ اوراق رنگین ودلکش الفاظ وعبارات کے ضمن میں اسرار خفیہ کو جامع اور معارف سنیہ اور یکتا مقالات پر مشتمل ہیں ۔

ففی کل لفظ منہ روض من المنی
وفی کل سطر عقد من الدر
آرزو کا باغ اس کا لفظ لفظ
ہر سطر ہے موتیوں کی اک لڑی

اس کا ہر ورق ایک شفیق مرشد ہے جو کہ کعبۂ مقصود تک پہنچانے والا ہے، اس کا ہر صفحہ کائنات پر اسرار معبود کی اجمالی تحریر ہے ۔

ہر ورق ہے اک دفترِ عرفاں

اس درگاہ کے فدویوں میں سے ایک کے دل میں یہ بات آئی کہ اس کو نقل کر کے اور ان بکھرے ہوئے موتیوں کو جمع وترتیب کی لڑی میں پرو کر رکھنا چاہیے کیونکہ ان اوراق کے اکثر معارف آنجناب کے علوم سابقہ میں سے ہیں،

نیز اس لیے کہ اس کے بعض اوراق اس قبیل سے ہیں کہ ان علوم کا حاصل آنجناب کے رسائل و مکاتیب میں موجود ہے لیکن چونکہ وہاں بساط سخن کا طرز کچھ اور ہے اور فوائد سے بھی خالی نہیں اس لیے تبرکاً اس کو بھی اوراق کے رنگ میں نقل کر کے بیاض میں لاکر مکاشفات کے نام سے ایک رسالہ کی ترتیب دی اور مشائخ قادریہ نقشبندیہ کے شجرات جو آنجناب نے نقل کرائے ہیں اور اجازت نامے جو کہ اپنے بعض خلفا کو لکھے ہیں، تبرکاً ان کو بھی مکاشفات سے پہلے نقل کیا ہے، اس ضمن میں پیران چشت کے اسمائے گرامی بھی نقل کیے گئے ہیں اگرچہ یہ آنجناب کا نقل کرایا ہوا نہیں ہے اور رسالہ کے خاتمے پر چالیس حدیثیں آنجناب کی جمع کی ہوئی نقل کی ہیں، ان احادیث میں سے ہر ایک حدیث متفق علیہ ہے اور آنجناب کی جمع کی ہوئی احادیث فضائل شیخین کے متعلق بھی مذکور ہیں، ساتھ ساتھ ایک ایسی حدیث بھی درج کی ہے جو جامع خیرات اور ثمر برکات ہے، یہ تمام احادیث رسالہ کے رنگ میں اکثر اوقات آنجناب کے دستخط کے ساتھ دیکھی گئی ہیں اور ان احادیث کا خاتمہ ایک ایسی حدیث پر ہے جو آنجناب کو مسلسل بالاولیت اسناد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچی ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی حق کی توفیق بخشتا ہے، اے ہمارے پروردگار ہم سے مواخذہ نہ کر اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کریں، اب ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے رسالہ کو شروع کرتے ہیں۔

شجرۂ مشائخ قادریہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میری اولاد کی مثال حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی سی ہے جو اس میں سوار ہوگیا اس نے نجات پائی اور جو اس سے پیچھے رہا وہ ہلاک ہوا“

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے عارفین کے قلوب کو اپنی معرفت سے منور کیا اور اپنے کمال فضل سے سالکین کے احوال کو تمام عالم پر فضیلت بخشی اور درود ہو اللہ کے رسول حضرت محمد مصطفٰے ﷺ پر اور آپ کی تمام آل پر، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”یہی ہے وہ جس کی بشارت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دے رہا ہے، جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے، آپ یوں کہیے کہ میں تم سے اور کچھ مطلب نہیں چاہتا، بجز رشتہ داری کی محبت کے“

اما بعد: خدائے واحد و غنی کی رحمت کا محتاج بندہ احمد بن عبدالاحد فاروقی کہتا ہے کہ اس نے اپنے مولا سبحانہ وتعالیٰ کے پسندیدہ اعمال کی بجا آوری میں پختگی کے بعد عارف کامل شاہ سکندرؒ خرقہ صوفیہ قادریہ پہنا، انہوں نے اپنے شیخ عارف باللہ شیخ کمال سے پہنا، انہوں نے اپنے شیخ و مرشد قطب اولیا، شیخ المحققین شاہ فضیل سے پہنا، انہوں نے اپنے شیخ و مرشد سید گدائے رحمٰن سے، انہوں نے اپنے شیخ قطب عالم سید شمس الدین صحرائی سے، انہوں نے

اپنے شیخ قطب عالم سید بہاؤ الدین سے، انہوں نے شیخ المحققین سید عبد الوہاب سے، انہوں نے اپنے شیخ قطب عالم سید شرف الدین قتال سے، انہوں نے اپنے شیخ و مرشد سید السادات قطب عالم سید عبد الرزاق سے، انہوں نے اپنے شیخ اور والد قطب ربانی، غوث صمدانی، کریم الطرفین الحسنی والحسینی، الحنبلی، الشافعی حضرت امیر سید محی الدین ابو محمد عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے اپنے والد قطب عالم، سید السادات شاہ ابی صالح سے، انہوں نے اپنے والد شاہ سید موسیٰ جنگی دوست سے، انہوں نے اپنے والد قطب عالم شاہ سید عبد اللہ سے، انہوں نے اپنے والد قطب عالم سید یحییٰ زاہد سے، انہوں نے قطب عالم سید محمد مورث سے، انہوں نے اپنے والد قطب عالم سید داؤد سے، انہوں نے اپنے والد قطب عالم شاہ موسیٰ سے، انہوں نے اپنے والد قطب عالم شاہ سید عبد اللہ مورث سے، انہوں نے اپنے والد قطب عالم شاہ موسیٰ جون سے، انہوں نے اپنے والد شاہ سید عبد اللہ المحض سے، انہوں نے اپنے والد سید السادات، تمام برکات کے جامع حسن مثنیٰ سے، انہوں نے اپنے والد امام المتقین، قدوۃ المسلمین، امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے اپنے والد حضرت علی المرتضیٰ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے اور اپنی والدہ سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا بنت سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی خرقہ پہنا۔

شجرۂ مشائخ نقشبندیہ:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا اور مومنین کو وسیلہ ڈھونڈنے کا حکم دیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''جس نے رسول کی اطاعت کی تو اس نے اللہ کی اطاعت کی'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو'' اس لیے یقیناً جس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی وہ کامیاب ہوا اور اس نے نجات پائی اور جس نے اللہ کی طرف وسیلہ تلاش کیا وہ بلند درجات تک پہنچا اور اتم واکمل صلوٰۃ وسلام اللہ کے رسول پر جو 'مازاغ البصر وما طغیٰ' ﴿نگاہ نہ تو ہٹی اور نہ بڑھی﴾ کے زیغ سے پاک ہیں اور اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھی ہیں اور ان کی آل واصحاب پر اور کامل متبعین پر جو ہدایت کے ستارے اور بلند مراتب تک پہنچنے کے وسائل ہیں۔

بعد حمد وصلوٰۃ کے اللہ بادشاہ قوی کی رحمت کا محتاج احمد بن عبد الاحد فاروقی نقشبندی ﴿اللہ تعالیٰ ان دونوں کے گناہوں کو بخشے اور ان دونوں کے عیوب کی پردہ پوشی فرمائے﴾ کہتا ہے کہ فلاں ﴿اللہ اس کو اپنی رضا کی توفیق بخشے﴾ اس قلیل بضاعت فقیر کے توسط سے ان شیوخ نقشبندیہ کے سلسلہ ارادت میں داخل ہوا، جو کہ اقتدا اور وسیلہ بنائے جانے کے زیادہ مستحق ہیں، اس لیے کہ ان حضرات نے نہایت کو

بدایت میں داخل کر دیا ہے، سنت کی پیروی کا التزام کیا ہے اور بدعت کے ارتکاب سے پرہیز کیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی جماعت کو بڑھائے اور ان کے حاسدوں کو ہلاک کرے، ان کے شیخ اور معلم طریقت، دین رضا کے موید شیخ محمد باقی تھے اور ان کے شیخ مولانا خواجگی املنگی اور ان کے شیخ مولانا درویش محمد اور ان کے شیخ مولانا محمد زاہد اور ان کے شیخ قدوۃ الاحرار عبید اللہ اور ان کے شیخ مولانا یعقوب چرخی اور ان کے شیخ اس طریقہ کے قبلہ اور ہمارے امام بہاؤ الحق والدین تھے جو نقشبند کے نام سے مشہور ہیں اور ان کے شیخ اور معلم امیر کلال تھے اور ان کے شیخ مولانا بابا سماسی اور ان کے شیخ حضرت خواجہ علی رامتینی تھے جو عزیزان کے نام سے مشہور ہیں، ان کے شیخ محمود خیر فغنوی اور ان کے شیخ مولانا عارف ریوگری اور ان کے شیخ اس طریقہ کے رئیس عبد الخالق غجدوانی تھے اور میرے لیے روحانیت کو رئیس نقشبندی امام ربانی شیخ ابو یعقوب یوسف ہمدانی نے مقدر کیا اور ان کے شیخ، شیخ طریقت ابو علی فارمدی طوسی تھے، ان کے شیخ قطب ربانی شیخ ابو الحسن خرقانی تھے اور ان کے شیخ روحانی و مربی سلطان العارفین شیخ ابو یزید بسطامی اور ان کے شیخ روحانی و مربی سلطان امام اجل جعفر صادق اور ان کے شیخ ان کے جد ﴿والدہ کی طرف سے﴾ قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق تھے، یہ کبار تابعین اور تابعین کے مشہور فقہائے سبعہ میں سے ہیں، ان کے شیخ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ تھے جن کو رسول اللہ ﷺ نے اس شرافت

سے مشرف فرمایا کہ سلمان ہمارے اہل بیت میں سے ہے اور ان کے شیخ حضور خیر البشر ﷺ کی بیعت کے شرف کے ساتھ ساتھ مومنین کے امیر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور ان کے شیخ افضل الانبیا، قدوۃ الرسل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تھے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدیٰ اور دینِ حق کے ساتھ اس لیے بھیجا کہ تمام دین پر اس کو غالب کر دیں۔

شجرۂ مشائخ چشتیہ:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاننا چاہیے کہ ہمارے حضرت رضی اللہ عنہ نے چشتی نسبت اپنے والد بزرگوار سے پائی اور ان بزرگوں کے خرقہ کو ان سے لیا اور عارف ربانی، اسوۃ المحققین، استاذ العلما، اتقیا کی پناہ گاہ، شریعت و حقیقت کے جامع شیخ عبد الاحد رحمۃ اللہ علیہ ہیں، انہوں نے دائرۂ ولایت کے قطب، ہدایت کے نشان، مخلوق کی علامت، کامل مکمل شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ سے خرقہ پہنا، انہوں نے اپنے والد شیخ الاسلام شیخ محمد عارف سے، انہوں نے اپنے شیخ اور والد شیخ شمس الدین احمد عبد الحق سے، انہوں نے اپنے شیخ جلال بانی بہیتی سے، انہوں نے اپنے شیخ شمس الدین ترکستانی سے، انہوں نے اپنے شیخ علاؤ الدین علی احمد صابر سے، انہوں نے اپنے شیخ فرید الحق والدین مسعود اجودھنی سے، انہوں نے اپنے شیخ قطبِ ملت و دین خواجہ قطب الدین بختیار اوشی سے،

انہوں نے اپنے شیخ خواجہ معین الدین سنجری سے، انہوں نے اپنے شیخ عثمان ہارونی سے، انہوں نے اپنے شیخ حاجی شریف زندنی سے، انہوں نے اپنے شیخ مودود چشتی سے، انہوں نے اپنے شیخ ابو یوسف چشتی سے، انہوں نے اپنے شیخ ابو محمد چشتی سے، انہوں نے اپنے شیخ ابو اسحٰق سے، انہوں نے اپنے شیخ ابی اسحٰق علو دینوری سے، انہوں نے اپنے شیخ ہبیرہ بصری سے، انہوں نے اپنے شیخ حذیفہ مرعشی سے، انہوں نے اپنے شیخ سلطان بلخ ابراہیم ادہم سے، انہوں نے اپنے شیخ فضیل بن عیاض سے، انہوں نے اپنے شیخ عبدالواحد بن زید سے، انہوں نے اپنے شیخ حسن بصری سے، انہوں نے اپنے شیخ امیر المومنین، امام المسلمین علی المرتضیٰ ؓ سے، انہوں نے اپنے شیخ حضرت رسالت رفیعہ وقدسیہ محمد رسول اللہ ﷺ سے پہنا۔

اجازت نامہ:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد حمد وصلوٰۃ کے اللہ ملک وولی کی رحمت کا محتاج احمد بن شیخ عبدالاحد فاروقی نقشبندی ﴿اللہ تعالیٰ ان دونوں پر رحم فرمائے﴾ کہتا ہے کہ برادر صالح، عالم، صدیق، علوم شریعت وطریقت وحقیقت کے جامع شیخ حمید بنگالی ﴿اللہ اس کو اپنے محبوب اور پسندیدہ امور کی توفیق بخشے﴾ نے جب منازل سلوک طے کیے، معارج جذبہ پر چڑھے اور درجہ ولایت تک پہنچے، بعد اسکے ان کو نہایت فی البدایۃ کے اندراج کا مرتبہ حاصل ہو گیا تو

میں نے ان کو اجازت دی کہ مشائخ نقشبندیہ رضی اللہ عنہم کے طریقہ کے مطابق طالبین، مخلص مریدین اور مسترشدین کو استخارہ اور حصولِ اذن کے بعد تعلیم دیں اور اللہ سبحانہ سے درخواست ہے کہ **انکو** نامناسب اور ناشایستہ امور سے محفوظ رکھے اور بچائے اور سید المرسلین حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی متابعت پر ثابت قدم رکھے۔

اجازت نامہ دیگر:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد حمد وصلوٰۃ کے معلوم ہو کہ جب برادر صالح، سالک طریقت، اہل اللہ، عارف باللہ، سید کامل محمد نعمان ﴿اللہ تعالیٰ ان کو اور ہم کو اپنی مرضی کی توفیق بخشے﴾ اس فقیر کے توسط سے حلقہ ارادت نقشبندیہ رضی اللہ عنہم میں داخل ہوئے اور ان کے طریقہ عالیہ پر چلے اور طالبین کے نفع کو ظاہر کیا تو میں نے ان کو طریقتِ حقیقت کی تعلیم کی اجازت دی، اس پر سلامتی ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی متابعت کا التزام کیا۔

اجازت نامہ دیگر:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد حمد وصلوٰۃ کے اللہ ولی وغنی کی رحمت کا محتاج احمد بن عبد الاحد فاروقی نقشبندی ﴿اللہ تعالیٰ ان دونوں کے گناہوں کو بخشے اور ان دونوں کے عیوب کی پردہ پوشی

فرمائے ﴾ کہتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے برادرِ عامل، فاضل کامل شیخ محمد بن طاہر کو اپنے اولیا کے طریقہ پر چلنے کی توفیق بخشی اور وہ طریقہ نقشبندیہ میں پوری ہمت کے ساتھ داخل ہوا تو اس کو حضور و شہود اور قربت و جمعیت حاصل ہوئی اور وہ بدایت میسر ہو گئی جس میں نہایت مندرج ہے، پھر جب اس حالت پر کچھ زمانہ گزر گیا تو اس پر ظاہر ہوا کہ عنقریب وہ ایک بڑے ابتلا میں مبتلا ہو گا یہاں تک صراط مستقیم سے ہٹ کر متفرق راہوں کی طرف نکل جائے گا اور اس حق کے مذہب سے باطل مذاہب کی طرف مائل ہو جائے گا، مجھے اس کی طرف سے فکر ہو گئی اور مجھے اللہ تعالیٰ کے دربار میں تضرع و خشوع کی طرف مجبور کیا، تاکہ اس سے ابتلا دور ہو جائے اور یہ بلا ٹل جائے، پھر تضرع تمام کے بعد مجھ پر ظاہر ہوا کی عنقریب یہ بلا اس سے دور ہو جائے گی تو میں نے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، تھوڑی ہی مدت کے بعد پہلے پہلے جو چیز مجھ پر ظاہر ہوئی وہ یہ کہ وہ راستے سے کجی کی طرف نکل گیا اور حق سے باطل کی طرف مائل ہو گیا، اس طور پر کہ امید منقطع ہو گئی اور حق کی طرف لوٹنے اور استقامت کی طرف رجوع ہونے کی امید نہ رہی، وہ جب بھی ان متفرق راہوں میں سے کسی راہ میں داخل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا کہ میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مدد سے اس کو اس راستے سے بہ جبر نکالنے کی طرف توجہ کروں اور اس کے بعد میں نے اس راستے سے روکنے کی کوشش کی، تاکہ وہ اس حالت کی طرف دوبارہ نہ لوٹے، اس

حالت میں مہینے بلکہ کئی سال گزر گئے پھر اللہ تعالیٰ کی تائید سے دوبارہ جو چیز ظاہر ہوئی وہ یہ کہ وہ حق کی طرف لوٹ آیا اور صراط مستقیم کی طرف واپس ہوا، پھر جذبہ کے باقی منازل اور سلوک کے مقامات طے کیے اور اس کا اہل ہو گیا کہ طالبوں اور مریدوں کو اس طریقہ عالیہ کی تعلیم دے سکے تو میرے دل میں یہ بات آئی کہ اسے اس طریقہ کی تعلیم اور طالبوں کی تربیت کی اجازت دی جائے، چنانچہ استخارہ اور توجہ کے بعد میں نے اس کو اس کی اجازت دے دی اور اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست ہے کہ سید الاولین والآخرین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت پر ثبات واستقامت بخشے اور چونکہ شیخ مشار الیہ نے سلسلہ قادریہ، چشتیہ کے طریقے سے بہر وافر اور پورا حصہ حاصل کیا اس لیے میں نے اس کو اس کی اجازت دی کہ مریدوں کو طریقہ قادریہ میں خرقہ ارادت اور طریقہ چشتیہ میں خرقہ تبرک دے، اللہ تعالیٰ سے حفاظت اور توفیق کی درخواست ہے، اللہ تعالیٰ ہی کے لیے اول وآخر حمد ہے جو کہ رَبّ العالمین ہے۔

اجازت نامہ دیگر:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد حمد وصلوٰۃ کے میں نے برادر صدیق صالح محمد ہاشم کو استخارہ اور رجوع الی اللہ کے بعد طریقہ صواب کی تعلیم کی اجازت دی جس طرح میرے شیخ اور میرے مولا اور میرے سردار محمد باقی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے اجازت دی، اللہ تعالیٰ

اسے اس کی تمناؤں تک پہنچائے، سلامتی اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔

مکاشفات:

……﴿مکاشفہ: 1﴾……

خواجگان نقشبندیہ کا طریقہ:

یہ حضرات خواجگان رضی اللہ عنہم کے طریقہ عالیہ کا بیان ہے، تمہیں معلوم ہو کہ ان لوگوں کی توجہ ایک خاص توجہ ہے کہ اس جہت میں استہلاک اور اضمحلال کے قبول کرنے کو جذبہ کہتے ہیں اور یہ جذبہ ان کی بلندی مرتبت کی وجہ سے دوسرے جذبات سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا اور اس کے رخ کو نقطہ دائرہ غیب کے ساتھ مثلاً وری مناسبت ہے جو کہ نقطہ نہایت النہایت اور قابلیت جامعہ کا منشاء تعین جس سے عین محمدی ﷺ مراد ہے، مناسبت رکھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس مضبوط طریقہ کے کابر کو سیر فی اللہ کی تحصیل کے بعد بے انتہا ترقیات حاصل ہوتی ہیں اور کبھی ان کی شنگی ظاہر نہیں ہوتی ہے اور اس نقطہ میں فانی اور مستہلک ہو جاتے ہیں بلکہ اپنی ستعداد کے مطابق اس جگہ میں بقا پیدا کرتے ہیں اور اس نقطہ تک پہنچنا ولایت دی ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے اور اسی نقطہ میں باقی رہنا دعوت عام اور پورے وت کا منشا ہے، اس کے کاملین ورثا کا اس مقام کے فنا و بقا میں حصہ بطریق ابعت ہے، بخلاف ارباب سلوک کے کہ ان کا سلوک جذبہ پر مقدم ہے یا اس

جذبہ کے علاوہ کوئی دوسرا جذبہ ان کے سلوک پر مقدم ہے کہ جب یہ سلوک کو پہنچتے ہیں اور واصل ہو جاتے ہیں تو ایک قسم کی ٹھنڈک اور خنکی ان میں پیدا ہوتی ہے جو استعلا سے باز رکھتی ہے، اس لیے حضرت امیر ﴿علی رضی اللہ عنہ﴾ سلوک کے تمام ہونے اور فنا و بقا کے حصول کے بعد اس گھر سے نکل کر معیت ذاتیہ کی راہ سے نقطہ نہایت تک پہنچے ہیں، اگرچہ ان کے سالک مجذوب، مجذوب سالکوں سے حرارت اور سوزش زیادہ رکھتے ہیں لیکن اس طریقہ سے سالک مجذوبوں کے مرتبے کو نہیں پہنچتے، اس لیے کہ مناسبت مرکز یہ اس جذبہ کے ساتھ مخصوص ہے، اس لیے دوسرے سلسلوں کے بعض منتہی فنا و بقا کے بعد اس گھر سے کہ اس کا انجام بے صفتی اور بے رنگی ہے، باہر نکلتے ہیں اور بعض خانہ غیب افراد میں جا کر ترقی کرتے ہیں اور جو محبت کہ اس مقام کے ساتھ مخصوص ہے اس سے توسل کرتے ہیں اور کچھ دوسرے لوگ اس جگہ سے باہر نکل کر سماع اور نغمہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس کی ترغیب و تحریص میں ترقیات کرتے ہیں، بخلاف اس طریقہ کے واصلوں کے کہ یہ صرف جذبہ الٰہی سے ترقی کرتے ہیں، اس لیے کہ صفت و رنگ ان میں نہیں رہتے کہ اس کی وجہ سے ترقی کر سکیں، جذبے کی طلب کشاں کشاں لے جاتی ہے، نیز یہ جذبہ نقطہ نہایت النہایت سے پوری مناسبت رکھتا ہے، جیسا کہ گزر چکا ہے، اس سلسلہ کے بعض اکابر اسی مقام میں اس مقام کے نور سے منور اور رنگین ہو گئے

ہیں اور جو کچھ اس نہایت میں حاصل ہوتا ہے انہیں اسی گھر میں میسر ہو گیا ہے، حضرت قطب المحققین ناصر الدین خواجہ عبید اللہ جو خواجہ احرار ؒ کے نام سے مشہور ہیں، اس جذبہ کے مقام میں نہایت کے نور سے مشرف ہوئے ہیں جیسا کہ ان کے احوال شریفہ میں اس کا کچھ بیان کیا جائے گا، اس طرح اس سلسلہ کے بعض اکابر سلوک کو تمام کر کے ولایت و شہادت اور صدیقیت کے درجات تک پہنچے ہیں، اگرچہ [illegible] نقطہ تک نہیں پہنچے ہیں لیکن اس کے نور نے ان کے دلوں کو منور کر دیا ہے اور مشاہدہ افادت تمام ہو گیا ہے، پھر جذبہ کی اس دولت کے حاصل کرنے کے بعد سلوک اختیار کرتے ہیں اور اس معنیٰ کے حصول کو اس توجہ کے ممد و معاون بنا کر مسافت بعیدہ کو تھوڑی مدت میں طے کرتے ہیں اور کعبہ مقصود تک پہنچتے ہیں، ان حضرات کا یہ طریقہ حضرت صدیق اکبر ؓ کی طرف منسوب ہے، یہاں ایک نکتہ جان لینا چاہیے کہ حضرت صدیق اکبر ؓ جذبہ و سلوک کی تحصیل کے بعد جو فوقانی ہے اور حضرت امیر علی ؓ کی طرف منسوب ہے اور اس عبارت میں ﴿انہوں نے﴾ اسے بیان فرمایا ہے کہ ”تم مجھ سے آسمان کے راستے دریافت کو، کیونکہ میں آسمان کے راستے اس سے زیادہ جانتا ہوں جتنا کہ تم زمین کے راستوں سے واقف ہو“ اور یہ سلوک سیر آفاقی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور وہ سلوک جو سیر انفسی سے ہے، وہ اس طرح ہے گویا جذبہ کے گھر میں نقب لگا کر ذات غیب تک پہنچا دیا ہے اور اس

راہ سے گئے ہیں اور حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس راہ سے نہایت تک پہنچے ہیں اور سلوک فوقانی جو سیر آفاقی سے تعلق رکھتا ہے اگر چہ آنحضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی مشکٰوۃ نبوت سے ماخوذ ہے، لیکن حضرت امیر ﴿علی رضی اللہ عنہ﴾ کے ساتھ مخصوص ہے، باقی تین خلفا دوسری راہوں سے غیب تک گئے ہیں، حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا مسلک معلوم ہو گیا، حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا مسلک جدا ہے، اسی طرح حضرت عثمان ذی النورین کا مسلک بھی الگ ہے اور سالکوں کا ان چاروں مسلکوں پر سلوک واقع ہوا ہے اور یہ سلوک اپنے امیر کے مسلک کے مطابق مشہور ہے اور اکثر سلاسل اس مسلک کے ذریعہ مقصود کی طرف متوجہ ہیں، اسی طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مسلک دوسرے سلسلوں کے اعتبار سے خواجگان کے سلسلہ کے ساتھ مخصوص ہے، لیکن مشائخ کبار اس سلسلہ کے علاوہ دوسرے سلسلوں سے بھی اسی مسلک پر چل کر مقصود تک پہنچے ہیں اور چونکہ اس مسلک پر چلنا پوشیدگی اور خفا کی وجہ سے کچھ دشوار تھا، چنانچہ مولوی جامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار ہیں، جو
باطنی راہ سے لے جائیں حرم قافلہ کو

اور حضرت امیر علی رضی اللہ عنہ کا مسلک ظاہر تھا اس لیے حضرت امیر علی رضی اللہ عنہ ہی کا مسلک مشہور ہو گیا، اسی طرح حضرت فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت ذی النورین رضی اللہ عنہ کے

مسلک مخفی تھے اور ان پر چلنا دشوار تھا، اس لیے مشائخ نے اسی طریقہ کو اختیار کیا، نیز چونکہ حضرت امیر علی رضی اللہ عنہ متاخر تھے اور ان کے مسلک نے شہرت پائی اس لیے مجبوراً اس کو ہاتھوں سے پکڑا ہے اور کوتاہ فہم لوگ تسلیک و تکمیل کو حضرت امیر علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص جانتے ہیں اور خلفائے ثلاثہ کو کامل غیر مکمل خیال کرتے ہیں، ان کی جرأت پر فریاد ہے، چونکہ ان کا سلوک حضرت امیر علی رضی اللہ عنہ کے مسلک پر واقع ہوا ہے اس لیے اس کے ماسویٰ کی نفی کر کے شنیع کے مرتکب ہوتے ہیں ؎

جو کیڑا ایک پتھر میں نہاں ہے
وہی اس کا زمین و آسماں ہے

اس حقیر نے بعض اکابر کو دیکھا ہے کہ انہوں نے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے مسلک میں سلوک کیا ہے اور حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ اس مسلک کے ذریعہ غیب ذات تک واصل ہوئے ہیں اور حضرت امیر علی رضی اللہ عنہ کے مسلک میں فنا و بقا سے زیادہ نہیں چلے ہیں، جو کہ ولایت میں ابتدائی قدم ہے اور حضرت شیخ ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے مسلک پر چلے ہیں، شاید ان لوگوں نے یہ نہیں سنا ہے کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: ''اگر میرے بعد نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے''، اگر تکمیل و افادہ ان میں نہ ہوتا تو مقام نبوت سے کیا مناسبت رکھتے، کوتاہ فہم لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ، حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد یہ نسبت حضرت

سلمان فارسی ؓ کو پہنچی اور اندرونی راہ سے مقصود تک پہنچے، ان کے بعد یہ نسبت بعینہٖ حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر ؓ کو پہنچی، ان کے بعد یہ نسبت حضرت امام جعفر صادق ؓ کو حضرت قاسم ؓ سے پہنچی جو کہ ان کے نانا تھے اور حضرت امام نے یہ جو فرمایا ہے کہ: ''ابو بکر نے مجھ کو دو بار جنا'' تو اس سے اشارہ ان ہی دو ولایتوں کی طرف ہے، کہ ملکوت السمٰوٰت والارض میں وہ شخص داخل نہیں ہوسکتا جو کہ دو بار نہ پیدا ہوا ہو لیکن چونکہ حضرت امام نے اپنے آبائے کرام سے بھی نور حاصل کیا تھا اور وہ سلوک فوقانی سے نسبت رکھتا تھا اس لیے جذب کی تحصیل کے بعد سلوک فوقانی کے ذریعے مقصود تک پہنچے اور دونوں نسبتوں کے جامع ہوئے، ان کے بعد یہ نسبت حضرت امام سے ودیعت کے طریقہ پر سلطان العارفین ﴿بایزید بسطامی﴾ کو روحانیت کے راستے سے پہنچی جو ولیوں کے طریقے میں ہے، گویا ودیعت کے اس نور کو ان کی پشت پر امانت کے طور پر رکھا ہے تا کہ اس کے اہل تک پہنچا دیں اور سلطان کی توجہ کا رخ دوسری جانب ہے اور اس امانت کو اٹھانے سے پہلے اس نسبت کے ساتھ تعلق نہیں سمجھا جاتا ہے، ان کے بعد یہ نسبت بعینہٖ مذکورہ بالا طریقے پر سلطان سے شیخ خرقان تک پہنچی اور ان سے شیخ ابو علی فارمدی تک اور ان سے حضرت خواجہ یوسف تک پہنچی، یہ نسبت اس نسبت کے اہل اعلیٰ حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانی کو پہنچی جو کہ حلقہ خواجگان کے سردار ہیں اور اس محل میں یہ نسبت

جذبہ وسلوک آفاقی کی راہ سے جو کہ حضرت امام کا خاصہ ہے ظہور میں آئی اور سیر سے تازگی پائی، وہ اس راہ سے ترقی کر کے صدیقیت کے مقام تک پہنچے اور کمال و تکمیل میں بلند درجہ رکھتے تھے، نیز روسائے اقطاب میں سے تھے اور حضرت خواجہ نے نہایت کو ''یادداشت'' سے تعبیر فرمایا ہے، ''یادداشت'' کے معنی تفصیل کے ساتھ انشاء اللہ اس رسالہ میں تحریر ہوں گے، حضرت خواجہ کے بعد حضرت خواجہ نقشبند تک اس سلسلہ کے مشائخ جذبہ سے غیب تک سیر انفسی کے اندرونی راستے سے متوجہ ہوئے اور اپنی استعداد کیمطابق حصہ پایا، جب حضرت خواجہ نقشبند کا زمانہ آیا، حضرت خواجہ نے ان کو روحانیت کی راہ سے تربیت فرمائی اور بعینہٖ وہ نسبت جذب وسلوک کے اعتبار سے ان تک پہنچی اور تمام وکمال پایا اور ان کے خلفا سے خواجہ علاؤ الدین عطار اور خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہما اس نسبت کو حاصل کر کے ان کی تربیت سے مشرف ہوئے اور حضرت خواجہ علاؤ الدین ولایت وشہادت اور صدیقیت کی نسبت کی تحقیق کے باوجود معیت ذاتیہ کی راہ سے غیب ذات تک گئے ہیں، نقطہ نہایت تک پہنچے ہیں اور وہاں بقا پیدا کی ہے اور اس بقا کی وجہ سے قطب ارشاد ہو گئے ہیں، اس لیے کہ قطبیت ارشاد بلکہ قطبیت مدار اس نقطہ تک پہنچنے پر موقوف ہے، جب تک اس مقام میں فنا وبقا نہ کریں اس قطبیت کے مقام تک نہیں پہنچتے ہیں اور حضرت خواجہ نے اس مقصد تک پہنچنے کے لیے ایک طریقہ وضع کیا ہے

اوران کے خلفا نے اس طریقہ کی اس عبارت سے تعبیر کی ہے کہ "سب سے قریب ترین طریقہ علاؤ الدین کا طریقہ ہے" اور یقیناً یہ طریقہ سب سے قریب ترین طریقہ ہے، نہایت النہایت تک پہنچنے کے لیے اولیا عظام میں سے بہت کم لوگوں نے اس دولت تک راہ پائی ہے، کیا ہی بلند مقام ہے اس شخص کا جس نے اس بلند مقصد کے حصول کے لیے طریقہ وضع کیا ہو، حضرت خواجہ محمد پارسا اور حضرت خواجہ محمد یعقوب نے حضرت خواجہ علاؤ الدین کی صحبت میں اس طریقے سے بھی سیرابی حاصل کی اور ان کے والد بزرگوار خواجہ حسن عطار اور دوسرے خلفا بھی اس راہ پر چلے ہیں اور سالکوں کو بھی اسی راہ پر چلاتے تھے اور حضرت خواجہ احرار نے مولانا خواجہ یعقوب چرخی سے اسی طریقہ سے حصہ حاصل کیا ہے، آج تک ان کے خلفا اس طریقہ کی برکت سے بہرہ ور ہیں اور جو نوبد اس راہ میں ان تک پہنچا ہے اس سے طالبوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں اور حضرت مولانا یعقوب چرخی جذبہ سے غیبت کی طرف مذکورہ راہ انفسی کے ذریعہ متوجہ ہیں، پس معلوم ہوا کہ حضرات خواجگان رضی اللہ عنہم کا جذبہ دو قسم کا ہے، ایک وہ جذبہ جس کی شرح رسالہ کی ابتدا میں گزری اور دوسرا جذبہ معیت کی راہ سے ہے اور اس خاص جذبہ کی راہ سے سالکوں کو چلانا حضرت علاؤ الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کا خاصہ ہے، اگرچہ بعض اکابر اولیا اسی راہ سے گزرے ہیں لیکن کوئی طریقہ وضع نہیں کیا ہے، طریقہ کا وضع کرنا اور اس راہ پر چلانا ان کے کمال

وتکمیل اور مسند ارشاد پر غلبہ اقتدار کی سب سے پہلی دلیل ہے، حضرت خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ میں تمام مخلوق کو مقصود حقیقی تک پہنچا سکتا ہوں لیکن حضرت خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ کے ان تمام کمالات کے باوجود حضرت خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو حضرت خواجہ علاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ کی متابعت کا حکم فرمایا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ حضرت خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلہ میں بہت زیادہ برکت والے ہیں، آج تک اس طریقہ کے تمام لوگ خواہ عطاریہ ہوں یا احراریہ سب کے سب ان کی ہدایت کی روشنی سے ہدایت پانے والے ہیں اور ان کا وضع کردہ طریقہ سالک کے لیے اگر افادہ کے نور سے ہے تو ان کے لیے اسی راہ سے ہے اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی معیت کی راہ سے خلائق کی ہدایت کے لیے عالم کی طرف رجوع فرمایا، اور حضرت صدیق وفاروق رضی اللہ عنہما بھی اسی راہ سے نیچے اترے، پس جذبہ کے ان دو مقامات کی بزرگی معلوم ہوگئی، اس لیے کہ سرور دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے عروج کی راہ جذبہ اول ہے اور نزول کی راہ جذبہ ثانی ہے۔

مکاشفہ 2:

بعض بزرگان دین کے مقامات:

سید المحققین، ناصر الدین حضرت خواجہ عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ ان بزرگواروں کے جذبہ کے مقام میں بڑی شان کے مالک تھے اور وہاں سے پورے استہلاک کے

بعد بقائے خاص پیدا کیا تھا اور اس بقا کی وجہ سے نور فوقانی جو کہ نہایت النہایت کے نقطہ سے پہنچا تھا، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، کثرت میں وحدت کو اس طور پر دیکھنے والے تھے کہ گویا کوئی پردہ کثرت درمیان میں نہیں رہ گیا تھا اور سلوک آفاقی کو بھی اسی اسم تک جو ان کا مبدا تعین تھا پہنچایا تھا لیکن اس اسم میں فانی نہ ہوئے تھے بلکہ اس کے بعد اسی جذبہ میں گزشتہ استہلاک کے علاوہ ایک قسم کا استہلاک پیدا کیا تھا اور اس سلوک کے پورا کرنے پر خاص استہلاک کے ساتھ جو کہ جذبہ میں پیدا کیا تھا خاص القا کے ذریعہ نور فوقانی کی زیادتی کے ساتھ اس کی استعداد رکھنے والے کی تربیت کرتے تھے اور حق تعالیٰ کے ماسویٰ کی گرفتاری کی تنگی سے نجات دیتے تھے، نیز معیت ذاتیہ کی جہت کہ حضرت ذی النورین رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ اس طریقہ سے نہایت النہایت تک پہنچے ہیں، حضرت خواجہ کو اس سے وافر حصہ اور پورا نصیب حاصل ہوا ہے اور اس راہ سے بھی غیب ذات کے ساتھ ایک مناسبت رکھتے ہیں باوجود اس کمال و تکمیل کے بارہ اقطاب سے بھی پورا حصہ رکھتے تھے اور یہ غیب میں ایک ایسا مقام ہے کہ بے نسبتی کے ساتھ بہت زیادہ مناسبت رکھتا ہے اور محبت ذاتی کی ایک خاص قسم بھی اس مقام کے لیے لازم ہے، دین کا رائج کرنا اور احکام شریعت کا جاری کرنا اس مقام سے تعلق رکھتا ہے اور حضرت امام اعظم کوفی رحمۃ اللہ علیہ اس مقام کے روسائے اقطاب میں سے تھے اور حضرت خواجہ اگرچہ اس مقام کے

اقطاب میں سے نہ تھے، لیکن اس مقام سے کافی حصہ رکھتے تھے، دین کی نصرت اور ملت کی ترویج ان میں اس مقام کے ثمرات میں سے تھی، اس لیے ان کو ناصر الدین کہتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ ان کے آبائے کرام سے جو کہ ان کے والد کی جانب سے تھے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ایک نسبت حاصل کی تھی، غرض اس بزرگ خاندان کے شرف کی وجہ سے اس نادر سلسلہ کا چراغ روشن ہے، اللہ تعالیٰ ان سب کو ہماری طرف سے بہترین جزا دے، ہم گرفتاروں کو غبادت کی تاریکی اور گمراہی کی حیرانی سے ان بزرگوں کی ہدایت کے انوار نے باہر نکالا ہے اور مقصود کی راہ دکھائی ہے، اگر ان کی ہدایت نہ ہوتی تو ہم ہلاک ہو جاتے اور اگر ان کی مدد نہ ہوتی تو ہم قلعہ بند ہو جاتے، یا اللہ تو ہمیں ان کی محبت پر ثابت قدم رکھ اور اپنے حبیب اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت میں ان بزرگوں کی متابعت پر استقامت نصیب فرما۔

مکاشفہ 3:

حضرت خواجہ محمد پارسا نقشبندی:

حضرت خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر اصحاب میں سے تھے اور جذبہ وسلوک کے ساتھ راہ طے کی تھی، فنا فی اللہ اور بقا باللہ کی حقیقت تک پہنچے ہوئے تھے اور ولایت وشہادت کے درجات تک عروج کیا ہے، حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ میں نے اس کو جذبہ وسلوک کے

دونوں طریقوں کی تربیت دی ہے اور ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ ہمارے پاس جو کچھ تھا یہ ہم سے لے گیا' اس کے ساتھ ساتھ فردیت کی نسبت مولانا عارف رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت سے حاصل کی ہے اور فردیت کی راہ سے غیب ہویت تک اتصال پیدا کیا تھا، اس ہر دو نسبت کا غلبہ جو کہ عالم کے ساتھ بے مناسبتی ہے ان کی تکمیل وارشاد کے لیے مانع تھا اور نہ تکمیل کا مقام ان کے لیے پورے طور پر تھا۔

مکاشفہ: 4

حضرت خواجہ نقشبند بخاری:

حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے حضرات خواجگان رضی اللہ عنہم کے جذبہ کی تحصیل کے بعد سلوک فوقانی کی طرف رجوع کیا اور سلوک کو انتہا تک پہنچایا اور فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے ساتھ مشرف ہوئے اور یہ ولایت کا مرتبہ ہے، اس کے بعد شہادت کے مقام پر پہنچے جو کہ ولایت سے اوپر ہے اور اس کو مقام ولایت سے وہی نسبت ہے جو تجلی صوری کو تجلی ذاتی سے ہے، اس کے بعد صدیقیت کے مقام پر پہنچے، کمال وتکمیل کے ان درجات کی تحصیل کے باوجود معیت ذاتی کی راہ سے غیب ہویت ذاتیہ تک پہنچے جس راہ سے حضرت امیر رضی اللہ عنہ پہنچے تھے اور وہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے رنگ میں اس نقطہ نہایت میں مستہلک ہو گئے ہیں اور حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ بھی اس سے ولایت خاصہ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت پر ہیں، اگر اس نہایت میں بقا پیدا کر کے

آنحضرت ﷺ کے مرتبے سے بھی حصہ پائے توان اکابر کے لیے اس مقام سے بقا کی ایک قسم ہے کہ طالبوں کو اس راہ سے فائدہ پہنچاتے ہیں۔

……﴿مکاشفہ: 5﴾……

حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی:

آج کل ان حضرات علیہ اور اکابر نقشبندیہ کے قائم مقام ہمارے شیخ و مولانا، شیخ اجل اور عارف کامل و اکمل محمد باقی ﴿اللہ ان کو باقی اور محفوظ رکھے﴾ ہیں، جو کہ نہایت النہایت تک اور انتہائے درجہ ولایت تک پہنچے ہوئے ہیں، قطب دائرہ ولایت، مدار خلائق، کاشف اسرار، اہل حق، محبت ذاتیہ میں کامل، محقق، کمالات ولایت محمدیہ کے جامع، مسند اہل ارشاد و ہدایت، درج نہایۃ فی البدایۃ کے طریق کے مرشد، زبدۃ العارفین، قدوۃ المحققین ہیں، مثنوی ؎

حیف گرہو اہل دنیا پر عیاں
چاہیے ہو راز عشق از بس نہاں
کہہ رہا ہوں ، تاکہ لوگ اس پر چلیں
اور مبادا ، فوت پر حسرت کریں

شیخ و مولانا، شیخ اجل، عارف کامل، اکمل محمد باقی ﴿اللہ ان کو باقی اور سلامت رکھے﴾ ابتدائے حال میں شیخ ظاہر کی تعلیم کے بغیر خواجگان کے حضور میں مشرف

ہوئے اور جذبہ کے مقام پر پہنچے اور وہاں استہلاک اور اضمحلال حاصل کیا اور ان کا باطن نہایت النہایت کے اس نور سے معمور اور منور ہو گیا جس کے ساتھ قطبیت ارشاد کا مقام متعلق ہے، چنانچہ شیخ ظاہر کی اجازت کے بغیر اس موقوف علیہ نور کے ساتھ طالبوں کو کثرت میں وحدت شہود کی تربیت فرمائی اور ارشاد و تکمیل کے مقام میں ایک بڑا مرتبہ پیدا کیا اور ان کی ایک ہی صحبت میں طالبوں کو جس قدر فوائد حاصل ہوتے تھے، اس قدر ریاضات و مجاہدات شاقہ سے بھی حاصل نہ ہوتے تھے، اس کے باوجود بارہ اقطاب کے مقامات سے بھی پورا حصہ حاصل کیا تھا، نیز حضرت فاروق ؓ کے خاص مسلک پر فوق کی طرف متوجہ ہو گئے تھے اور سلوک آفاقی کو بھی عیان ثابتہ تک طے کیا تھا، اسی دوران میں عنایت خداوندی پہنچی اور سلوک آفاقی کی راہ ان پر کھول دی اور اس راہ میں اسی اسم کی طرف متوجہ ہوئے جو ان کا مربی ہے اور وہاں تک پہنچ کر ولایت و شہادت اور صدیقیت کے درجات تک ترقی کی اور اس راہ سے غیبِ ذات تک گئے اور نہایت النہایت کے نقطہ میں مستہلک ہو گئے اور اس شہادتِ عظمیٰ سے مشرف ہوئے جس کے متعلق حضرت امیر ؓ نے حضرت امام حسن ؓ کے حق میں فرمایا کہ ''یہ میرا بیٹا سردار ہے'' حضرت امام ؓ اسی نقطہ میں اسی سبب سے استہلاک رکھتے ہیں اور اسی نقطہ میں ایک قسم کی بقا اس جگہ میں جو کہ قطب مدار کی بقا کے مناسب ہے اور حضرت خواجہ

نقشبند رحمۃ اللہ علیہ وہاں بقا کی بھی ایک قسم رکھتے ہیں، پیدا کرنا چاہتے ہیں اور اسی راہ سے غیب ذات تک پہنچے کہ اولیا میں سے کم لوگ پہنچے ہیں، اس بلند مقصد تک پہنچنے کی اصل بعض اکابر الاکابر کے ساتھ مخصوص ہے، خصوصاً جب تک محبوب نہ ہوں اس راہ سے غیب تک نہیں جا سکتے ہیں، کامل اور مکمل محبوب کے تصرف تک پہنچنے کی بغیر ان دو طریقوں پر چلنے کی کوئی صورت نہیں ہے اور افراد کی راہ سے اسی مطلب تک معیت کی راہ سے پہنچتے ہیں، لیکن سلوک کی راہ سے ترقی کر کے نہایت تک پہنچنا بہت دشوار بلکہ محال معلوم ہوتا ہے، الا یہ کہ محبوب مراد جذبات قویہ کے ذریعے اس کو کھینچیں اور مقصود تک پہنچائیں، عیش والوں کو ان کا عیش مبارک ہو۔

......﴿مکاشفہ: 6﴾......

ذات باری تعالیٰ کا عرفان:

حق سبحانہ، کی ذات صفات کے اعتبارات سے کافی بلکہ نفس صفات سے مستغنی ہے یعنی جو کچھ صفات میں مترتب ہوتا ہے، ذات صفات سے مجرد اس کی تربیت میں کافی ہے، مثلاً جو امور کہ صفت حیات و علم و قدرت اور ارادہ کے ساتھ وابستہ ہیں، اگر وہ صفات بالکل متحقق نہ ہوں تو ذات تنہا وہ کام کرتی ہے، اس معنی میں نہیں کہ صفات بالکل موجود نہیں ہیں یا علم میں موجود ہیں خارج میں نہیں، کیونکہ یہ اہل سنت و جماعت کے قول کے مخالف ہے، بلکہ صفات استغنائے ذاتی کے

باوجود خارج میں ذات عز سلطانہ کے وجود پر زائد موجود ہیں جیسا کہ اہل حق کا مذہب ہے یہ ایک مثال سے واضح ہوتا ہے، میں کہتا ہوں کہ پانی بالذات بلندی سے پستی کی طرف مائل ہوتا ہے اور اس میل کو میل طبعی کہتے ہیں، پس پانی کی ذات علم وحیات اور قدرت وارادہ کا کام کرتی ہے کیونکہ اگر یہ علم رکھتا تو بھی پستی کی طرف آتا اور ارادت کا کام دو متساوی امور میں سے ایک کو خاص کرنا بھی ہوتا ہے، اس حرکت ارادیہ سے حیات وقدرت کا کام بھی ہوتا ہے، اسی طرح جب وہی پانی مرتبہ تنزل میں حیوان کا جز ہوتا ہے تو اس میل طبعی کے ساتھ ساتھ صفات زائدہ سے بھی متصف ہوتا ہے اور ان امور کو طبعیت کے باوجود صفات زائدہ کے ساتھ کرتا ہے، اللہ کیمثال بہت بلند ہے، اس کی ذات عز شانہ استغنائے ذاتی اور صفات سے کافی ہونے کے باوجود مرتبہ الوہیت میں صفاتِ زائدہ موجودہ کے ساتھ متصف ہوتی ہے اور جن امور کی تحصیل میں اس کی ذات کافی ہے ان صفات کی وجہ سے قوت سے فعل میں لاتی ہے اس لیے جس طرح صفات سے مجرد پانی کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی صفات عین ذات ہیں بلکہ وہاں ذات ہے فقط اور صفت کی گنجائش بالکل نہیں ہے، اسی طرح ذات واجب تعالیٰ کے متعلق نہیں کہا جا سکتا کہ صفات عین ذات ہیں، کیونکہ وہاں صفت نہیں ہے کہ عینیت کا حکم لگایا جائے اور جب صفت کا اعتبار آیا تو عینیت برطرف ہوگئی، اگر چہ اعتبار علمی ہو، پس

واضح ہو گیا کہ متکلمین کا کلام اور واجب تعالیٰ میں صفات زائدہ موجودہ کا اثبات بعض صوفیہ کے کلام سے زیادہ درست ہے جو کہ صفات کی عینیت کے قائل ہیں اور صفات زائدہ موجودہ کا اثبات نہیں کرتے ہیں۔

﴿مکاشفہ: 7﴾

راز حقیقت کیا ہے؟

صفات کی عینیت کا حکم اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر ان صفات کی زیادتی کی نفی حقیقۃ الحقائق تک نہ پہنچنے پر مبنی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اب تک اس جماعت کے لیے ان صفات کے پردے میں مشہود ہے اور چونکہ ذات کو آئینہ صفات میں دیکھتے ہیں، اس لیے آئینے کے اخفا کی وجہ سے ان کی نظر سے پوشیدہ ہو جاتی ہیں، ان کے عدم کا حکم لگاتے ہیں اور اگر ان کا مشہود اس پردے سے باہر نکلتا تو یہ صفات کو ذات سے جدا دیکھتے اور ان کے وجود کا حکم لگاتے، ان کے وحدت وجود کے حکم لگانے میں یہی راز ہے، ماسوا ان کی نظر سے کبھی پوشیدہ نہیں ہوا ہے اور اس پوشیدگی نے اس کے عدم کا حکم لگانے پر مجبور کیا ہے، چونکہ مشہود کا آئینہ مفقود کا آئینہ ہے اور اس کا علم موجود ہے، اس لیے ماسوا میں بھی ان دونوں حالات کے اعتبار سے وجود خارجی کی نفی اور ثبوت علمی کیا ہے اس لیے ان کا فنا مکمل نہیں ہوتا کیونکہ ماسوا کا شعور کرتا ہے اور اس کا مشہود برطرف ہو جاتا ہے اور ماسوا کا عدم شعور

اس وقت متحقق ہوتا ہے جبکہ ان کا مشہود ماسوا کے آئینہ سے پورے طور پر باہر نکل آئے اور چونکہ ایسا نہیں ہوتا ہے اس لیے کہ اس کا کامل ہونا فنا کے تمام ہونے کے اعتبار سے ہے چنانچہ یہ جماعت بقا کے بعد اپنے آپ کو حق پر سمجھتی ہے اور اس علم کا منشا بھی سکر ہے، اگر کمال بقا کے ساتھ مشرف ہوتے تو جس طرح کہ وہ ہیں اپنے آپ کو دیکھتے، عبد مملوک کسی چیز پر قادر نہیں اور یہ جماعت جمادات میں بھی علم و قدرت اور دیگر صفات کا اثبات کرتی ہے اور ان کا ثبوت ذاتی سرایت کے اعتبار سے جانتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کسی چیز میں سرایت نہیں کرتا اور اشیا کا احاطہ، احاطہ علمی ہے اور ذات منزہ کو عالم کے ساتھ کوئی مشابہت نہیں ہے مگر یہ کہ وہ ان کا خالق اور ان کا رزق دینے والا، ان کا پروردگار اور ان کا مولا ہے، اس کلام کی حقیقت اوپر پانی کی ذات اور اس کے میل طبعی کی بحث میں بیان ہو چکی ہے اور ان لوگوں نے اپنے علوم کے اندازے سے دوسرے رنگ میں حکم کیا ہے، اللہ حق کو ثابت کرتا ہے اور وہی راستہ کی ہدایت کرتا ہے، منقول ہے کہ خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں جو خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ کے پیر ہیں اور حضرات خواجگان رضی اللہ عنہم کے حلقہ کے سردار ہیں، ایک دن اعزہ میں سے ایک شخص احوال کا ذکر کر رہا تھا تو آپ نے فرمایا، بلکہ خیالات جن سے اطفال طریقت کی تربیت کی جاتی ہے' بالجملہ احکام شرعیہ اور وہ علوم جو مشکوۃ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے ظواہر مراد اور وضوح مستفاد کے مطابق

ہیں وہ مرکز عدالت واستقامت پر ہیں اور اس کے خلاف کجی اور بے استقامتی کو مستلزم ہے، اگرچہ توجیح وتاویل کے ذریعے ہو یا کشف کے ذریعے ہو، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اِنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ“ ﴿بے شک یہ میرا راستہ سیدھا ہے پس اس کی پیروی کرو اور راستوں کی پیروی نہ کرو﴾ اور نہایت النہایۃ تک پہنچنے کی علامت خصوصاً ان احکام کا تابع اور مطیع ہونا ہے اور ان علوم کے ساتھ متحقق اور متخلق ہونا ہے، کشف کو نص کے تابع بنانا عین استقامت ہے اور الہام کو وحی پر چھوڑنا عین صواب ہے، جن شرائع کے ساتھ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مخصوص ہوئے ہیں یہ ان علوم کے احکام ہیں جو مرتبہ ذات کے مناسب ہیں اور ان کے مقتضا پر عمل کرنا اس نہایت تک پہنچانے والا ہے، اسی طرح ہر پیغمبر علیہ السلام کہ اپنے پروردگار کے مرتبہ کے مناسب ہے اور اس کے مقتضا پر عمل وہاں تک پہنچانے والا ہے، پس جس جماعت کو حق سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت خاتمیت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع کی وجہ سے اس نہایت تک پہنچایا وہ جماعت علم وعمل میں بال برابر بھی شریعت کے مخالف نہیں ہوتی ہے، جس طرح کہ علمائے اہل حق کے نزدیک ثابت ہے اس سے تجاوز نہیں کرتی ہے اور نہ اس سے جدا ہوتی ہے اور علوم لدنی جوان پر فائض کرتے ہیں وہ شریعت غرا کے موافق ہیں بلکہ ان ہی علوم کی تفصیل ہے، ایک شخص نے حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ سلوک سے مقصود کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: تاکہ معرفت اجمالی، تفصیلی

ہو جائے اور ستدلالی کشفی ہو جائے اور ہر وہ کشف جو کہ ظاہر شریعت اور علمائے اہل سنت و جماعت کے مقررہ اصول کے خلاف ہو قبول کے لائق نہیں، اس لیے کہ یہ اس طریقہ مستقیم سے انحراف ہے جو کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا خاصہ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ'' ﴿بے شک آپ مرسلین میں سے ہیں، سیدھے راستے پر ہیں﴾ محمدی المشرب اس علمی اور عملی دولت کے ساتھ مشرف ہے اور ولایت خاصہ محمدی اس کا حصہ ہے اور اس کا مخالف اگرچہ اس کو کشف ہوتا ہو اگرچہ اولیا میں سے ہو اس کا اس ولایت میں حصہ نہیں ہے اور گزشتہ پیغمبروں میں سے کسی ایک پیغمبر کے قدم پر ہے اور وہ علوم صحیفہ کی تقدیر پر انبیا علیہم السلام کے علوم شرائع کے موافق ہیں اور اس کے سیر کی انتہا اسی نبی علیہ السلام کے قدم تک ہے، محمدی المشرب تمام علمی و عملی کمالات کو جامع ہے اور مرکز اعتدال پر ہے، آنچہ خوبان ہمہ دارند تو تنہا داری ؎

آپ کی ذاتِ مبارک کو ہے تنہا حاصل
وہ کمالات کہ جو جملہ حسیں رکھتے ہیں

جو کتاب کہ دنیا و دین کے سردار علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئی وہ ان تمام کتب سماوی کو جامع ہے جو دوسرے انبیا پر نازل ہوئی ہیں اور آپ کی شریعت دیگر شریعتوں کا خلاصہ ہے، فنائے اتم محمدیوں کا خاصہ ہے اور بقائے اکمل ان کی شان

کے لائق ہے، اس لیے کہ بقا کی اکملیت عبد کے مرتبے میں نہیں ہے اور یہ ایسی دولت ہے جو آنجناب ﷺ کو مرحمت ہوئی ہے، دوسرے لوگ طفیلی ہیں اور طفیلی آپ کی تابعداری کرنے والے ہیں، آپ کی پیروی کے بغیر اس منزل تک پہنچنا دشوار، بلکہ محال ہے، یہ بلند مقام نہایت النہایت تک پہنچنے کے ساتھ مربوط ہے، یہ مقام کمال تنزل میں ہے اور وہ نہایت کمال بلندی میں اور نقیض کے طرفین میں اعلیٰ ہے لیکن کوئی چیز اگر اپنی حد سے بڑھ جائے تو اس کا عکس ہو جاتی ہے۔

...... ﴿مکاشفہ: 8﴾ ......

شان حقیقت محمدی ﷺ:

جاننا چاہیے کہ قابلیت اولیٰ جس کی تعبیر حقیقت محمدی ﷺ سے کی جاتی ہے، قابلیت ذات ہے، خصوصاً اس اعتبار علمی کے لیے جو کہ اجمال کے طور پر ان تمام کمالات کے ساتھ متعلق ہوتا ہے جو کہ کلام کی شان ہیں، بلکہ قرآن مجید میں تفصیل سے بیان ہوا ہے اور وہ قابلیت رب محمدی ﷺ ہے اور ہو سکتا ہے کہ بعض صوفیہ نے جو فرمایا ہے کہ آنحضرت کا ربّ شان العلم ہے تو اس کے یہی معنی ہوں اور اس قابلیت اولیٰ کے اعتبار سے افادہ آپ ﷺ کی نسبت متحقق ہوا ہے اور آپ کی کامل پیروی کرنے والوں کے ارباب جو کہ آپ کے قدم پر ہیں ﴿اولاً آپ پر اور ثانیاً ان لوگوں پر درود و سلام ہو﴾ اعتبار مذکور کی قابلیات میں جو کہ اجزا کی طرح ہیں خصوصاً اس

قابلیت جمع کے لیے اور اولوالعزم اور غیر اولوالعزم انبیا اور رسل کے ارباب ہمارے پیغمبر ﷺ کے علاوہ قابلیت ذات ہے، تمام صفات کے لیے اجمالی طور پر متصف ہونے کی اور یہی قابلیت بعض اعتبارات سے مستفیض ہو کر ان کے درجات کے لحاظ سے متعدد حقائق ہو گئے اور جو جماعت کہ ان کے قدم پر ہے اس مقام سے حصہ رکھتی ہے لیکن ان کے حقائق تمام صفات ہیں جو کہ اس قابلیت اخیرہ کے تحت واقع ہوئی ہیں اور یہ قابلیت اللہ جل شانہ کی ذات وصفات کے درمیان برزخ ہے اور قابلیت اولیٰ ذات وصفات اور شیونات ذاتیہ اور ان قابلیات کے درمیان حجاب ہے جو کہ ان قابلیات کے لیے خصوصاً اجزا کی طرح ہیں اور برزخ چونکہ دو جہتوں کا حکم رکھتا ہے اس لیے لازماً دوسری قابلیت میں حجابیت کا حکم پیدا ہو گیا ہے، کیونکہ اس کی آخری جہت وہ صفات ہیں جو کہ ذات پر زائد ہیں اور ذات پر وجود زائد کے ساتھ موجود ہیں جیسا کہ علمائے اہل حق کے نزدیک ثابت ہے، اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کی قدر دانی فرمائے اور یقیناً ایسا ہی ہے اور حجاب کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ شے پر ایک زائد چیز ہے اور قابلیتِ اولیٰ چونکہ اس کی تحتانی جہت سے وہ قابلیات ہیں جو ذات پر زائد محض اعتباری طور پر ہیں، اس لیے اس قابلیت کا انصباغ اسی جہت سے حجابیت کا سبب نہیں ہوتا ہے، البتہ یہاں بھی ایک حجابِ علمی پیدا ہو گیا بخلاف پہلی صورت کے کہ اس میں حجاب عینی خارجی ہے، لیکن جاننا چاہیے کہ حجاب علمی کا اٹھ جانا

ممکن ہے بلکہ وقوع میں آتا ہے اور حجاب خارجی کا اٹھنا ممکن نہیں ہے، یہیں سے ارباب سے ربُ الارباب کی طرف محمدیوں کی ترقیات اور عروج واقع ہوتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ تجلیِ ذاتی آپ ﴿آپ پر اور تمام انبیا پر درود و سلام﴾ کے ساتھ اور آپ کی متابعت کے ساتھ مخصوص ہو اور ان کا مشہود بلا حجاب کے ہو، پس غور کرو اور صفات اور اس کی قابلیات کی جانب میں خلائق اور اپنے ارباب سے عروج ممکن نہیں ہے کیونکہ یہ حجاب مرتفع نہیں ہوتا ہے کہ عروج ممکن ہو، آج کل بعض صوفیہ نے حقیقت محمدی ﷺ کو تمام صفات کے ساتھ اجمالی طور پر ذات کے متصف ہونے کی قابلیت گمان کیا ہے اور اس گمان کا سبب یہ گمان ہے کہ یہ جماعت خانہ صفات میں ہے اور اس مقام سے حصہ رکھتی ہے اور اس مقام کی قابلیت، مذکورہ قابلیت ہے جیسا کہ گزرا، اس لیے ضرورت کی بنا پر اس بلند مقام کو آپ کی طرف نسبت کیا ہے، جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے اور جو پہیے بیان ہوا ہے وہی حق ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ زیادہ جانتا ہے اور وہ راستہ کی ہدایت کرتا ہے اور ان کا یہ حکم لگانا کہ یہ قابلیت شیونات کے اوپر ہے، ایسا ہی ہے اور جن شیونات کو اس کے تحت ثابت کیا ہے وہ شیونات نہیں ہیں بلکہ صفات ہیں، جو اس قابلیت کے تحت ہیں اور چونکہ اس جماعت کی نظر اس گھر سے آگے نہیں بڑھی ہے اس لیے صفات کو شیونات سمجھ لیا ہے، اس وجہ سے زیادتی صفات کے بھی منکر ہیں بلکہ شیونات عین ذات ہیں اور صفات

ذات پر زائد ہیں اور شیونات کی تفصیل علیحدہ لکھی گئی ہے وہاں دیکھنا چاہیے۔

مکاشفہ: 9

کلام اور حضور اکرم ﷺ:

صفتِ کلام بلکہ شان کلام اس لیے کہ ہمارا کلام اس میں ہے، اس کے واسطے محتاج الیہ ہے کہ افادہ اس کے بغیر متصور نہیں ہے، پس تمام کمالات ذاتیہ اور شیونات ذاتیہ پہلے اس صفت کے مرتبہ میں بلکہ اس شان کے مرتبہ میں فائض ہوتے ہیں اور وہاں سے عالم افادہ میں آتے ہیں، مثلاً جو شخص کہ بہت سے کمالات رکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ ان کمالات کو ظاہر کرے تو پہلے ان کو قوت کلامیہ کے مرتبے میں نیچے لاتا ہے اور اس جگہ سے ان کا اظہار کرتا ہے، پس واجب تعالیٰ میں مرتبہ شیونات میں جو کہ ذات پر محض اعتباری طور پر زائد ہیں، کلام کی شان اس معنیٰ کے ساتھ مخصوص ہو گئی اور جو کچھ کمالات مرتبہ ذات و شیونات میں متحقق تھے، پورے کے پورے کلام کی شان میں فائض ہوئے، اس شان کی حقیقت کا پورا حاصل صرف یہی قرآن ہے اور یہ عربی عبارت اور ترتیب اور جو مصاحف میں لکھی ہوئی ہے اور ہر وہ کتاب جو کہ ان پر نازل ہوئی ہے اس قرآن کے اجزا میں سے ایک جز ہے کہ اس کی بعض عبارتوں سے بعض وجوہ سے مستفاد ہے اور ابتدا سے انتہا تک تمام مکونات کی تخلیق اس سے مستفاد ہے "اِنَّمَا قَولُنَا لِشَیْءٍ اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ

فَیَکُوْنُ "﴿ہمارا کسی چیز کے متعلق کہنا، جبکہ ہم اس کا ارادہ کریں یہ کہ اس سے کن کہیں تو ہو جاتا ہے﴾ اس قول کا مصداق ہے اور یہ قرآن اس عظیم مرتبہ کے ساتھ دائرہ اصل میں داخل ہے، کسی ظلیت نے اس کی طرف راہ نہیں پائی اور بعض اکابر اولیاء اللہ جو فرماتے تھے کہ قرآن مرتبہ جمع سے ہے وہ اسی معنیٰ کے اعتبار سے ہے اور قابلیتِ اولیٰ جس کی تعبیر حقیقت محمدی ﷺ سے کی جاتی ہے، اس قرآن مجید کا ظل ہے، پس وہ قابلیت بھی تمام کمالات ذاتیہ کو جامع ہے اور شیونات ذاتیہ ﴿کی جامع﴾ ہوگی، لیکن ظلیت کے طور پر اس اصالت کے طور پر نہیں اور قرآن بطریق اصالت جمع ہے اور اسی مناسبت سے قرآن مجید آنسرور محمد مصطفےٰ ﷺ پر نازل ہوا اور آپ کو اس نعمت عظمیٰ کے ساتھ مخصوص کیا اور حضرت رسالت پناہ ﷺ نے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان میں فرمایا ہے کہ اپنے دین کا دو حصہ اس حمیرا سے اخذ کرو، اسی طرف اشارہ ہے اور آنجناب ﷺ کے خلق کے بیان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ "کان خلقه القرآن "﴿آپ کا خلق قرآن ہے﴾ تو یہ اسی مناسبت کی وجہ سے ہے کہ اصالت و ظلیت ہے اور آپ ﷺ کی شریعت کی بزرگی کو اس سے قیاس کرنا چاہیے اور آپ کی متابعت کو تمام سعادات کا سرمایہ جاننا چاہیے ؎

دولت یہی ہے دیکھیے کس کو نصیب ہو

یہ ایسا علم ہے کہ بعض ان افراد کے ساتھ مخصوص ہے جن کو خُلقِ قرآنی

کے ساتھ متخلق کیا ہے اور اس کی روشنی سے دیدہ بصیرت کو سرمگیں بنایا ہے، اقطاب کی نظر یہاں تک نہیں پہنچتی ہے اور ظلیت کے مراتب سے نفوذ نہیں کرتی ہے اور علوم و مقامات کے دقائق بعض افراد اقطاب کے ساتھ مخصوص ہیں، اقطاب ارشاد و مدار کے دوسرے کاروبار ہیں اور خاص خدمت کے ساتھ مخصوص ہیں، ان لوگوں کے لیے خوشخبری ہے جو قطبیت اور فردیت دونوں کے مرتبوں کو جامع ہیں، مثلاً سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور یہ فردیت کی نسبت ان کو شیخ محمد قصاب رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل ہوئی اور نسبت قطبیت کی تحصیل میں ان کے پیر شیخ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور سید الطائفہ نسبت فردیت کے مقابلے میں نسبت قطبیت کو فراموش کر کے فرماتے ہیں کہ لوگ جانتے ہیں کہ میں سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کا مرید ہوں، میں محمد قصاب رحمۃ اللہ علیہ کا مرید ہوں، اب اصل کلام کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور کہتا ہوں کہ قرآن میں ماضی اور استقبال کا لفظ اس سبب سے ہے کہ ازلیت اور ابدیت کے تمام زمانے اس سے ظہور میں آئے ہیں، ان میں بعض تو ماضی سے اور بعض حال سے اور بعض استقبال سے تعلق رکھتے ہیں تو یہ قرآن کی نسبت سے نہیں ہوتے ہیں بلکہ بعض زمانوں کی نسبت سے ہوتے ہیں، قرآن اس پر شامل ہے، مثلاً ایک شخص اپنے گزشتہ احوال کو ماضی کے ساتھ تعبیر کرتا ہے تو یہ ماضویت اس شخص کے زمانہ حال کے اعتبار سے ہے اس شخص کے اعتبار سے

نہیں، وہ شخص تمام ازمنہ کو جامع ہے، اللہ تعالیٰ صواب کا جاننے والا، سیدھی راہ کا الہام کرنے والا ہے اور اللہ ہی حق کو ثابت کرتا ہے اور وہ راستہ کی ہدایت کرتا ہے، پس قرآن کی تصدیق کرنے والا اور اس کے مطابق احکام کی پیروی کرنے والا تمام کتب سماویہ کی تصدیق کرنے والا اور انبیا علیہم السلام کے جمیع شرائع کے کمالات کو حاوی ہے اور اس کلام اللہ کی تکذیب کرنا اور اس شریعت کے مطابق عمل نہ کرنا بڑی محرومی کو مستلزم ہے ؎

حضرتِ ختمِ رسل ہیں دو جہاں کی آبرو
خاک اس کے سر پہ جو کوئی نہیں اس در کی خاک

…… مکاشفہ: 10 ……

ہر حرفِ قرآن جامع کمالات ہے:

جاننا چاہیے کہ قرآن کے حروف میں سے ہر ایک حرف اجمال کے طور پر تمام کمالات کو جامع ہے اور طویل سورتوں میں جو خاص فضیلت ہے چھوٹی سورتوں میں بھی وہی فضیلت رکھی ہے، طویل و قصیر ہونا اس باب میں کوئی فرق پیدا نہیں کرتا، البتہ ہر سورۃ کے لیے بلکہ ہر آیت کے لیے بلکہ ہر کلمہ کے لیے ایک خاص قسم کی فضیلت مخصوص ہے، جیسا کہ شیون الٰہی میں ہر شان تمام شیونات کو اجمال کے طور پر جامع ہے، ساتھ ساتھ خاص تاثیر اور فضیلت کے ساتھ مخصوص ہے، اس لیے

قابلیت اولیٰ میں جو لوگوں نے کہا ہے کہ اس مرتبہ میں ہر شان تمام شیون کو جامع ہے تو اس مرتبہ میں شیون کا اطلاق ظلیت کے اعتبار سے ہے ورنہ شیون دائرہ اصل میں داخل ہیں۔

……﴿مکاشفہ: 11﴾……

ہر آیت کا پورا فائدہ:

معلوم ہو کہ ہر سورۃ بلکہ ہر آیت جو خاص اور الگ واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، اس کا قرأت کرنا اس کی تلاوت کرنے والے کو اس باب میں پورا فائدہ پہنچاتا ہے، مثلاً جو آیت کہ تزکیہ نفس کے باب میں نازل ہوئی ہے اس آیت کی قرأت کا تزکیہ نفس میں بہت بڑا اثر ہے، اسی پر سب کو قیاس کرنا چاہیے۔

……﴿مکاشفہ: 12﴾……

قرآن دائرہ اصل میں داخل ہے:

تحقیق کہ آیہ کریمہ ”لَا یَاتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِیْل“ مِنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ ” ﴿باطل نہ اس کے آگے سے آتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے، یہ حکیم حمید کی طرف سے اتارا ہوا ہے﴾ میں اس طرف اشارہ ہے کہ قرآن دائرہ اصل میں داخل ہے، باطل کو اس کی طرف راہ نہیں ہے، اس لیے کہ ہر ظل جو کہ جہتِ تحتانی کے اعتبار سے ہے اس کے ظل میں باطل کو راہ ہے، جو کچھ باطل ہے اس کی طرف

راہ نہیں پاتا ہے اور اصلِ خالص ہے، ہر چیز اس کی ذات کے سوا ہلاک ہونے والی ہے، اللہ سبحانہ زیادہ جاننے والا ہے اور وہ راستہ کی ہدایت دیتا ہے۔

...... مکاشفہ: 13 ......

قرآن اور اہل طہارت:

گویا آیۃ کریمہ "لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ" میں اس طرف اشارہ ہے کہ حقیقتِ قرآنی کے بعض دقائق سے مطلع ہونا کامل پاک لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے لیکن اس کے تمام دقائق سے مطلع ہونا حضرت ربُّ العزت جل شانہٗ کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے راہنمائی فرمائی، نیز مساس کسی چیز کے ظاہر کے متعلق بولا جاتا ہے اس لیے وجود ظاہرہ پر مطلع ہوتا ہے لیکن باطن بطون کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور کمال طہارت اس سے وابستہ ہے کہ ماسوا سے کمال انقطاع ہو اور ان تعلقات کے ساتھ آلودگی نہ ہو اور یہ اصل کے ساتھ متصل ہونا اور ظل سے اعراض کرنا ہے خواہ کوئی ظل ہو ؎

فراقِ یار اگر کم بھی ہو، زیادہ ہے

گروہ صوفیہ جن کی نظر قابلیت اولیٰ سے آگے نہیں بڑھی ہے انہوں نے اس قابلیت کو انتہائی عروج سمجھا ہے اور اس کو تعین اول سے تعبیر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ذات پر زائد نہیں ہے اور اس قابلیت کے مشہود کو تعین تجلی ذات کہا ہے اور ان کا بھی ولایت

خاصہ میں سے حصہ ہے، کیونکہ اس ولایت کے درجات میں بھی تفاوت ہے ؂

آسماں عرش کی نسبت سے ہے نیچا ورنہ
اس زمیں سے اسے دیکھو تو ہے کتنا عالی

لیکن اولیاء اللہ کے ایک دوسرے گروہ نے اس مرتبہ کو بھی زائد سمجھا ہے اور یقین کے سایہ میں آرام کیا ہے، یا اللہ تو اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کے واسطے سے ہمیں ان لوگوں کی محبت نصیب فرما۔

……﴿مکاشفہ: 14﴾……

قرآن پاک اور رمضان پاک:

کلام کی شان منجملہ شیونات ذاتیہ کے ہے، تمام کمالات ذاتی اور شیونات ذاتی کو جامع ہے، جیسا کہ پہلے علوم میں بیان کیا گیا اور رمضان کا ماہ مبارک تمام خیرات و برکات کو جامع ہے اور ہر خیر و برکت جو کہ ہے اس کا اللہ تعالیٰ کی جناب سے فیضان ہوتا ہے اور اس کی شیونات کا نتیجہ ہے کیونکہ ہر برائی اور نقص جو وجود میں آتا ہے اس کا سبب ذات وصفات محدثہ ہیں ''مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ '' ﴿جو اچھائی تجھ کو پہنچے تو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی تجھ کو پہنچے وہ تیری اپنی ذات کی طرف سے ہے﴾ خود نص قاطع ہے، اس لیے اس ماہ مبارک کی تمام بھلائیاں اور برکتیں کمالاتِ ذاتیہ کا نتیجہ ہیں کہ

شان کلام ان سب کو جامع ہے اور قرآن مجید اس جامع شان کی حقیقت کا پورا حاصل ہے چنانچہ اس ماہ مبارک کو قرآن مجید کے ساتھ پوری مناسبت ہے، کیونکہ قرآن تمام کمالات کو جامع ہے اور یہ مہینہ تمام بھلائیوں کو جامع ہے جو کہ ان کمالات کے نتائج وثمرات ہیں اور یہی مناسبت اس ماہ میں نزول قرآن کا سبب ہوئی ”شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰن“ ﴿رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا﴾ اور اس ماہ میں شب قدر اس ماہ کا زبدہ اور خلاصہ ہے، یہ رات مغز ہے اور یہ ماہ پوست کی طرح ہے، اس لیے جو لوگ اس ماہ کو جمعیت کے ساتھ گزاریں اور اس کی بھلائیوں اور برکتوں سے بہرور ہوں تو سال بھر اطمینان سے گزارتے ہیں اور خیر و برکت سے معمور ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس ماہ مبارک میں ہمیں نیکیوں اور برکتوں کی توفیق بخشے اور ہمیں اس سے بہت زیادہ حصہ عطا کرے۔

﴿مکاشفہ: 15﴾

فضائل رمضان المبارک:

حضرت رسالت پناہ محمد مصطفےٰ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی شخص افطار کرے تو چاہیے کہ کھجور سے افطار کرے، کیونکہ یہ برکت ہے“ کھجور سے روزہ افطار کرنے کا راز کھجور کے برکت ہونے میں ہے، کیونکہ کھجور کا درخت عنوان جامعیت اور اعدلیت کی صفت کے ساتھ انسان کے رنگ میں پیدا کیا ہے،

اس لیے حضرت پیغمبر ﷺ نے کھجور کے درخت کو بنی آدم کا چچا فرمایا ہے، جو کہ حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی سے پیدا کیا گیا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اپنے چچا کھجور کے درخت کی عزت کرو کیونکہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی باقی ماندہ مٹی سے پیدا کیا گیا ہے“ اور اس برکت کی طرف اس کی نسبت اس جامعیت کے اعتبار سے ہوسکتی ہے اس لیے اس کے پھل یعنی کھجور سے افطار کرنے میں وہ کھجور افطار کرنے والے کا جز بن جاتی ہے اور اس کی حقیقت جامعہ اس جزئیت کے اعتبار سے اس کے کھانے والے کی حقیقت کا جز بن جاتی ہے اور اس کا کھانا بے انتہا کمالات کو جامع ہونے کے اعتبار سے ہوتا ہے جو کہ اس کھجور کی حقیقت جامعہ میں مندرج ہیں اور یہ معنیٰ اگرچہ اس کے مطلقاً کھانے میں حاصل ہے، لیکن افطار کے وقت جو کہ شہواتِ مانعہ اور لذات فانیہ سے روزہ دار کے خالی ہونے کا وقت ہے زیادہ اثر کرتا ہے اور یہ معنیٰ پورے اور کامل طور پر ظاہر ہوتا ہے اور حضور اکرم ﷺ نے جو فرمایا: ”مومنین کا بہترین سحر کھجور سے ہے“ یہ اس اعتبار سے ہوسکتا ہے کہ غذا میں جو کہ صاحبِ غذا کا جز بن جاتی ہے اس غذا کی حقیقت سے اس کی حقیقت کی تکمیل ہوتی ہے اور چونکہ یہ معنیٰ روزہ میں مفقود ہے اس لیے اس کی تلافی کے لیے کھجور سے سحر کی ترغیب دی، گویا اس کا کھانا تمام ماکولات کے کھانے کا فائدہ دیتا ہے اور اس کی برکت جامعیت کے اعتبار سے افطار کے

وقت تک ظاہر ہوتی ہے اور غذا کا یہ فائدہ جو کہ بیان ہوا اس تقدیر پر مرتب ہوتا ہے کہ وہ غذا شرعی تجویز کے طور پر استعمال ہو اور حدود شرعیہ سے سر مو متجاوز نہ ہو، نیز اس فائدے کی حقیقت اس وقت میسر ہوتی ہے کہ اس کا کھانا صورت سے گزر کر حقیقت تک پہنچا ہوا ہو اور ظاہر سے باطن تک آرام کیے ہوئے ہو اور ظاہری غذا اس کے ظاہر کے لیے اور باطنی غذا اس کے باطن کے لیے مد ہے لیکن امداد ظاہری مقصود ہے اور اس کا کھانا عین قصور ہے ؎

لقمہ یوں کھاؤ کہ وہ گوہر بنے
بعد اس کے کھاؤ جو کچھ مل سکے

صاحب غذا کو افطار میں عجلت اور سحر کی تاخیر کا حکم دینے میں تکمیل غذا کا راز یہی ہے، اگر کوئی کہے کہ جب عارف کی تکمیل غذا کی تاثیر میں ہے تو روزے میں جو کہ ترک غذا ہے کیا حکمت ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ بعض اسمائے الٰہی جل سلطانہ جو کہ مرتبہ صمدیت کے مناسب ہے غذا کے روکنے میں بھی اس کی تکمیل ہے، اللہ تعالیٰ حقیقت حال سے زیادہ باخبر ہے۔

......﴿مکاشفہ: 16﴾......

شیون وصفات میں دقیق فرق:

اللہ تعالیٰ کی ذات پر شیون کی زیادتی محض اعتباری ہے اور اس کی ذات

پر صفات کی زیادتی وجود خارجی کے ذریعے ہے اس لیے کہ صفات خارج میں ذات پر وجود زائد کے ساتھ موجود ہیں، جیسا کہ اہل حق کا مذہب ہے اور شیون و صفات میں فرق بہت ہی دقیق ہے، محمدیوں میں جو لوگ کامل ہیں وہ اس فرق سے باخبر ہیں، اس گروہ میں سے اکثر نے اس فرق کو نہ جاننے کی وجہ سے شیون کو عین صفات سمجھا اور خارج میں صفات کے وجود کے منکر ہو گئے اور یہ جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ اہل سنت و جماعت کے اجماع کے مخالف ہے، اس فقیر نے فرق مذکور کو تفصیل کے ساتھ مسودات میں لکھا ہے اور تنظیر و تمثیل کے ساتھ روشن کر دیا ہے، الغرض شیون دائرہ اصل میں داخل ہیں، کسی ظلیت نے ان کی طرف راہ نہیں پائی، جو قابلیات کہ اس شیون کے تحت ہیں سایوں کی طرح ہیں، ان شیون کے لیے محمدیوں کے حقائق ان کے درجات و مراتب کے فرق کے مطابق ہیں اور حقیقت ان سب کو جامع ہے، اس سے مظہر پر صلوٰۃ و سلام اور تحیات اور ظہور کمال کے مظہر پر برکات ہوں، ان اقطاب کے عروج کی نہایت قابلیتِ اولیٰ کے مرتبہ کی نہایت تک ہے، جو کہ حقیقتِ محمدی ﷺ ہے، ان اقطاب کا مقام گویا اس قابلیت کے مرکز کے نقطہ میں ہے اور ہر قطب جو ہوتا ہے ارشاد پر مدار ہوتا ہے اور جب نیچے آتا ہے تو ہر جگہ سے نیچے آتا ہے، ان کی ترقی اس مقام سے اوپر تک نہیں ہے اور اگر ترقی واقع ہوتی ہے تو بعض کو اجمالی طور پر حاصل ہوتی ہے اور اس مقام سے ترقی کرنا

اور دائرہ اصل میں داخل ہونا اس وقت کے افراد کے ساتھ مخصوص ہے اور جب تک فردیت کے مقام تک نہ پہنچے یہ کمال بے حاصل ہے، ہاں بعض کاملین کو افراد کی صحبت کی وجہ سے اور ان کی تاثیر کی وجہ سے اس کمال سے حصہ ملتا ہے، بغیر اس کے کہ فردیت کے مقام تک پہنچیں اور بغیر اس کے کہ دائرہ اصل میں داخل ہوں، چونکہ یہ دخول اقرار کے ساتھ مخصوص ہے، لیکن اس مقام سے دوسروں کو افراد کی مناسبت کے واسطہ سے حصہ حاصل ہے اور افراد میں بھی تفاوت بہت زیادہ ہے، دائرہ اصل میں داخل ہونے کے بعد، اس لیے کہ شیون بھی اس دائرہ میں داخل ہیں اگرچہ عین ذات ہیں لیکن محض اعتباری طور پر ان میں زیادتی حاصل ہے ؎

فراق یار بہت ہے اگرچہ ہو کم بھی
جو آدھا بال بھی ہو آنکھ میں تو کیا کم ہے

شہود ذات سب کا حاصل ہے خواہ شیون کے مرتبے میں ہو خواہ ذات میں داخل ہو ورنہ شہود کو اس مقام میں کوئی دخل نہیں ہے، نیز اس خاص کیفیت کی صورت عالم مثال میں مشہود کی صورت میں متمثل نگرانی ہے اور اس اعتبار سے اس کا اور اس طرح کے دیگر الفاظ کا اطلاق کیا جاتا ہے اور نگرانی مذکور بھی دائرہ اصل میں دخول کے بغیر متصور نہیں ہے اور جو جماعت کہ داخل نہیں ہے اور ظلیت کے مراتب سے پورے طور پر گزر چکی ہے ان لوگوں کا مشہود دائرہ اصل ہے جو کہ حضرت تعالیٰ

شانہ اور شیونات کو جامع ہے، ذات فقط کا شہود شیون کی مشارکت کے ساتھ افراد کے ساتھ مخصوص ہے، جاننا چاہیے کہ ان بزرگوں میں سے جو لوگ ذات تک واصل ہیں اور افراد کے ساتھ ملقب ہیں وہ بھی بہت ہی کم ہیں اور اکابر صحابہ اور اہل بیت میں سے ائمہ اثنا عشر رضوان اللہ علیہم اجمعین اس دولت سے فیض یافتہ ہیں اور اکابر اولیاء اللہ میں سے غوث الثقلین، قطب ربانی، محی الدین شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ ہیں، یہ اس دولت میں ممتاز ہیں اور اس مقام میں خاص شان رکھتے ہیں، دوسرے اولیا کو اس خصوصیت سے بہت کم حصہ ملا ہے اور اسی فضل کا امتیاز ان کے علوشان کا باعث ہوا ہے، چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے، اگرچہ دوسروں کے بھی فضائل و کرامات بہت زیادہ ہیں لیکن ان کا قرب اس خصوصیت میں سب سے زیادہ ہے، اس کیفیت کے ساتھ عروج میں کوئی بھی اس مرتبے کو نہیں پہنچتا ہے، یہ اصحاب اور ائمہ اثنا عشر کے ساتھ اس باب میں شریک ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہی ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے، اللہ بڑے فضل والا ہے۔

……﴿مکاشفہ: 17﴾……

عالم اجسام اور عالم ارواح:

عالم اجسام عالم ارواح کے لیے سایہ کی طرح ہے اور ارواح بھی شیونات الٰہی جل شانہ کے لیے بمنزلہ ظل ﴿سایہ﴾ کے ہیں، جو کہ اسماء الٰہی سبحانہ کی طرح

عین ذات ہیں جو کہ ذات تقدس وتعالیٰ پر زائد ہیں، ظلیت اولیٰ جو کہ شیونات کی ظلیت ہے محمدی المشرب جماعت کے ساتھ مخصوص ہے کہ پوری جامعیت جو اس صورت میں ہے ذات جل سلطانہ کی عینیت سے حاصل ہے اسی وجہ سے تجلی ذاتی ان کے ساتھ مخصوص ہو گئی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے، اللہ بڑے فضل والا ہے۔

مکاشفہ: 18

عالم ارواح کے مشاہدات:

ایک سالک جب چاہتا ہے کہ اس عالم اجسام سے قدم اوپر رکھے تو محض عنایت خداوندی کی وجہ سے بعض کی نظر عالم ارواح پر پڑتی ہے جو کہ اس عالم کی اصل ہے اور ظلیت کی مناسبت کی وجہ سے ارواح خصوصاً شیونات کو یا اسما کو اس عالم اجسام کے لیے جو کہ ظل کا ظل ہے، حق جانتا ہے اور اس کے شہود کو شہود حق یقین کرتا ہے، حالانکہ حقیقت میں اس کا مشہود عالم ارواح ہے جو اپنی اصل کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے اور اس متجلی کے لیے کہ اس تجلی کی ابتدا میں عالم اجسام بھی مشہود ہے لیکن چونکہ نظر اوپر کی طرف رکھتا ہے اس لیے اوپر کی طرف متوجہ ہے، اسی عالم سفلی کو عالم ارواح جان کر اس کی حقیقت کا حکم لگاتا ہے اور اگرچہ اس وقت میں اس کو روحانیت کے عنوان سے نہیں جانتا ہے بلکہ حقانیت کے عنوان سے تخیل کرتا

ہے اس لیے خود کو اور عالم کو حق جانتا ہے اور آخر میں اس متجلی لہ کے لیے عالم اجسام پورے طور پر نظر سے اٹھ جاتا ہے اور مرائیت پیدا کرتا ہے اور وہی عالم ارواح اس عالم میں اس کا مشہود ہوتا ہے، اگرچہ وہ روحانیت کے عنوان سے جانتا ہے، اس وقت میں حکم کرتا ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ موجود ہے اور اس کے علاوہ کوئی چیز موجود نہیں ہے، اس غلبہ شہود کی حالت میں اس وقت بعض کا انا بالکل جاتا رہتا ہے اور اپنے آپ کو گم کردیتا ہے، ان دونوں صورتوں میں اس کی تجلی صورت کی تجلی ہے اور اس کا مشہود صرف عالم ارواح ہے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس مقام میں اس کے لیے بقا بھی پیدا ہوتی ہے اور جو انا کہ زائل ہوگیا تھا وہ واپس لوٹ آتا ہے، اس وقت پھر وہ اپنے آپ کو حق جانتا ہے، حالانکہ حقیقت میں روح کی وجہ سے بقا پائی ہے اور اس کا انا روح پر پڑا ہوا ہوتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس بقا کو حق الیقین خیال کرتا ہے جیسا کہ بعضوں نے گمان کیا ہے اور فنا و بقا کو پہلے قدم میں ثابت کرتا ہے اور علم الیقین اور عین الیقین اور حق الیقین کا اسی مقام میں تصور کرتا ہے اور مقصود تک پہنچنے سے عاجز رہتا ہے ؎

جو کیڑا ایک پتھر میں نہاں ہے
وہی اس کا زمین و آسماں ہے

اور اللہ تعالیٰ کا عالم کو محیط ہونا اور عالم کے تمام ذرات میں اس کا ساری

ہونا اور کثرت میں وحدت کا شہود اور اس طرح کے دیگر خیالات جو اس طریقہ کے نو آموزوں کو پیدا ہوتے ہیں سب اسی مقام میں ہیں، حالانکہ حقیقت میں یہ عالم اجسام میں عالم ارواح کا احاطہ ہے اور چونکہ عنایت خداوندی جل شانہ اس کے شامل حال ہوگئی اور اس بھنور سے اس کو گزار دیا اس لیے اس کی نظر عالم ارواح کی اصل پر پڑتی ہے جو کہ شیونات بلکہ شیونات یا اسما کا عکس ہے اور اسی نظر کی وجہ سے عالم سابق میں فتور پیدا ہوتا ہے اور خود کو اور عالم کو جو حق سمجھتا تھا وہ یقین زائل ہو جاتا ہے، اسی طرح احاطہ وسریان اور اس کے مثل کا حکم بھی کم ہو جاتا ہے اور اس کے شہود کی وجہ شیون یا اسما ہیں جو کہ مرتبہ تنزیہ کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور اس عالم کے ساتھ چنداں مناسبت نہیں رکھتے ہیں اور ان احکام کی بنیاد بھی مناسبت پر ہے اور اس وقت کام حیرت تک پہنچ جاتا ہے اور اس شہود کے غلبہ میں عالم ارواح کا مشہود پوشیدہ ہو جاتا ہے اور آئینہ ہونے کا حکم پیدا کرتا ہے اور اس کا مشہود اسما کے ان شیون کے آئینہ میں ہوتا ہے، پس اس وقت جو انا کہ واپس آیا تھا پھر گم ہو جاتا ہے اور اس مشہود میں استہلاک پیدا ہوتا ہے، بعض کو اس مقام میں ایک بقا حاصل ہوتی ہے، اپنے عین کے لیے عین اسم ہوتا ہے جو کہ ان کا مشہود ہے، مثلاً خود کو علم یا قدرت یا ارادہ پاتے ہیں اور عین اس اسم کی جامعیت کی وجہ سے خود کو وجوب وقدم کے سوا تمام اسمائے الٰہی کا عین پاتے ہیں، اسمائے الٰہی کی اس قسم کی تجلیات کو

تجلیات معنویہ کہتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کو اس مقام سے ترقی نصیب ہوئی تو اس کا مشہود حضرت ذات جل سلطانہ کے اسماو شیون کے آئینے میں ہے اور آئینے کے پوشیدہ ہونے کی وجہ سے اسما کے شیون اس کی نگاہ سے پوشیدہ ہو جاتے ہیں، اس مقام میں شیون و اسما کے پوشیدہ ہونے کی وجہ سے صفات کے وجود کا حکم نہیں کر سکتا ہے۔

مکاشفہ: 19

توحید کی دو اہم قسمیں:

جو توحید کہ طالبان حق جل سلطانہ کو اثنائے راہ میں ظاہر ہوتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں، ایک توحید شہودی اور دوسری توحید وجودی، توحید کی پہلی قسم اس طریقکی ضروریات میں سے ہے، یعنی جب تک طالب کا مشہود ایک نہ ہو اور پورے طور پر کثرت اس کی نظر سے دور نہ ہو مقام فنا سے جو کہ ولایت کا ابتدائی قدم ہے حصہ نہیں پاتا ہے اور وحدت دیکھنے سے مراد یہ نہیں ہے کہ سب کو ایک دیکھے، یہ خود کثرت کا دیکھنا ہے، لیکن اس وقت میں وہ کثرت کو عین وحدت جانتا ہے اور حق کے لیے کچھ بھی مفید نہیں ہے، اسی طرح کثرت سے مراد یہی امکان کے صور و اشکال مخصوصہ یا متخیلہ ہیں کہ محض ان کے ارتفاع کی وجہ سے وحدت کا دیکھنا حاصل ہوتا ہے، خدا کی پناہ پھر خدا کی پناہ ۔

ہزار نکتے یہاں بال سے بھی ہیں باریک
نہ جو کہ سر کو منڈا لے قلندری جانے

نیز جب کثرت نظر سے اٹھ گئی تو ہمیشہ وحدت کا دیکھنا ہے، نہ یہ کہ کبھی کثرت نظر سے اٹھ جاتی ہے اور کبھی مشہود ہوتی ہے، کثرت کا اس قسم کا زوال عدم میں داخل ہے، مقام فنا سے اس کو کچھ سروکار نہیں اور بقا کے بعد جو کہ تکمیل کے مقام میں ہوتی ہے کثرت حاصل ہوتی ہے، وہاں بھی وحدت دائمی مشہود ہے اور کثرت بھی دائمی ہے، نہ یہ کہ کبھی وحدت مشہود ہے اور کبھی کثرت مشہود، اس لیے کہ وہاں فنا و بقا ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوتے ہیں، عین فنا میں باقی ہے اور عین بقا میں فانی، توحید کی دوسری قسم راہ کی ضروریات میں سے نہیں ہے اس لیے بعض کو اثنائے راہ میں اس سے اتفاق پڑتا ہے اور کسی کو نہیں، جس گروہ کو زیادہ تر انجذاب قلبی کا، جو کہ زیادہ منازل سلوک طے کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے، حصہ حاصل ہو جاتا ہے اس کو اس قسم کی توحید زیادہ حاصل ہوتی ہے، ایک گروہ اور بھی ہے کہ اس راہ کے سالکوں کو انجذاب قلبی میں اس قسم کی توحید ظاہر نہیں ہوتی ہے، اس قسم کی توحید کی بنا سکر وقت اور غلبہ حال ہے اور قلبی محبت کا استیلا ہے، اس لیے ارباب قلوب کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے جو منتہی حضرات اس مقام قلب سے گزرتے ہیں اور مقلب قلب سے جا ملے ہیں اور وقت و حال سے اوقات کے موقت کرنے والے

اور احوال کے بدلنے والے تک پہنچے ہیں اور سکر سے صحو تک آ کر اور اس کے لیے انجذابِ روحی پیدا کیا ہے، اس توحید سے کوئی سروکار نہیں رکھتے، ان میں سے بعض کو حقیقت پر اطلاع دیتے اور گزارتے ہیں اور کچھ دوسرے لوگ نفی و اثبات سے کوئی کام نہیں رکھتے ہیں، متقدمین صوفیہ رحمۃ اللہ علیہم کا طریقہ اس طور پر واضح ہے کہ اس توحید کے ساتھ بہت کم مناسبت ہے، بلکہ اس کے ساتھ مناسبت معدوم ہے اور ان کا سلوک جو کہ مقامات عشرہ کے طے کرنے کے نام سے مشہور ہے تزکیہ نفس سے تعلق رکھتا ہے، مقامِ توحید محبت قلبی کا مقام ہے اور متقدمین کی بعض عبارتیں جو توحید پر دلالت کرتی ہیں مثلاً ''انا الحق'' اور سبحانی'' تو اس سے توحید شہودی مراد لینا چاہیے تا کہ ان کے سلوک کے موافق ہو، ہاں ایک جذبہ کے ساتھ ملے ہوئے سلوک کی بھی گنجائش ہے جو کہ اس توحید وجودی کے سالک کے دوران راہ میں پیش آتا ہے اور بعض کو اس مقام سے گزار کر انتہائے کار تک پہنچا دیتے ہیں اور کچھ لوگوں کو اسی مقام سے الفت بخشتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اسی مقام میں مقید رہتے ہیں، جاننا چاہیے کہ توحید وجودی کی ایک قسم جو کہ اس موقع میں بلکہ سابق حالات میں بھی توحید وجودی کے مراقبات کی ممارست اور کلمہ توحید بمعنی ''لا الہ موجود الا اللہ'' سے تعلق کے بعد حاصل ہوتی ہے، یہ ایسی توحید ہے کہ خیال کو اس میں پورا دخل ہے، گویا کثرت مزاولت اور تکرار ممارست کی وجہ سے خیال میں ایک صورت

بندھتی ہے اسے محبت سے چنداں تعلق نہیں ہوتا، اگر چہ انجذاب محبت کی آمیزش کے بغیر نہ ہوگا لیکن معلول ہے اور اس کے جعل کی تجعیل مجعول ہے، تم جانو کہ توحید شہودی کا حصول توحید وجودی کے بعد ہے، جن لوگوں کو دونوں توحیدیں ظاہر ہوتی ہیں جس وقت تک کہ توحید وجودی کے قابل ہوں رویت کثرت کی قید کے باعث کثرت رکھتے ہیں اور چونکہ کثرت پورے طور پر ان کی نظر سے دور نہیں ہوتی ہے توحید شہودی حاصل نہیں ہوتی ہے اور توحید وجودی کے مقام سے آگے نہیں جاتے ہیں، ان سطور کے کاتب کو دونوں توحید کے ساتھ مشرف کیا، ابتدائے حال میں توحید وجودی کا انکشاف فرمایا، یہاں تک کہ کئی سال تک اس مقام میں رکھا اور اس مقام کے دقائق بتلائے اور اس کی حقیقت کی اطلاع دی، آخر کار کمال بندہ نوازی کی بنا پر اس مقام سے گزار دیا اور توحید شہودی کے مقام سے مشرف بنایا اور دونوں مقاموں کے علوم و معارف سے آگاہی بخشی، توحید وجودی سیر آفاقی میں ہے اور اس سیر کا منتہا توحید شہودی ہے جس کی تعبیر فنا سے کی جاتی ہے، بقا کے بعد سیر انفسی ہے، اس زمانہ کے بعض لوگ جو اپنے آپ کو اس گروہ سے سمجھتے ہیں، جس وقت کہ طالب اپنے آپ کو عین حق پاتا ہے، توحید وجودی میں جانتے ہیں جو کہ سیر انفسی میں داخل ہے اور جن اشیا کو کہ عین حق پاتا ہے سیر آفاقی جانتا ہے، اللہ تعالیٰ حق کو ثابت کرتا ہے اور سیدھا راستہ دکھاتا ہے، اللہ تعالیٰ حقیقت حال سے زیادہ باخبر ہے اور اللہ تعالیٰ ہی مرجع اور مآل ہے۔

مکاشفہ: 20

اب کام کا وقت ہے:

برادر عزیز! کام کا وقت ہے بات کا نہیں، ظاہر و باطن میں اس کی جناب قدس کا گرفتار ہونا چاہیے، اللہ سبحانہ کی اجازت کے بغیر آنکھ نہ کھولنی چاہیے۔

کام تو بس یہ ہے باقی ہیچ ہے

مکاشفہ: 21

نسبت نقشبندیہ کا امتیاز:

ایک مدت ہوئی ہے کہ باطنی سبق کی تکرار اور اس کے احوال کی کیفیات سے مطلع نہیں کیا ہے، امیدوار ہوں کہ استقامت کے طریقے پر ہوں گے، جو کہ شجرہ طیبہ سے ماخوذ اور نقشبندی انوار سنیہ سے اقتباس کیا ہوا ہے، اس لیے کہ ان بزرگوں کا کلام دوا ہے اور نظر شفا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ان لوگوں کی صحبت میں برسوں کا کام ساعتوں میں آسان ہوتا ہے اور ان کا ایک التفات سیکڑوں چلہ سے بہتر ہے، اس لیے کہ دوسروں کی نہایت ان بزرگوں کی ہدایت میں مندرج ہوئی ہے اور ان کا طریق قریب ترین طریقہ ہے اور ان کی نسبت جو حضور و آگاہی سے عبارت ہے تمام نسبتوں سے بالا ہے، حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ہم دوسروں کی نہایت کو بدایت میں درج کرتے ہیں اور فرمایا کہ حق

کی معرفت بہاؤ الدین پر حرام ہے اگر ہماری ابتدا بایزید کی انتہا نہ ہو اور فرمایا کہ ہمارا طریقہ قریب ترین طریقہ ہے اور یقیناً پہنچانے والا ہے، حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ہماری نسبت تمام نسبتوں سے بالا ہے اور نسبت سے حضور و آگاہی مراد لیا ہے، غرض ان اکابر کا کارخانہ بلند مرتبہ ہے، ہر مبتدی و منتہی اس سے نسبت نہیں رکھتے ہیں، مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

سکہ جو بطحا و یثرب میں چلا
اب بخارا سے وہی جاری ہوا
کون اس کے نقش سے ہے بہرہ مند
ہاں دل بے نقشِ شاہ نقشبندؒ
ان کا اول آخرِ ہر منتہی
انتہا، جیبِ تمنا ہے تہی

کیا کیا جا سکتا ہے، آپ کی صحبت چار گھڑی بھی نہ رہی کہ ان بزرگوں کے کمالات کا ایک شمہ بھی واضح کیا جاتا، اب بھی کچھ نہیں گیا ہے، موقع غنیمت ہے اور اللہ تعالیٰ توفیق بخشنے والا ہے، برادر عزیز! ایک توفیق آثار نے میاں شیخ فرید کو تمہاری خدمت میں بھیجا ہے تاکہ باطنی سبق کا کام انجام دے اور اس کو جلا بخشے، اللہ تمہیں راہ دکھائے، تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ولایت و نبوت ہر دو کا حصول قرب حق سبحانہ کے

مراتب میں ہے بغیر اس شائبہ کے کہ بندہ حق جل وعلیٰ تک عروج کرتا ہے اور بغیر اس مظنہ کے کہ اللہ تعالیٰ نزول کرتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا قرب بے چون و بے چگون ہے، ہاں جو نسبت کہ بے چون کے ساتھ تعلق اختیار کرتی ہے مجبوراً بے چون ہوگی، اس لیے کہ بندہ جب تک بے چونی کا مظہر نہ ہوگا اس قرب کو معلوم نہیں کرسکتا اور عام لوگ جو کچھ قرب کو سمجھتے ہیں بلکہ اکثر ارباب کشف وشہود اپنے کشف کے ذریعہ قرب کے معنی سمجھتے ہیں اور اس سے لذت حاصل کرتے ہیں، تو یہ اجسام لطیفہ کے قرب کے قبیل سے ہے کہ ذات ﴿جل سبحانہ تعالیٰ وتقدس﴾ میں قدم رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بہت زیادہ بلند ہے، اللہ تعالیٰ کا قرب دو قسم کا ہے، ایک اس کی ذات جل شانہ کا قرب اور دوسرا اس کی صفات ﴿تعالت وتقدست﴾ کا قرب اور جو قرب کہ اسما و صفات کے ظل سے تعلق رکھتا ہے، وہ حقیقت میں اس قرب کے دائرہ سے خارج ہے اور اس پر قرب کے لفظ کا اطلاق مجاز کے طور پر ہے، پس ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا بالاصالت قرب انبیا علیہم السلام کے حصے میں ان کے درجات کے اختلاف کے مطابق ہے اور مرتبہ نبوت کے کمالات تابعہ میں ہے اور انبیا کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین تبعیت کے مرتبہ پر اس قرب سے علیٰ فرق مراتب حصہ رکھتے ہیں اور جو لوگ کہ اس قرب ذاتی کی دولت سے اصالتاً یا تبعاً مشرف ہیں یہ وہ سابقین ہیں جن کی شان میں آیت "وَ السَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ" ﴿اور جو لوگ اعلیٰ درجہ کے ہیں تو اعلیٰ درجہ کے ہیں وہ

خاص قرب رکھنے والے ہیں، یہ لوگ آرام کے باغوں میں ہوں گے، ان کا ایک بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہوگا اور تھوڑے پچھلے لوگوں میں سے ہوں گے﴾ صادق ہے، ہاں چونکہ اولین میں ہزاروں انبیا کرام تھے اور لاکھوں ان کے اصحاب تھے اس لیے لازماً آخرین سے کثیر ہوئے جو کہ ایک پیغمبر خاتم الرسل رکھتے ہیں اور آپ کے اصحاب کرام کی ایک جماعت ہے اور آخرین وقت میں سے ایک قلیل مثلاً حضرت مہدی علیہ الرضوان اور اکمل اصحاب، ہو سکتا ہے کہ آنجناب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس دولت کے حصول کے اعتبار سے جو کہ آخرین امت میں بھی ہوگا فرمایا ہوگا، کہ معلوم نہیں ان میں پہلے بہتر ہیں یا آخری اور صفات کا قرب کامل اولیا کا حصہ ان کی صلاحیتوں کے فرق کے اعتبار سے ہے اور یہ قرب انبیا علیہم السلام کی ولایت کے کمالات تابعہ سے ہے کہ پیروی کی وجہ سے ان کی پیروی کرنے والوں کو حاصل ہوا ہے، اگرچہ اکثر اس قرب کو قرب ذات نہیں سمجھتے ہیں اور بے رنگی اور بے صفتی کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں، یہ ایسا نہیں ہے بلکہ بے رنگی اور بے صفتی کی وجہ سے ان اصناف کو جو مرتبہ صفات میں ہیں بے رنگی اور بے صفاتی میں ایک صفت مطلق جو مرتبہ ذات میں ہے تصور کر کے وہم میں پڑ جاتے ہیں اور تجلی صفت کو تجلی ذات سمجھتے ہیں، اس ولایت کے کمالات قرب صفات سے تعلق رکھتے ہیں اور ظل کمالات درجہ نبوت ہے جو کہ قرب ذات کے ساتھ متعلق ہے اور جو لوگ کہ اسما و صفات کے ظلال کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اس ولایت کا ظل ہے بیک واسطہ یا بچند واسطہ اور اگرچہ

اس قرب پر بھی ولایت کے لفظ کا اطلاق کرتے ہیں لیکن تجوز و مسامحہ سے خالی نہیں ہے، جیسا کہ پہلے گزرا، اس لیے کہ قرب ظل کو جو کہ دائرہ امکان سے باہر ہے قرب اصل سمجھا ہے اور لفظ ولایت کا اس پر اطلاق کیا ہے، اس قرب تک پہنچنے والے بھی اولیا میں داخل ہیں اور فنا و بقا کے ساتھ متحقق ہیں، اس لیے کہ یہ جماعت دائرہ امکان سے باہر آ گئی ہے اور ظلال وجوبی تک پہنچ گئی ہے، چنانچہ مجبوراً امکان سے خالی ہو کر ظل وجوب کے ساتھ بقا پائے ہوئے ہیں، جاننا چاہیے کہ دائرہ امکان سے باہر ہونے اور ظلال وجوب میں داخل ہونے سے مراد شہود کے اعتبار سے ہے نہ یہ کہ امکان سے حقیقت میں نکل کر ظلال وجوب میں داخل ہو جاتے ہیں کہ وہ یقیناً متضاد ہے اور قلب حقائق کہ محال عقلی ہے، تم جانو کہ مرتبہ نبوت جو قرب ذات کے ساتھ تعلق رکھتا ہے مراتب ولایت کے اعتبار سے ایک محیط سمندر کی طرح ہے اور اس کو چند قطروں سے جو نسبت حاصل ہے، ذات جل سلطانہ سے صفات تعالت و تقدست تک یہی نسبت ہے، ظلال صفات تک کیا پہنچے، نیز مرتبہ نبوت کا شہود شہودیت کے رنگ میں عالم میں ہے نہ عالم کے خارج میں اور نہ عالم سے اتصال رکھتا ہے اور نہ عالم سے انفصال، بخلاف شہود ولایت کہ عروج تام کے وقت وہاں شہود بیرون عالم ہے اور ہبوط ﴾نزول﴿ کے وقت عالم میں بلکہ اپنے نفس میں ہے، نیز صاحب کمالات نبوت علم کے لیے صانع جل سلطانہ کے ساتھ سوائے صانعیت

اور مصنوعیت کے اور مولویت ﴿مولائیت﴾ اور عبدیت کے اور کوئی نسبت نہیں دکھاتے ہیں، بخلاف ارباب ولایت اصلی وظلی کے کہ عالم کو ذات وصفات واجبی کا آئینہ جانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اسماو صفات کے کمالات کا ظل سمجھتے ہیں اور جو شخص قرب ظل کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے، یہ دید اس میں زیادہ غالب ہوتی ہے اور جو کم مناسبت رکھتا ہے اس میں اس دید کی کمی ہوتی ہے، لیکن اس دید کی اصل سے خالی نہیں ہوتا اگر چہ بعض اوقات میں ہوتا ہو، مگر وہ شخص جو کہ ارباب علم میں سے نہ ہو اور جہل میں اس نے تربیت پائی ہو وہ بحث سے خارج ہے کیونکہ وہ تفصیل کے ساتھ اپنے احوال کا علم نہیں رکھتا ہے، نیز صاحب کمالات نبوت ہمیشہ عالم کے ساتھ ایک نسبت رکھتا ہے اور نہ عالم سے عروج رکھتا ہے اور نہ عالم میں نزول، کیونکہ اپنے مشہود کو عالم سے خارج نہیں سمجھتا ہے کہ عروج کرے اور وہاں شہود کرے اور عالم میں داخل بھی نہیں سمجھتا ہے کہ نزول فرمائے اور دونوں عالم کا شہود ثابت کرے، بخلاف ارباب ولایت کے، اسی طرح علمائے اہل حق نے جو فرمایا ہے: ''حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نہ تو عالم میں داخل ہے اور نہ عالم سے خارج ہے، نہ عالم کے ساتھ متصل ہے اور نہ عالم سے منفصل ہے'' یہ مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہے اور انبیا علیہم السلام کی متابعت کے انوار سے لیا گیا ہے کیونکہ ارباب ولایت کے شہود کا مذاق اس معرفت سے دور اور مہجور ہے، نیز صاحب کمالات نبوت کی نظر جب عالم کی طرف کلی طور پر متوجہ ہوتی

ہے یعنی ظاہر و باطن کے ساتھ عالم کی طرف توجہ فرماتا ہے یہاں تک کہ اس کا باطن حق سبحانہ وتعالیٰ کا دیکھنے والا ہے اور اس کا ظاہر عالم ملک کی طرف متوجہ ہے، فوق کی طرف توجہ کے وقت نظر پورے طور پر جناب قدس جل شانہ تک محصور ہے اور عالم کی طرف توجہ کے وقت پورے طور پر عالم کی طرف نظر ہے، ان بزرگوں کے حق میں دونوں جہات کی طرف نظر مفقود ہے، بخلاف ارباب ولایت کے کہ ان کا باطن اپنے حال پر ہے اور ان کے ظاہر نے عالم کی طرف توجہ کیا ہے اور اس مقام کو مقام تکمیل کہتے ہیں اور اس شہود کو "شہود جامع، بین الشہود الحق وشہود الخلق" ﴿شہود حق اور شہود خلق کا جامع شہود﴾ کہتے ہیں اور اس مقام کو مقامات ولایت ودعوت کا کمال جانتے ہیں، اس مقام میں جمع بین التنزیہ والتشبیہ کا اثبات کرتے ہیں اور اس توجہ جامع کو صرف توجہ تنزیہ سے بہتر سمجھتے ہیں، ہر جماعت اسی چیز میں مگن ہے جو کہ اس کے پاس ہے، اس ہزار سال میں معلوم نہیں ہے کہ کسی نے بھی اس معرفت پر لب کشائی کی ہو اور رجوع کے وقت میں پوری نظر عالم پر رکھ کر گفتگو کی ہو، بلکہ قریب ہے کہ اس بات کو نقص پر محمول کریں اور اس حالت کو ناقص جانیں، معذور ہیں، جنہوں نے چکھا ہی نہیں انہیں کیا معلوم، ان کے عذر کو بیان کرتے ہیں، معلوم ہو کہ رجوع کے وقت جب نظر پورے طور پر رجوع کرے تو اس کی علامت یہ ہے کہ کہ باقی کام کے فوق میں رہ گیا ہے اور مقصد حقیقی تک نہیں پہنچا ہے اور جب نظر پورے طور پر متوجہ ہو

تو معلوم ہوتا ہے کہ کام کو انتہا تک پہنچا کر تربیت خلق کی طرف رجوع فرمایا ہے، سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں اس کی ہدایت کی، ہم ہدایت نہیں پا سکتے تھے اگر اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی ہدایت نہیں کرتا، ہمارے پروردگار کے رسل حق کے ساتھ آئے، یہ اور اس جیسی معرفت علوم وہبی اور مواہب لدنی میں سے ہے، معارف کسبی اور علوم استدلالی میں سے نہیں ہے کہ اس کو ترتیب مقدمات کے ذریعے سر انجام دے سکیں، یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے، اللہ بڑے فضل والا ہے۔

……﴿مکاشفہ: 22﴾……

حقیقت کعبہ مشرفہ:

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، برادر عزیز شیخ محمد طاہر بدخشی نے استفسار کیا ہے کہ رسالہ مبدا و معاد میں واقع ہے کہ جس طرح کعبہ کی صورت، صورتِ محمدی ﷺ کی مسجود الیہ ہے اسی طرح اس کی حقیقت بھی حقیقت محمدی کی مسجود الیہ ہے، اس سے حقیقت محمدیہ ﷺ پر کعبہ معظّمہ کی حقیقت کی فضلیت لازم آتی ہے، حالانکہ یہ ثابت ہے کہ عالم و عالمیان کی پیدائش کا مقصود آپ ﷺ ہیں، اگر آپ نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ افلاک کو پیدا نہ کرتا اور نہ ربوبیت ظاہر ہوتی جیسا کہ وارد ہوا ہے، جاننا چاہیے کہ کعبہ کی صورت سے مراد سنگ و کلوخ نہیں ہیں کیونکہ بالفرض اگر یہ سنگ و کلوخ درمیان میں نہ ہوں تو بھی کعبہ، کعبہ ہے اور مسجود خلائق ہے، بلکہ کعبہ کی صورت

باوجویکہ عالم خلق سے ہے، حقائق اشیا کے رنگ میں ایک ایسا پوشیدہ امر ہے کہ حس و خیال کے احاطہ سے باہر ہے اور عالم محسوسات سے ہے اور کوئی محسوس اشیا کے لیے متوجہ الیہ نہیں ہے اور توجہ میں کوئی ایسی ہستی نہیں ہے۔ جس نے نیستی کا لباس پہنا ہے اور نہ نیستی ہے۔ جس نے ہستی کے لباس میں اپنے آپ کو ظاہر کیا ہے، جہت میں بے جہت ہے، سمت میں بے سمت ہے، غرض اس کی یہ حقیقت بین صورت ایک عجوبہ ہے کہ عقل اس کی تشخیص میں عاجز ہے اور عقلاء اس کے تعین میں حیران ہیں، گویا عالم بے چونی و بے چگونی کا نمونہ رکھتا ہے اور بے شبہی و بے نمونی کی علامت اس میں موجود ہے، ہاں جب تک ایسا نہ ہوگا مسجودیت کے لائق نہ ہوگا اور موجودات میں سے سب سے بہتر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام شوق و آرزو کے ساتھ اس کو اپنا قبلہ اختیار نہ فرماتے "فِیْهِ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ" ﴿اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں﴾ اس کی شان میں نص قاطع ہے اور "وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا" ﴿اور جو اس میں داخل ہوگیا وہ مامون ہوگیا﴾ بیت اللہ کی مدح کرنے والے کا یہ فرمان اس کے حق میں ہے، صاحب جل شانہ کی خاص کینونیت اس کے ساتھ ہے اور اس کے ساتھ اتصال و نسبت مجہول الکیفیت، بے چون و بے چگون ہے "وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ لَاعُلٰی" ﴿اللہ کے لیے بلند مثال ہے﴾ عالم مجاز میں کہ قطرہ حقیقت ہے بیتوتیت سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی صاحب خانہ کی آرام گاہ اور جائے قرار ہے، دولت مندوں کے لیے اگرچہ بہت ہی نشستگاہیں اور بے شمار نشست و برخاست کی

جگہیں ہیں، لیکن گھر گھر ہے کہ اغیار کی مزاحمت سے بیگانہ ہے اور مسکن اور آرام گاہ جانانہ ہے، اگرچہ بمصداق حدیثِ قدسی ”ولکن یسعنی قلب عبد المومن“ ﴿لیکن میں مومن بندے کے قلب میں سماتا ہوں﴾ مومن بندے کا قلب بے چونی کے ظہور کی گنجائش پیدا کرتا ہے لیکن بیت کی نسبت جو کہ بیتوتیت سے ماخوذ ہے کہاں سے پیدا کرے گا اور مزاحمت اغیار کی ممانعت کہاں سے لائے گا جو کہ لوازم بیت میں سے ہے اور چونکہ غیر اور غیریت کو اس جگہ میں دخل نہیں ہوتا ہے اس لیے ناچار سجدہ گاہ خلائق ہوتا ہے کہ غیر کے لیے سجدہ نہیں ہوتا ہے اور غیریت مسجودیت کے منافی ہے، حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے اپنی جانب سجدہ تجویز نہیں فرمایا ہے، بیت اللہ کی جانب شوق ورغبت کے ساتھ سجدہ کیا، تفاوت کی حقیقت یہاں سے معلوم کرو ساجد اور مسجود کے درمیان کس قدر فرق ہے، اے برادر! جب تم نے کعبہ معظّمہ کے متعلق کچھ سن لیا تو اب تھوڑا اس کی حقیقت کے متعلق بھی سنو، کعبہ کی حقیقت اس واجب الوجود کی ذات بے چون جل سلطانہ سے عبارت ہے کہ ظہورِ ظلیت کی گرد نے اس تک راہ نہیں پائی ہے اور معبودیت و مسجودیت کے شایاں ہے، اس حقیقت جل سلطانہ کو اگر حقیقتِ محمدی ﷺ کا مسجود کہیں تو کیا دشواری لازم آتی ہے اور اس کی اس پر فضیلت کیا کمی رکھتی ہے، ہاں حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی حقیقت تمام افراد عالم کے حقائق سے افضل ہے، لیکن کعبہ معظّمہ کی حقیقت منجملہ عالم کے نہیں ہے کہ اس کی ظرف اس کی نسبت کی

جا سکے اور پہلے کی افضلیت میں توقف کیا جائے، تعجب ہے کہ عقلائے ذوفنون نے ان دو صاحبان دولت کے ساجدیت و مسجودیت میں صورتوں کے تفاوت کی طرف دھیان نہیں دیا کہ مقام اعتراض میں رہے اور تشنیع کے لیے لب کشائی کی، حضرتِ حق سبحانہ وتعالیٰ ان کا انصاف کرے کہ بے سمجھے ملامت نہ کریں، اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہوں کو اور اپنے امور میں ہمارے اسراف کو بخش دے اور ہمارے قدموں کو ثبات بخش دے اور کافر قوم کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما دے۔

……﴿مکاشفہ: 23﴾……

مقالات فتوح الغیب کا حاصل:

حسب ارشاد کتاب فتوح الغیب کے مخصوص مقالات مطالعہ کیے، ان مقالات کا حاصل ارادت اور ہویٰ کے فنا کا بیان ہے جو اس راہ کے قدموں میں سے ایک قدم ہے اور افعال کی تجلی کا نتیجہ ہے کہ اول تجلیات ہے، آپ نے لکھا تھا کہ اس کتاب مستطاب کا حاصل خلق و نفس، خواہش، ارادہ اور اختیار کے فنا میں منحصر ہے، فقیر کی نظر میں اپنے تمام احوال کرامت مآل کو بیان کیا ہے، فوری فائدہ جو حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ولایت کا مرتبہ کس قدر بلند مرتبہ ہے، خصوصاً آنخضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی ولایت کبریٰ، مخدوم و مکرم! خواہش و ارادہ کا فنا کرنا مطالبِ مقصود میں سے نہیں ہے بلکہ اس سے مقصود استعداد اور قابلیت کا

حصول ہے کہ بے نہایت تجلیات وظہورات ﴿حاصل ہوں﴾، ایسی تجلیات و ظہورات کہ اگر بالفرض اس کا ایک شمہ ظہور میں لایا جائے تو قریب ہے کہ نزدیک کے لوگ دوری چاہیں اور دور والوں کا کیا کہنا، ان ظہورات کے ضمن میں قرب و منازل کے مراتب اور انبساط جو حاصل ہوتے ہیں اگر ان میں سے تھوڑا بیان کیا جائے تو دانا لوگ الحاد و زندقہ کا حکم لگائیں، نادانوں کا شکوہ کیا کیا جائے، وہاں خواہش و ارادہ کے فنا کا نام زبان پر لانا ہزاروں عار ہے، ضرورت کی بنا پر کاہل مبتدیوں کی تربیت کرنے کے لیے فنا کی اس قسم کو بیان کرتے ہیں اور حصول و مطلوب کے مقدمہ کو کھولتے ہیں، پس معلوم ہوا کہ کمالات ولایت جس سے اولیا کے قدموں کا تفاضل متعلق ہے وہ کوئی دوسری چیز ہے، ارادہ اور خواہش کا فنا ایک قدر مشترک ہے کہ اس کے حاصل کیے بغیر کمالات ولایت کی طرف راہ نہیں ہے

اپنی ہستی میں نہ ہو جب تک فنا
پائے کب راہِ حریمِ کبریا

اب تھوڑا سا حال کمالاتِ ولایت سے ظاہر کیا جاتا ہے، ذکر کے وقت یعنی ابتدائی حالات میں سالک ممکنات کے ذرات میں سے ہر ایک ذرہ کو ذاکر پاتا ہے، خواہ آفاق ہوں یا انفس اور توجہ کے وقت جو کہ مقام ذکر سے اوپر ہے ہر ذرہ کو جناب خداوندی جل سلطانہ کی طرف متوجہ دیکھتا ہے اور بوقت شہود جو کہ عالم سے

تعلق رکھتا ہے اور آئینہ میں ظاہر ہوتا ہے، ذرات میں سے ہر ذرہ کو حسن لازوال کا آئینہ جانتا ہے بلکہ ہر ذرہ کو اسما و صفات کا جامع جانتا ہے۔

مکاشفہ: 24

سالک طریقت کا اختیار:

اے مخدوم! جو ارادت کہ سالک کو اختیار و ارادت کے فنا کے بعد عطا فرماتے ہیں، ضروری نہیں ہے کہ اس ارادے کے ذریعے جو کچھ کرامات اور خوارق عادات چاہے وقوع میں آئے جیسا کہ عوام خلائق کا گمان فاسد ہے بلکہ ممکن ہے کہ کسی کامل کو یہ ارادت عطا فرمائیں اور کرامات و خوارق عادات میں سے کچھ بھی نہ ظاہر کریں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس ارادے کا مالک اس پہلے ارادے کے مالک سے اعلیٰ و ارفع ہو، شیخ الشیوخ رحمۃ اللہ علیہ نے عوارف میں فرمایا ہے کہ ''اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے بندے پر آیات و کرامات کا مکاشفہ بندے کی تربیت اور اس کی کیفیت اور ایمان کی تقویت کے لیے کرتا ہے، اس کے بعد صاحب کشف و خوارق کی حکایات بیان کیں، پھر فرمایا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی بخشش ہے اور کبھی اس کا مکاشفہ کچھ لوگوں کو ہوتا ہے اور عطا ہوتا ہے، حالانکہ ایسے لوگ موجود ہوتے ہیں جو ان سے بلند مرتبہ ہوتے ہیں لیکن ان کو ان چیزوں میں سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا تاکہ یقین کی تقویت ہو اور جس کو یقین کامل عطا ہو چکا ہو اس کو ان میں سے کسی چیز کی ضرورت

نہیں اور یہ تمام کرامات قلب میں ذکر کے جاگزیں ہونے اور ذکر ذات ہو جانے سے کم درجے کی ہیں'' اور قریب قریب یہی بات شیخ الاسلام ہروی رحمۃ اللہ علیہ نے منازل السائرین میں فرمائی ہے اور تجربہ سے جو چیز میرے نزدیک ثابت ہے وہ یہ کہ اہل معرفت کی فراست ان کی اس تمیز میں ہے کہ کون حضرت عزوجل کی صلاحیت رکھتا ہے اور کون نہیں اور ان اہل استعداد کو معلوم کرتے ہیں جو کہ اللہ سبحانہ کے ساتھ مشغول ہوئے اور حضرت جمع تک پہنچے ہیں، یہ اہل معرفت کی فراست ہے لیکن ریاضت، بھوک، تنہائی اور تصفیہ باطن کی فراست بغیر اس کے کہ جناب حق سبحانہ کا وصل حاصل ہو، تو یہ کشف صور کا اور ان مغیبات کے اخبار کا کشف ہے جو کہ حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں، چنانچہ ان کو صرف خلق کی طرف سے جزا ملتی ہے، اس لیے کہ یہ لوگ حق سبحانہ کی طرف سے محجوب ہیں لیکن اہل معرفت کا یہ حال نہیں ہے بلکہ ان کے اشغال ایسے ہوتے ہیں کہ حق سبحانہ کے معارف ان پر وارد ہوتے ہیں، چنانچہ ان کی خبریں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں اور چونکہ اکثر اہل علم اللہ تعالیٰ سے منقطع ہوتے ہیں اور دنیا میں مشغول ہوتے ہیں اس لیے ان کے دل کشف صور اور خبروں کی طرف مائل ہوتے ہیں جو کہ مخلوقات کے احوال سے پوشیدہ ہوتے ہیں چنانچہ ان لوگوں نے ان کی تعظیم کی اور اعتقاد کیا کہ یہی لوگ اہل اللہ اور اس کے مخصوص لوگوں میں سے ہیں اور اہل حقیقت کے کشف سے اعراض کیا اور

ان کو متہم کیا تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا بدلہ ملے گا اور ان لوگوں نے کہا کہ اگر یہ لوگ اہل حق ہوتے جیسا کہ دعویٰ کرتے ہیں تو ہمیں مخلوقات کے احوال کی خبر دیتے تو وہ کس طرح امور کے کشف پر قادر ہو سکتے ہیں، ان پر جن لوگوں نے ان کا مذاق اڑایا اور جن لوگوں نے ان کی تکذیب کی، یہ قیاس فاسد ہے اور صحیح خبریں ان پر پوشیدہ رہ گئیں ہیں اور ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو خلق کے لحاظ کرنے سے اور ان کو ماسوا سے بے پروا کرنے اور ابھارنے کی طرف سے ان کی حفاظت کی ہے، اگر یہ لوگ خلق کے احوال کی طرف متوجہ ہوتے تو حق سبحانہ وتعالیٰ کی صلاحیت نہ رکھتے، پس اہل حق خلق کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں، جس طرح اہل خلق حق تعالیٰ کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں اور ہم نے اہل حق کو دیکھا ہے کہ جب انہوں نے کشف صور کی طرف ادنیٰ التفات کیا تو انہوں نے اس کی وجہ سے ایسی چیز کا ادراک کیا کہ دوسرے لوگ فراست کی وجہ سے ان صور کے ادراک پر قادر نہیں ہیں، میں نے اس کا نام معرفت رکھا ہے اور یہ ان امور میں فراست ہے جو جناب حق سبحانہ اور اسکے قرب سے تعلق رکھنے والے ہیں، اور ﴿دنیا دار﴾ مسلمان، نصاریٰ، یہود اور دیگر جماعتیں اس میں شریک نہیں ہیں، اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شریف نہیں ہیں، اس لیے اس کے اہل ہی اس کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں۔

﴿مکاشفہ: 25﴾

دائرہ ظل کا افہام:

دائرہ ظل واجب تعالیٰ کے اسما و صفات ہیں، یہ مرتبہ تعینات خلائق کو متضمن ہے سوائے انبیا کرام اور ملائکہ عظام علیہم السلام کے اور ہر اسم کا ظل اشخاص میں سے کسی ایک کے تعین کا مبدا ہے اور یہ دائرہ ظل حقیقت میں اسما و صفات کے مرتبہ کی تفصیل ہے، مثلاً صفت علم ایک حقیقی صفت ہے کہ جزئیات اس صفت کے ظلال ﴿ظہورات﴾ ہیں جو کہ اجمال کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور ہر چیز اس حقیقت کا انبیا کرام اور ملائکہ عظام علیہم السلام کے علاوہ اشخاص میں سے ایک شخص ہے اور انبیا و ملائکہ علیہم السلام کے تعینات کے مبادی ان ظلال کے اصول ہیں، یعنی جزئیات مفصلہ کے کلیات ہیں، مثلاً صفت علم، صفت قدرت، صفت ارادہ وغیرہ اور اکثر اشخاص ایک صفت میں شرکت رکھتے ہیں مثلاً خاتم الرسل ﷺ کے تعین کا مبدا صفت علم ہے اور یہی ایک اعتبار سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعین کا مبدا ہے، نیز ایک اعتبار سے حضرت نوح علیہ السلام کے تعین کا مبدا ہے اور لوگوں نے جو کہا ہے کہ حقیقت محمدی ﷺ حضرت اجمال ہے اور عین اول جس کو وحدت کہا جاتا ہے اس دائرہ ظل کا مرکز ہے اور اسی دائرہ ظل کو مرکز اول کا تعین سمجھا ہے اور اس کے مرکز کو اجمال سمجھ کر وحدت کا نام دیا ہے اور اس مرکز کی تفصیل کو جو کہ دائرہ کا محیط ہے احدیت

گمان کیا ہے اور دائرہ ظل کے مقام فوق کو جو کہ اسماو صفات کا دائرہ ہے، ذات بے چون تصور کیا ہے کیونکہ صفت کو عین ذات کہا ہے اور زائد نہیں سمجھا ہے، حالانکہ حقیقت میں یہ دائرہ فوق کا مرکز ہے جو کہ اس کی اصل ہے اور ﴿اسکو﴾ دائرہ اسماو صفات کہا جاتا ہے اور حقیقت محمدی ﷺ اسی دائرہ اصل کا مرکز ہے اور اس مرکز کے ظل پر حقیقت کا اطلاق کرنا اصل کے ساتھ ظل کے اشتباہ پر مبنی ہے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مبداء تعین جو کہ انبیا کے بعد افضل البشر ہیں اور یہ دائرہ اسماو صفات کے لیے خاص کر دائرہ اصل ہے اور دوسرا دائرہ جو اس کے اوپر ہے اس اصل کی اصل ہے اور ایک قوس دوسرے دائرہ سے بھی اس کے اصول سے اور اس کے بعد پھر ظاہر نہیں ہوا، مگر اسی قدر قوس جس قدر کہ تصور کیا جا سکے، یہاں ایک راز ہوگا کہ اس پر اطلاع نہیں بخشی ہے اور یہ اصول حضرت ذات حق تعالیٰ وتقدس میں محض اعتبار ہے، جو کہ صفات زائد کا مبادی ہوا ہے اور جب سیر کو اس جگہ پہنچا دیا تو وہم ہوا کہ کام انجام تک پہنچا دیا ہوگا، ندا دی کہ یہ تفصیل جو تم نے گزاری اور دیکھی ﴿دراصل﴾ اسم ظاہر کی تفصیل تھی کہ وہ اڑنے کا ایک بازو ہے اور اسم باطن اب تک آگے ہے اور جب اس کو تفصیل کے ساتھ انجام کو پہنچائے گا تو اپنے اڑنے کے لیے دوسرا بازو تیار کر لیا ہوگا، چونکہ اللہ سبحانہ کی عنایت سے اسم باطن کا سیر انجام تک پہنچ گیا، اس لیے دوسرا بازو بھی مہیا ہو گیا اور مطلوب تک اڑنا میسر ہو گیا، اللہ کا شکر

ہے جس نے ہمیں اس کی ہدایت کی ، اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت نہیں دیتا تو ہم ہدایت نہیں پا سکتے تھے ، ہمارے پروردگار کے پیغمبر حق لے کر آئے ، اسم باطن کی سیر کے متعلق کیا لکھے کہ اس حال کے مناسب پوشیدگی اور راز داری ہی ہے اور بے ظن ہے ، اس مقام کے متعلق اس قدر ظاہر کیا جاتا ہے کہ اسم ظاہر کی تفصیل کی سیر صفات میں سیر ہے بغیر اس کے کہ ان کے ضمن میں ذات تعالیٰ وتقدس ملحوظ ہو اور اسم باطن کی سیر میں اگرچہ اسما کی سیر ہے لیکن ان کے ضمن میں ذات ملحوظ ہے ، اسما سیروں کے رنگ میں ہیں کہ ان کے ماوراء اللہ تعالیٰ کی ذات ملحوظ ہوتی ہے ، مثلاً علم میں ذات ملحوظ نہیں ہے اور اسم علیم میں ذات ملحوظ ہے علم کے پردے میں ، کیونکہ علیم وہ ذات ہے جس کو علم ہے ، پس علم میں سیر اسم ظاہر میں سیر ہے اور سیر فی العلیم اسم باطن میں سیر ہے ، اسی پر تمام صفات و اسما کو قیاس کرو ، یہ اسما جو کہ اسم باطن سے تعلق رکھتے ہیں ملائکہ کے مبادی تعینات ہیں ، اس فرق کو تھوڑا نہ خیال کرو اور یہ نہ کہو کہ علم سے علیم تک تھوڑی راہ ہے ، ہرگز نہیں ، جو فرق کہ خاک کے مرکز اور عرش کے درمیان ہے اسی فرق کے ساتھ ایک قطرہ کا حکم رکھتا ہے جو کہ دریائے محیط کے ساتھ اس کو نسبت ہے ، گفتگو میں تو نزدیک ہے لیکن حصول میں دور ہے ، یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے ، اسم ظاہر اور اسم باطن کے دو بازو کے حصول کے بعد جب پرواز واقع ہوئی اور عروجات میسر ہو گئے تو

معلوم ہوا کہ یہ ترقیات اصل میں ناری حصہ ہیں اور عنصر ہوائی اور عنصر آبی اور ملائکہ کرام ان ترقیات میں شریک ہیں کیونکہ ان عناصر سے حصہ رکھتے ہیں اور اس سیر کے دوران واقعہ میں دکھایا گیا ہے گویا میں ایک راہ پر چل رہا ہوں اور بہت زیادہ چلنے کی وجہ سے بہت تھک گیا ہوں وجوب کے لحاظ سے اور میں ایک عصار رکھتا ہوں کہ شاید اس کی مدد سے چل سکوں، ﴿لیکن﴾ میسر نہیں ہوتا تھا اور ہر خس و خاشاک میں ہاتھ ڈالتا ہوں کہ چلنے کی قوت حاصل ہو، میرے لیے چلنے کے سوا کوئی چارہ نہیں، جب ایک مدت تک میں نے اس حال میں سیر کیا تو ایک فنائے شہر ظاہر ہوا، اس فنا کے طے کرنے کے بعد اس شہر میں داخلہ واقع ہوا، معلوم کیا کہ یہ شہر تعین اول سے کنایہ ہے جو کہ اسما و صفات اور شیون و اعتبارات کے تمام مراتب کو جامع ہے، نیز ان مراتب کے اصول کو جامع ہے اور اصولِ اصول اعتبارات ذاتیہ کے منتہا کی انتہا ہے کہ ان کا اعتبار علم حصولی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، اس کے بعد اگر سیر واقع ہو تو علم حضوری کے مناسب ہے اور یہ تعین اول تمام ولایت کا منتہا ہے، خواہ ولایت کبریٰ ہو اور خواہ ولایت علیا ہو جو کہ ملاء اعلیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور جامع ہے تمام ولایت انبیا و ملائکہ کرام کو، اس مقام میں ملاحظہ ہوا کہ آیا یہ تعین اول شاید وہی حقیقت محمدی ﷺ ہے جو کہ مشائخ نے کہا ہے؟ معلوم ہوا کہ نہیں ہے اور حقیقت محمدی ﷺ دوسری ہے جو کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے، لہذا جو سیر کہ اس شہر

کے اوپر واقع ہوتی ہے کمالات نبوت میں سیر ہوگی جو کہ انبیا کو اصالۃً حاصل ہے اور اولیائے کاملین کو ان حضرات کی اتباع کی وجہ سے حاصل ہے اور ان کمالات سے خاک کے عنصر کے لیے کافی حصہ ہے اور تمام اجزائے انسانی خواہ عالم امر سے ہوں یا عالم خلق سے سب اس مقام میں اس پاک عنصر کے تابع ہیں اور مرتبہ خواص بشریہ کے لیے خواص ملک اس راہ سے حاصل ہوئے ہیں، اس لیے کہ عنصر ﴿خاک﴾ بشر کے ساتھ مخصوص ہے، اگرچہ عناصر اربعہ کے کمالات کمالات مطمئنہ سے اوپر ہیں جیسا کہ اس کی تحقیق کی جا چکی ہے، لیکن مطمئنہ اس مناسبت کے واسطے سے جو کہ اس ولایت کے مقام سے رکھتی ہے اور عالم امر سے ملحق ہے، صاحب سکر ہے اور مقام استغراق میں یقیناً مخالفت کی مجال اس میں نہ رہی ہے اور عناصر ﴿اربعہ﴾ کے لیے چونکہ مقام نبوت سے مناسبت زیادہ ہے اس لیے ان میں صحو غالب ہے، مجبوراً مخالفت کی صورت کو ان میں باقی رکھا ہے بعض منافع اور فوائد حاصل کرنے کے لیے جو کہ ان کے ساتھ متعلق ہیں۔

﴿مکاشفہ: 26﴾

دو خدشوں کا جواب:

برادر عزیز خواجہ محمد ہاشم کشمی نے پوچھا تھا کہ بعض فضلاء ان دو باتوں میں خدشہ رکھتے ہیں، ایک یہ کہ ہزار سال کے بعد حقیقت محمدی، حقیقت احمدی ہو جاتی

ہے اور عبارت کا تتمہ لکھا جو کہ اس فقرہ کے بعد واقع ہے اور دونوں اسم کا مسمّٰی متحقق ہو جاتا ہے، اس عبارت کو ملاحظہ کرنے کے بعد دیکھیں کہ وہ خدشہ باقی رہتا ہے یا نہیں، کیا چیز مانع ہے کہ ایک مسمّٰی اپنے ان دوناموں کے ساتھ جن سے دو کمالات مخصوصہ مراد ہیں یکے بعد دیگرے طویل زمانہ کے بعد متحقق ہو اور ایک کمال سے دوسرے کمال کی طرف ترقی کرے جو کہ بالقوہ اس میں موجود تھا، یہ فلاسفہ کا قول ہے کہ انہوں نے مجردات میں تمام کمالات کے بالفعل حاصل ہونے کا اعتبار کیا ہے اور قوت سے فعل کی طرف ترقی کو جائز نہیں قرار دیا ہے، یہ ان کی کوتاہ نظری کے باعث ہے، جس شخص کے دو دن برابر ہوں تو وہ خسارے میں ہے، اسی وجہ سے ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جن کا نزول آنجناب ﷺ کی بعثت کے ایک ہزار سال کے بعد ﴿کسی وقت﴾ ہوگا، آنحضرت ﷺ کو احمد کے نام سے یاد کیا ہے اور اپنی قوم کو آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کی بشارت اس نام سے دی ہے جو کہ اس اسم کی دولت کا زمانہ ہے، ورنہ اس غیر مشہور نام کو یاد کرنے کی کیا گنجائش تھی کہ ایک مخلوق اشتباہ میں پڑ جائے اور اسم سے مسمّٰی کی طرف راہ نہ پائے، نیز اس سے قیاس کرنا چاہیے کہ آنجناب ﷺ زمین پر محمد ﷺ ہیں اور آسمان پر احمد، کیونکہ کمالات محمدی ﷺ اہل زمین کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور کمالات احمدی ﷺ آسمان اور ملاء اعلیٰ سے اور جب آنجناب ﷺ کی رحلت کو ایک ہزار سال گزر جائے جس

مدت کو پورا دخل ہے اور امور کے تغیر وتبدل کے باعث آپ کو اہل زمین سے مناسبت کم رہے تو کمال احمدی طلوع کرے اور اس کمال کے علوم ومعارف کا ظہور فرمائیں تو خدشہ کیا ہے؟ اور تردد کیسا ہے جو کہ خدشہ میں بیان کیا ہے، جہاں کہ حقیقت ہے وہاں زمانہ نہیں ہے اور نہ تغیر وتبدل ہے، کہ یہ سوال پیدا کیا جائے کہ حقیقت سے کیا مراد ہے اور تغیر وتبدل سے کیا مطلوب ہے، قلب حقیقت نہیں ہے بلکہ حقیقت کا ایک کمال سے دوسرے کمال کی طرف تقلب ہے اور ایک رنگ سے دوسرے رنگ میں رنگنا ہے، اس بیان سے دو تشکیکات حل ہو گئے جو ظاہر کیے تھے کہ اس سے مراد اپنی حقیقت ہے ورنہ ہزار کی قید کیوں ہے اور کیوں کہا ہے کہ ہزار سال کی دعا قبول ہو گئی کیونکہ حقیقت احمدی ﷺ واقع ہو گئی اور ہزار سال کا فائدہ واضح ہو گیا، دوسرا خدشہ یہ ہے کہ اس صباحت وملاحت سے کیا مراد ہے کہ ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ اور حضرت خلیل الرحمٰن علیہ السلام اس کے جامع نہ تھے اور انہوں ﴿حضرت مجدد﴾ نے جمع کرایا، صباحت وملاحت سے وہی صباحت وملاحت مراد ہے جس کے متعلق آنجناب ﷺ نے فرمایا: ”میرے بھائی یوسف صبیح تھے اور میں ملیح ہوں“ ملاحت کو اپنے لیے ثابت کیا، جو کہ ان کے پدر کلاں خلیل الرحمٰن علیہ السلام سے ان کو پہنچی ہے، اگر ایک خادم خدمت گزاری کرے اور مشاطگی صاحب جمال کے حسن کو تازگی پہنچائے اور زینت بخشے اور زیب دار بنائے اور

خوبی کے ساتھ اپنی دلالت اور صاحب جمال کو جمع کرے اور ایک دوسرے کے حسن کو ایک دوسرے کے ساتھ ملائے تو ان دو صاحبان جمال کا کیا قصور ہے؟ اور شان خدمت گاری کے حسن میں کونسا نقص ہے؟ خادموں کا مخدوموں کی امداد کرنا مخدوموں کی عظمت شان کو ظاہر کرتا ہے اور ان کی ہیبت وجاہ کے کمال کی خبر دیتا ہے، جس مخدوم کے پاس خدام نہیں ہیں کہ اس کی خدمت کریں اور اس کی امداد و اعانت کریں وہ اس بادشاہ کی طرح ہے جس کے پاس خدم وحشم ہوں اور بغیر لشکر اور فوجیوں کے زندگی گزارتا ہے، امداد واعانت تمام لوگوں سے قصور ہے، لیکن خدم وحشم کی طرف سے کمال اور محمود ہے اور بصیرت چاہیے کہ تفریق کرے اور محمود کو مذموم سے جدا کرے، سبحان اللہ وبحمدہٖ، کچھ لوگ ایسے ہیں کہ ان میں سے کسی شخص کے ہزاروں ہنر ظاہر ہوں اور بظاہر ایک عیب بھی رکھتا ہو تو اس عیب کو پیش نظر رکھتے ہیں اور ہنروں کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور زبان ملامت دراز کرتے ہیں، وہ نہیں جانتے کہ وہ عیب بھی شاید ظاہر سے پھرا ہوا ہو اور دانشمندی پر مشتمل ہو، ایسے کلام جو کہ ظاہر سے پھرے ہوئے ہیں کتاب وسنت میں اور مشائخ طریقت کے کلام میں بہت زیادہ ہیں، اسلام میں یہ پہلا واقعہ نہیں ہے، اس قدر جاننا چاہیے کہ وہ شخص زندیق ہے جو کہ اپنے آپ کو نبی سے بہتر اور افضل سمجھے اور نبی کو بعض امور میں اپنا تابع سمجھے اور عبارتوں سے اس معنی کا وہم کرنا صاحب عبارت کے زندقہ کا حکم لگانا

ہے، حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ انصاف کرے ؎

رومی نے کوئی کفر کہا ہے نہ کہے گا
منکر نہ ہو اس سے کہ یہی کفر و بلا ہے

میں صاحب خدشہ کو محبّ سمجھتا تھا اور قبول کرنے والا خیال کرتا تھا، انکار کی صورت کہاں سے پیدا کی اور ایک دم عناد کی راہ اختیار کی، جو سوالات عناد و تعصب کی وجہ سے پیدا کیے ہیں وہ جواب کے مستحق نہیں ہیں اور معذرت کے مستوجب نہیں ہیں لیکن تم چونکہ متوسلوں میں سے ہو اس لیے اس کے جواب کے لیے لب کشائی کی گئی، اللہ سبحانہ صواب کا الہام کرنے والا ہے اور اس کی طرف مرجع اور لوٹنے کی جگہ ہے۔

……﴿مکاشفہ: 27﴾……

خلق عیال اللہ ہے:

اے مخدوم مکرم! حدیث قدسی میں آیا ہے کہ ”خلق میرے عیال ہیں“ جب مخلوقات اس کے عیال ہوں تو ان کے ساتھ احسان مولیٰ جل شانہ کی کس قدر خوشنودی کا سبب ہوگا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اعیال کے ساتھ احسان ہے اور منقول ہے کہ تمہارے جد بزرگوار حضرت شیخ قدس سرہ اس کمال شفقت و مہربانی کی بنا پر جو کہ ان کو مخلوقات پر تھی دعا، کرتے تھے کہ ”خدایا تو مجھ کو اس قدر بڑا اور جسیم بنادے کہ سارا

دوزخ مجھ سے اس طرح پر ہو جائے کہ کسی گنہگار کی اس میں گنجائش نہ ہو اور کسی گنہگار کو عذاب نہ دیا جائے'' اور بمصداق ''الولد سرٌ لابیہ'' حضرت شیخ کی اولاد کرام سے بھی یہی قسم متوقع ہے اور یقین جانیں کہ ان کا آنا فقرا کے لیے باعث سرور ہوا ہے، حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ آپ کو مسرور رکھے اور آبائے کرام کے طریقہ پر استقامت بخشے۔

……﴿مکاشفہ: 28﴾……

دنیا دار العمل ہے:

معلوم ہوا کہ یہ دار دار عمل ہے، فراغت و آسودگی کا گھر نہیں، چاہیے کہ اپنی ہمت کو اعمال میں پورے طور پر منہمک رکھیں اور اپنی فراغت اور عیش کو ایک طرف رکھیں، اپنی زبان کو ''لا الٰہ الا اللہ'' کے ذکر کے ساتھ اس قدر مصروف بنائیں کہ بے ضرورت اس کلمہ طیبہ کے سوا گفتگو نہ کریں، چاہیے کہ زبان سے ذکر دل کی موافقت کے ساتھ خفی طریقہ پر کیا جائے، اگر ہو سکے تو پانچ ہزار بار سے اس کلمہ کو کم نہ کہیں اور زیادتی میں انہیں اختیار ہے، کاہلی اور سستی نصیب دشمناں ہو، عمل کرنا چاہیے، عمل کرنا چاہیے۔

گھر میں اگر ہے کوئی تو ایک حرف بس ہے

...... ﴿مکاشفہ: 29﴾ ......

عالم آب وگل کی حقیقت:

شک نہیں ہے کہ عالم حق سبحانہ کا پیدا کیا ہوا ہے اور ثبات واستقرار رکھتا ہے اور ابدی معاملہ کا تعلق دائمی عذاب وثواب اخروی سے ہے جس کے متعلق مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے، اس عالم کو علمائے ظواہر موجود خارجی جانتے ہیں اور آثار خارجی سمجھتے ہیں اور صوفیہ عالم کو موہوم جانتے ہیں اور وہم وحس کے سوا اور کسی مرتبہ میں اس کا ثبوت واثبات نہیں کرتے ہیں، ایسا موہوم نہیں جو کہ محض وہم کے اختراع کے باعث ہوا ہو کہ وہم کے مرتفع ہونے سے وہ بھی مرتفع ہو جائے، ہرگز نہیں، بلکہ حق جل وعلا کی صنعت کی وجہ سے مضبوط اور مستحکم ہے، مرتبہ وہم میں ثبوت وتقرر پیدا کیا ہے اور موجود کا حکم اختیار کر لیا ہے، ان بزرگوں کے نزدیک خارج میں موجود صرف حق سبحانہ وتعالیٰ ہے اور عالم کا ثبوت صرف علم میں ہے اور خارج میں وہمی ثبوت وتقرر کے سوا اس کے حصے میں نہیں ہے لِلّٰـہ المثل الاعلیٰ ﴿اللہ کے لیے بلند مثال ہے﴾ اس موجود حقیقی جل شانہ اور اس موہوم خارجی کی مثال نقطہ جوالہ ہے اور دائرہ موہومہ جو کہ مرتبہ حس و وہم میں اس نقطہ کی تیزی رفتار کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اور وہم میں ایک ثبوت پیدا کیا ہے، پس حقیقت میں دائرہ کا ثبوت صرف وہم میں ہے، ورنہ موجود صرف وہی نقطہ ہے

ہے یہی اچھا کہ محبوبوں کا راز
یوں کہیں جیسے کہ ہے غیروں کی بات

چونکہ عالم جو اعراض مجتمہ ہے، ذاتیت اور جوہریت اس میں کائن نہیں ہے کہ اس کے ساتھ اعراض کا قیام ہو اور ذات موہوب کے ساتھ قیام ہو، عارف تام وہ معرفت دیتا ہے، اس کو ان پر مقدم بناتا ہے اور اس ذات موہوب کو بے چونی سے کوئی حصہ نہ ہوگا، جیسا کہ اس کی تحقیق دوسرے مکاتیب میں کی گئی ہے اور جب بے چونی سے حصہ پیدا کر کے دید و دانش سے باہر ہو گیا اور فہم و وہم سے خارج ہو گیا تو عقل سلیم جس قدر جستجو میں رہے اس سے کچھ حاصل نہ کرے، تیزی رفتار کے باوجود جس قدر بھی دور دور تک جائے کچھ بھی پتہ نہ پائے اور وراء الورا پائے، جوہریت اور امکان کے باوجود جوہریت اور امکان کا حکم اس میں مفقود ہے اور نیستی کے حکم کے علاوہ کوئی اور حکم قبول نہیں کرتا ہے۔

حدیث جامع الخیرات:

نوادر الاصول میں حضرت عبد الرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے بیان کیا: ”ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے، اس وقت ہم لوگ مدینہ مشرفہ کی مسجد میں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے آج رات عجیب بات دیکھی، میں نے اپنی امت میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ موت کا فرشتہ اس کی روح

قبض کرنے آیا تو والدین کے ساتھ اس کا حسن سلوک آیا اور اس فرشتے کو واپس کر دیا اور میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا کہ عذاب قبر اس پر پھیلا ہوا تھا تو اس کا وضو آیا اور اس عذاب کو اس سے دور کر دیا اور میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا کہ شیاطین نے اس کا احاطہ کر لیا تھا، اللہ کا ذکر آیا اور اس کو ان سے نجات دلائی اور میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا کہ عذاب کے فرشتے اس کو گھیرے ہوئے تھے تو اس کی نماز آئی اور ان کے ہاتھوں سے اس کو چھڑایا اور میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا، جب بھی حوض کے پاس آتا تو اسے روک دیا جاتا، اس کا روزہ آیا اور ﴿اس نے﴾ اسے پلایا اور سیراب کیا اور میں نے اپنی امت میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ انبیا حلقے بنا کر بیٹھے ہوئے تھے، جب بھی یہ شخص ان کے حلقوں کے پاس پہنچتا تو وہ بھگا دیا جاتا، اس کا غسل جنابت آیا اور اس کو پکڑ کر حلقے کے پاس بٹھا دیا اور میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے آگے تاریکی تھی، اس کے پیچھے تاریکی تھی، اس کے دائیں تاریکی تھی اور اس کے بائیں تاریکی تھی، اس کے اوپر تاریکی تھی اور اس کے نیچے تاریکی تھی تو اس کا حج اور عمرہ آیا اور اس کو نجات دلائی اور نور میں اسے داخل کیا یا فرمایا کہ ان دونوں نے اس کو نجات دلائی اور میں نے اپنی امت میں سے ایک شخص کو دیکھا جو مومنین سے کلام کرتا تھا لیکن وہ لوگ اس سے کلام نہیں کر رہے تھے تو صلہ رحم آیا اور کہا کہ اے مومنین کی

جماعت اس سے کلام کرو، تو ان لوگوں نے اس سے کلام کیا اور میں نے اپنی امت میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ اس حال میں کہ آگ اور اس کے شرارے اس کے سامنے بھڑک رہے تھے تو اس کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر آیا اور اس کو ان کے ہاتھوں سے چھڑایا اور ملائکہ رحمت کے ساتھ داخل کیا اور میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا جو اپنے گھٹنوں کے بل پڑا تھا، اس کے اور اللہ کے درمیان حجاب تھا، اس کا حسن خلق آیا اور اس کو اللہ کے سامنے پیش کر دیا اور میں نے اپنی امت میں سے ایک شخص کو دیکھا جس کا صحیفہ اس کے بائیں طرف گرا ہوا تھا، خوف الٰہی آیا اور اس کے صحیفہ کو لے کر اس کے دائیں ہاتھ میں ڈال دیا اور میں نے اپنی امت میں سے ایک شخص کو دیکھا جس کا میزان ہلکا تھا تو افراط نے آ کر اس کے میزان کو وزنی کر دیا اور میں نے اپنی امت میں سے ایک شخص کو دیکھا جو جہنم کے دہانے پر کھڑا تھا، اس کا حلم آیا اور اس کو اس سے نجات دلائی، پھر وہ گزر گیا اور میں نے اپنی امت میں سے ایک شخص کو آگ میں دیکھا تو اس کے وہ آنسو آئے جو آگ کے متعلق اللہ تعالیٰ کے خوف سے بہے تھے اور اس کو آگ سے نکلوایا اور میں نے اپنی امت میں سے ایک شخص کو دیکھا جو صراط پر کھڑا تھا اور شعلہ کی طرح کانپ رہا تھا تو اللہ کے ساتھ اس کا حسن ظن آیا اور اس کا کانپنا موقوف ہوا اور میں نے اپنی امت میں سے ایک شخص کو دیکھا کبھی گھسٹ کر چل رہا تھا اور کبھی گھٹنوں کے بل چل رہا تھا

تو اس کی نماز آئی اور اسے سیدھا کھڑا کیا تو وہ صراط پر گزر گیا اور میں نے اپنی امت میں سے ایک شخص کو دیکھا جو جنت کے دروازوں تک پہنچا تو دروزے اس کے سامنے بند کر دیئے گئے تو ''لا الہ الا اللہ'' کی شہادت آئی اور دروازے اس کے لیے کھول دیئے اور اس میں داخل کر دیا''۔

ان مکاشفات عینیہ کا جمع کرنے والا کہتا ہے کہ اس رسالہ کے تمام کرنے کے بعد چالیس احادیث آنحضرت ﴿مجدد الف ثانی﴾ قدس سرہ کے دستخط سے نظر آئیں جو بخاری اور مسلم کی متفق علیہ ہیں، اب تبرکاً اس رسالہ کا اختتام ان احادیث پر کیا گیا ہے، ان احادیث کے مصدر پر صلوٰۃ وسلام ہو۔

مے باقی و ماہتاب باقی
ما راز تو صد حساب باقی

......◉......

میلادِ مجدد اعظم قدس سرہٗ

دہر را مژدہ کہ وضعے دگرے پیدا شد
زشب تیرہ مبارک سحرے پیدا شد
آں چناں ابر عطا و کرم حق بارید!
گلشن فیض بدہر بام و درے پیدا شد
حسن ذات از رخ پر نور برافگند نقاب
عشق رقصید کہ صاحب نظرے پیدا شد
مژدہ اے اہل دل و مژدہ اے ارباب وفا
کہ مسیحا نفسے چارہ گرے پیدا شد
شعلہ زد عشق رسول از دم او در عالم
باز ازخاک فسردہ شررے پیدا شد
باز بنیاد شہنشاہی اسلام نہاد
خسرو بے کلہ و بے کمرے پیدا شد

حضرت محمد سلیم جان سلیم مجددی

☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اربعینِ مجددی

مرتب

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

حدیث: 1

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے بیان کیا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اعمال نیتوں سے ہیں اور آدمی کے لیے وہی ہے جس کی وہ نیت کرے، چنانچہ جس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لیے ہو تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہوگی اور جس کی ہجرت دنیا کی طرف ہو کہ اس کو حاصل کرے اور عورت کی طرف ہو کہ اس سے نکاح کرے تو اس کی ہجرت اسی کی طرف ہوگی جس کی خاطر ہجرت کرے" ﴿متفق الیہ﴾

حدیث: 2

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، اس بات کی شہادت کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا اور رمضان کا روزہ رکھنا" ﴿متفق الیہ﴾

حدیث: 3

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان کی ستر سے زیادہ شاخیں ہیں، جس میں افضل ”لا الہ الا اللہ“ کہنا ہے اور ادنیٰ راستے سے تکلیف دہ چیزوں کا ہٹانا ہے، حیا ایمان کی ایک شاخ ہے“ ﴿متفق الیہ﴾

حدیث: 4

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا، یہاں کہ میں اس کو اس کے باپ، بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں“ ﴿متفق الیہ﴾

حدیث: 5

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص میں یہ تین باتیں ہوں گی وہ ایمان کی مٹھاس پائے گا، وہ شخص جس کو اللہ اور اس کے رسول ان کے ماسوا سے محبوب ہوں اور جو کسی بندے سے صرف اللہ کے لیے محبت کرے اور جو شخص ایمان نصیب ہونے کے بعد کفر اختیار کرنے کو ایسا برا سمجھے جیسے کوئی آگ میں ڈالے جانے کو برا سمجھتا ہے“ ﴿متفق الیہ﴾

حدیث: 6

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کے پیچھے ایک دراز گوش پر سوار تھا، میرے اور آپ ﷺ کے درمیان صرف پالان کی لکڑی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: اے معاذ! تم جانتے ہو اللہ تعالیٰ کا حق بندوں پر کیا ہے؟ اور بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر کیا ہے؟ میں نے عرض کیا، اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ بندے اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں اور بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ جو اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائے اس کو عذاب نہ دے، میں نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ کیا میں لوگوں کو یہ خوشخبری نہ دے دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ان کو خوشخبری نہ دو، ایسا نہ ہو کہ وہ اس پر بھروسا کر بیٹھیں'' اور دیگر اعمال صالحہ سے غافل ہو جائیں ﴿متفق الیہ﴾

......﴿حدیث: 7﴾......

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اس کی بندی ﴿حضرت مریم علیہا السلام﴾ کے بیٹے ہیں، اس کا کلمہ ہیں جو کہ حضرت مریم علیہا السلام کی طرف القا کیا اور خدا کی روح ہیں اور یہ کہ جنت دوزخ حق ہیں تو اللہ تعالیٰ اس عمل کی بنا پر اس کو

جنت میں داخل کرے گا'' ﴿متفق الیہ﴾

۔۔۔۔۔۔ حدیث: 8 ۔۔۔۔۔۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات موبقات یعنی ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو، لوگوں نے پوچھا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیا ہیں ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، جادو کرنا، جان کا ناحق قتل کرنا جس کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جنگ کے دن پیٹھ دکھانا، پاک دامن غافل عورتوں کو متہم کرنا'' ﴿متفق الیہ﴾

۔۔۔۔۔۔ حدیث: 9 ۔۔۔۔۔۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری امت سے وسوسوں کو درگزر کر دیا ہے جو اس کے دل میں آئیں جب تک کہ ان پر عمل نہ کیا ہو یا زبان پر نہ لایا ہو'' ﴿متفق الیہ﴾

۔۔۔۔۔۔ حدیث: 10 ۔۔۔۔۔۔

حضرت سہیل بن سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ دوزخیوں کے عمل کرتا ہے حالانکہ وہ اہل جنت میں سے ہوتا ہے اور جنتیوں کے عمل کرتا ہے حالانکہ وہ اہل دوزخ میں سے ہوتا ہے، اعمال خاتمے

پر موقوف ہیں'' ﴿متفق الیہ﴾

﴿حدیث: 11﴾

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہمارے اس امر میں کوئی نئی بات پیدا کی جو اس میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے'' ﴿متفق الیہ﴾

﴿حدیث: 12﴾

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ جس سے خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے اور میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ دینے والا ہے'' ﴿متفق الیہ﴾

﴿حدیث: 13﴾

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا تو اس کے جسم سے حتیٰ کہ اس کے ناخن ﴿تک﴾ سے گناہ نکل گئے'' ﴿متفق الیہ﴾

﴿حدیث: 14﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کو حدث ہو جائے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی، یہاں تک کہ وہ وضو کرے'' ﴿متفق الیہ﴾

……﴿حدیث: 15﴾……

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ”جب رسول اللہ ﷺ بیت الخلا میں داخل ہوتے تو یہ پڑھتے ”اَللّٰھم اِنّي اَعوذُبِكَ مِنَ الخُبُثِ وَالخبائث“ ﴿متفق الیہ﴾

……﴿حدیث: 16﴾……

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر میں اپنی امت پر شاق نہ جانتا تو ان کو عشا میں تاخیر کا حکم دیتا اور ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا“ ﴿متفق الیہ﴾

……﴿حدیث: 17﴾……

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے ”رسول اللہ ﷺ جہاں تک ممکن ہوتا اپنے کاموں میں دائیں جانب سے ابتدا کرنے کو پسند کرتے تھے، طہارت میں، کنگھا کرنے میں، نعلین مبارک پہننے میں“ ﴿متفق الیہ﴾

……﴿حدیث: 18﴾……

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے ”جب رسول اللہ ﷺ جنابت کا غسل فرماتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوتے، پھر نماز کے وضو کی طرح وضو کرتے، پھر اپنی انگلیوں کو پانی میں داخل کرتے، اور اس سے اپنے بالوں کی جڑ

میں خلال کرتے، پھر اپنے سر پر تین چلو پانی اپنے دونوں ہاتھوں سے بہاتے، پھر اپنے سارے جسم پر پانی بہاتے'' ﴿متفق الیہ﴾

......﴿حدیث: 19﴾......

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے ''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنابت کی حالت میں ہوتے اور کھانا یا سونا چاہتے تو نمازوں کے وضو کی طرح وضو کرتے'' ﴿متفق الیہ﴾

......﴿حدیث: 20﴾......

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے لیے آئے تو چاہیے کہ غسل کرے'' ﴿متفق الیہ﴾

......﴿حدیث: 21﴾......

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بتاؤ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر ہو اور اس میں روزانہ پانچ بار غسل کرے تو کیا ﴿جسم پر﴾ کچھ میل کچیل باقی رہے گا؟ لوگوں نے عرض کیا، کچھ بھی میل کچیل "باقی نہ رہے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ نمازوں کا یہی حال ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے گناہوں کو مٹا دیتا ہے'' ﴿متفق الیہ﴾

......﴿حدیث: 22﴾......

حضرت ابن عمر ؓ سے مروی ہے ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کی نماز عصر فوت ہو جائے گویا اس کے اہل و مال تباہ ہو گئے“ ﴿متفق الیہ﴾

......﴿حدیث: 23﴾......

حضرت ابو موسیٰ ؓ سے مروی ہے ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے دو ٹھنڈی نمازیں پڑھیں وہ جنت میں داخل ہوا“ ﴿متفق الیہ﴾

......﴿حدیث: 24﴾......

حضرت ابن عمر ؓ سے مروی ہے ”رسول اللہ ﷺ سفر میں سواری پر نماز پڑھتے تھے، سواری کا رخ جدھر بھی ہوتا اور رات کی نماز سوائے فرائض کے اشارے سے پڑھتے تھے اور وتر سواری پر پڑھتے تھے“ ﴿متفق الیہ﴾

......﴿حدیث: 25﴾......

حضرت انس بن مالک ؓ سے مروی ہے ”رسول اللہ ﷺ نے دو چتکبرے دنبے قربان کیے، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے اپنے پاؤں ان دونوں کے پہلو پر رکھے، بسم اللہ اور تکبیر کہی، پھر دونوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور بسم اللہ اللہ اکبر کہہ رہے تھے“ ﴿متفق الیہ﴾

﴿حدیث: 26﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کا حق مسلمان پر پانچ ﴿طرح کا﴾ ہے ① سلام کرنا ② مریض کی عیادت کرنا ③ جنازوں کے پیچھے جانا ⑤ دعوت کا قبول کرنا ⑥ چھینک کا جواب دینا" ﴿متفق الیہ﴾

﴿حدیث: 27﴾

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کو جو کچھ تکان، مرض اور حزن وملال اور تکلیف وغم لاحق ہوتا ہے، یہاں تک کہ اگر کانٹا چبھ جانے کی وجہ سے بھی اس کو تکلیف ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اس کے گناہ معاف کرتا ہے" ﴿متفق الیہ﴾

﴿حدیث: 28﴾

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے کسی آدمی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ درد میں مبتلا نہیں دیکھا ہے" ﴿متفق الیہ﴾

﴿حدیث: 29﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شہدا پانچ ہیں ① طاعون میں مرنے والا ② ہیضہ میں مرنے والا ③ ڈوبنے والا ④ دب کر

مرنے والا ⑤ اللہ کی راہ میں شہید ہونے والا'' ﴿متفق الیہ﴾

......﴿حدیث: 30﴾......

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے ایک دن راہ خدا میں روزہ رکھا، اللہ اس کے چہرے کو چالیس خریف تک آگ سے دور رکھے گا'' ﴿متفق الیہ﴾

......﴿حدیث: 31﴾......

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہونا چاہے تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھ لے'' ﴿متفق الیہ﴾

......﴿حدیث: 32﴾......

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ اس کو دفن کر دینا ہے'' ﴿متفق الیہ﴾

......﴿حدیث: 33﴾......

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جماعت کی نماز تنہا نماز پر ستائیس درجے فضیلت رکھتی ہے'' ﴿متفق الیہ﴾

...... (حدیث: 34) ......

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے ''ایک ٹھنڈی اور ہوا دار رات میں اذان کہی گئی تو انہوں نے کہا، لوگو اپنے ٹھکانوں میں نماز پڑھو، پھر کہا کہ رسول اللہ ﷺ موذن کو حکم دیتے جب کہ رات سرد اور بارش ہونے والی ہوتی تو کہہ دیتے کہ اپنے ٹھکانوں میں نماز پڑھ لو'' (متفق الیہ)

...... (حدیث: 35) ......

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''نبی کریم ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو آپ ﷺ کے دونوں پاؤں ورم کر جاتے، کسی نے آپ ﷺ سے پوچھا، آپ ایسا کیوں کرتے ہیں جبکہ آپ سے اگلے پچھلے الزام دور کر دیئے گئے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں'' (متفق الیہ)

...... (حدیث: 36) ......

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو سب سے محبوب وہ عمل ہے جس پر دوام ہو اگرچہ قلیل کیا جائے'' (متفق الیہ)

...... (حدیث: 37) ......

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''مجھے میرے خلیل (دوست) نے تین باتوں کی وصیت کی، میں ان کو مرتے دم تک نہیں چھوڑوں گا، ہر مہینہ تین دن

روزے رکھنا، چاشت کی نماز اور وتر پڑھ کر سونا'' ﴿متفق الیہ﴾

﴿حدیث: 38﴾

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے مروی ہے ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن ان کے گھر تشریف لائے، پھر غسل کیا اور آٹھ رکعت نماز پڑھی، میں نے کوئی نماز اس سے ہلکی نہیں دیکھی، بجز اس کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع وسجود پورا کرتے تھے'' ﴿متفق الیہ﴾

﴿حدیث: 39﴾

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں نماز ظہر کی چار رکعتیں پڑھیں اور نماز عصر کی ذی الحلیفہ میں دو رکعتیں پڑھیں'' ﴿متفق الیہ﴾

﴿حدیث: 40﴾

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کون سا دن ہے جس میں یہ لوگ روزہ رکھتے ہیں، ان لوگوں نے جواب دیا کہ یہ ایک بڑا دن ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات دی اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق کر دیا، اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شکر کے طور پر یہ روزہ رکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم تم سے زیادہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق دار ہیں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھا اور اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا'' ﴿متفق الیہ﴾

……◉……

فضائل شیخین کی احادیث:

حدیث: 1

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے ”رسول اللہ ﷺ اپنے مرض وفات میں باہر تشریف لائے، اس وقت اپنے سر کو ایک کپڑے سے باندھے ہوئے تھے، پھر منبر پر بیٹھے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی، پھر فرمایا: لوگو ابوبکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ اپنی جان اور اپنے مال سے مجھ پر احسان کرنے والا کوئی نہیں، اگر میں لوگوں میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا، لیکن اسلام کی خلت اور دوستی افضل ہے، میری طرف سے ہر کھڑکی جو اس مسجد میں ہے بند کردو سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کھڑکی کے“۔

حدیث: 2

حضرت ابو دردا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ”نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تمہاری طرف بھیجا تو تم لوگوں نے جھٹلایا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا، یہ سچ کہتے ہیں اور اپنی جان و مال کے ذریعے میری ہمدردی کی تو کیا تم میرے لیے میرے ساتھی کو نہ چھوڑ دو گے؟ آپ ﷺ نے دو بار فرمایا“۔

حدیث: 3

عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ”جب رسول اللہ ﷺ پر علالت کی شدت ہوئی تو میں آپ ﷺ کے پاس چند آدمیوں کے ساتھ بیٹھا تھا، اتنے میں

حضرت بلال ؓ آپ ﷺ کو نماز کے لیے بلانے آئے، آپ ﷺ نے فرمایا کسی اور کو حکم دو کہ وہ نماز پڑھا دے، عبداللہ بن زمعہ ؓ باہر نکلے تو حضرت عمر بن خطاب ؓ ملے اور حضرت ابو بکر صدیق ؓ اس وقت موجود نہ تھے، میں نے عمر ؓ سے کہا کھڑے ہو جاؤ اور نماز پڑھاؤ، وہ آگے بڑھے اور تکبیر کہی، جب رسول اللہ ﷺ نے ان کی آواز سنی کہ، حضرت عمر ؓ ایک بلند آواز آدمی تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ابو بکر ؓ کہاں ہیں؟ اللہ اس کا انکار کرتا ہے اور مسلمان بھی اس کا انکار کرتے ہیں، پھر آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر ؓ کو بلا بھیجا، انہوں نے لوگوں کو نماز پڑھائی، وہی نماز حضرت عمر ؓ پڑھا چکے تھے، ایک روایت میں اتنا زیادہ ہے، جب نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر ؓ کی آواز سنی تو آپ ﷺ نکلے یہاں تک کہ اپنا سر اقدس حجرے سے باہر نکالا، پھر فرمایا: نہیں نہیں، ابن ابی قحافہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، یہ رسول اللہ ﷺ نے جلال سے فرمایا"۔

……حدیث: 4……

حضرت عروہ ؓ بیان کرتے ہیں "میں نے عقبہ بن ابی معیط کو دیکھا کہ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آیا، اس وقت آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، اس نے اپنی چادر رسول اللہ ﷺ کے گلے میں ڈال دی اور آپ ﷺ کا گلا بہت زور سے گھوٹنا شروع کر دیا، اتنے میں حضرت ابو بکر صدیق ؓ آ گئے، آ کر اس کو ہٹایا اور

کہا کہ تم ایسے شخص کو مارنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا ربّ اللہ تعالیٰ ہے اور میں تمہارے پروردگار کی طرف سے معجزے بھی لا چکا ہوں“۔

حدیث: 5

حضرت عمر فاروق ؓ سے مروی ہے ”ایک دن ان کے سامنے حضرت ابوبکر ؓ کا ذکر آیا تو وہ رو پڑے اور کہا کہ حضرت ابوبکر ؓ نے ایک دن اور ایک رات میں جو اعمال کیے ہیں، کاش اس دن اور اس رات کے اعمال کی مانند میرے سارے اعمال ہوتے، ان کی ایک رات کا عمل تو یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہجرت کی رات کو روانہ ہو کر غار ثور کی طرف چلے، جب غار کے پاس پہنچے تو رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، خدا کی قسم! آپ اس میں داخل نہ ہوں جب تک کہ میں اس میں داخل ہو کر نہ دیکھ لوں، اگر اس میں کوئی موذی چیز ہوئی تو اس کا ضرر صرف مجھ کو پہنچے گا، آپ محفوظ رہیں گے، چنانچہ وہ غار میں داخل ہوئے اور اس کو صاف کیا، پھر ان کو غار میں تین سوراخ نظر آئے، ایک سوراخ کو اپنا تہ بند پھاڑ کر اس کے ایک ٹکڑے سے بند کیا اور باقی دو سوراخوں میں اپنی ایڑیاں ڈال دیں، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، اندر تشریف لے آیئے، رسول اللہ ﷺ غار کے اندر تشریف لے آئے اور حضرت ابوبکر ؓ کی گود میں سر رکھ کر سو گئے، اسی حالت میں سوراخ کے اندر سے سانپ نے حضرت ابوبکر ؓ کے پاؤں میں کاٹ

لیا لیکن وہ اسی طرح بیٹھے رہے اور اس خیال سے حرکت نہ کی کہ کہیں رسول اللہ ﷺ کی آنکھ نہ کھل جائے لیکن شدتِ تکلیف سے ان کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے جو رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک پر گرے، آپ ﷺ کی آنکھ کھل گئی اور آپ ﷺ نے پوچھا ابو بکر کیا ہوا؟ انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان، مجھ کو سانپ نے ڈس لیا ہے، آپ ﷺ نے اپنا لعاب دہن ان کے پاؤں کے زخم پر لگا دیا اور ان کی تکلیف جاتی رہی، پھر ایک مدت کے بعد سانپ کے زہر نے رجوع کیا اور یہی زہر ان کی موت کا سبب بنا اور ان کے ایک دن کا عمل یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی تو عرب کے کچھ لوگ مرتد ہو گئے تو کہنے لگے کہ ہم زکوٰۃ نہ دیں گے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر لوگ مجھ کو اونٹ کی رسی دینے سے بھی انکار کریں گے تو میں ان سے جہاد کروں گا، میں نے کہا، اے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ لوگوں سے الفت و موافقت کیجئے اور نرمی سے کام لیجئے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایام جاہلیت میں تو تم بڑے سخت اور غضبناک تھے، کیا اسلام میں داخل ہو کر کمزور اور پست ہمت ہو گئے، وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے اور دین کامل ہو چکا ہے، کیا وہ کمزور ہو جائے گا جبکہ میں زندہ ہوں"۔

……⊙……

فضائل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ:

حدیث: 1

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا "اے لوگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے اچھے" حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا، اے عمر کیا! تم نے مجھے یہ بات کہی ہے، میں تم کو آگاہ کرتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ آفتاب کسی ایسے شخص پر طلوع نہیں ہوا جو عمر سے بہتر ہو"۔

حدیث: 2

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی کہ یا اللہ اسلام کو ابو جہل یا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ذریعے عزت عطا فرما! اس دعا کے بعد صبح کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا، اس کے بعد مسجد میں علانیہ نماز پڑھی"۔

حدیث: 3

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے حق کو عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر رکھا ہے اور وہ حق بات کہتا ہے"۔

﴿حدیث: 4﴾

حضرت عقبہ بن عامر ؓ سے مروی ہے ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ؓ ہوتا''۔

﴿حدیث: 5﴾

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی ہے ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے پہلی امتوں میں محدث تھے ﴿یعنی جن کو الہام ہوتا تھا﴾ بغیر اس کے کہ وہ نبی ہوں، اگر میری امت میں کوئی محدث ہوا تو وہ عمر ؓ ہوگا''۔

﴿حدیث: 6﴾

حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ سے مروی ہے ''جب سے حضرت عمر ؓ اسلام لائے تو ہم برابر غالب رہے''۔

﴿حدیث: 7﴾

حضرت انس ؓ سے مروی ہے ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں جنت میں داخل ہوا تو سونے کے ایک محل کے پاس پہنچا، میں نے پوچھا یہ کس کا ہے؟ تو فرشتوں نے بتایا، یہ قریش کے ایک جوان کا ہے، میں سمجھا کہ شاید میں ہی ہوں، میں نے پوچھا وہ کون ہے؟ فرشتوں نے بتایا، وہ عمر بن خطاب ؓ ہے''۔

حدیث مسلسل بالروایت:۔ ان پر رحم کرو جو زمین میں ہیں تو تم پر وہ رحم کرے گا جو آسمان میں ہے۔

......⊙......

......﴿قال الشیخ محمد امین الاربلی رحمۃ اللہ علیہ﴾......

وهو درة اكليل الاولياء العارفين وغرة جبين الاصفياء الغر المحجلين، ومرشد الا كملين، داعی الخلق بالحق الى الحق، القطب الاوحد، والعلم المفرد، الامام الربانی، مجدد الالف الثانی......ولقد خصه الله تعالىٰ بفضيلة نشر العلوم الدينية، والكشف عن اسرار العلوم اللدنية، وبيان مراتب الولاية والنبوة والرسالة، وكمالات اولى العزم و درجات الخلة والمحبة، واظهار اسرار الذات و الشوؤن الالهية، ولو لم يكن منها الا رتبة تجديد الالف الثانی لكفى۔

﴿تهذيب المواهب السرمدية فى اجلاء السادة النقشبنديه: ١٠٧ بيروت﴾

......⊙......

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اعتراف خدمات

مرتبہ

محمد اکرام مجددی اینڈ حافظ محمد بلال مجددی

فہرست مضامین

○ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی 586
○ ڈاکٹر حفیظ ملک 587
○ ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری 587
○ ڈاکٹر زبید احمد 588
○ پروفیسر عزیز احمد 588
○ ڈاکٹر شیخ اکرام 588
○ ڈاکٹر ظہور الحسن 589
○ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال 589
○ مولانا ابو الکلام آزاد 589
○ سید عروج احمد قادری 590
○ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان 590
○ سید انور علی ایڈووکیٹ 590
○ جمیل اطہر سرہندی 591
○ پروفیسر شیخ انیس احمد 591
○ ڈاکٹر سرفراز احمد نعیمی 592

○ پروفیسر محمد اسلم 592
○ ڈاکٹر اقبال سرہندی 593
○ سید محمد فاروق القادری 594
○ غلام صابر قدیری سندیلوی 594
○ شخصیات کا انسائیکلو پیڈیا 594
○ اردو دائرہ معارف اسلامیہ 595
○ پروفیسر شیخ محمد رفیق 596
○ ڈاکٹر محمود حسین 598
○ مولانا محمد ہاشم جان سرہندی 598
○ پروفیسر محمد حسین آسی 599
○ ڈاکٹر ہمایوں عباس شمس 600

○

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی ﷫ کی اکبری ضلالت و گمراہی کے خلاف تحریک کوئی ایسی ڈھکی چھپی بات نہیں جو مورخین کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی ہو، یہ ایک اظہر من الشّمس کارنامہ ہے اور ”درویشانہ عزیمت“ ہے اور حاکم وقت کے خلاف کلمہ حق کہنا ہے جسے حدیث شریف میں ”افضل الجہاد“ کہا گیا ہے یہ اس منصب کا تقاضا بھی تھا جس پر شیخ سرہند فائز تھے، اگر اس تحریک حق آگاہی وحق پرستی کے علاوہ کچھ اور کیا جاتا تو منصب سے ناانصافی ہو جاتی، متعدد مورخین نے حضرت امام الہند کی اکبر و جہانگیر کی کفریہ و فاسقانہ روایات و اعتقادات کے خلاف اقدامات اور دین محمدی کی روشن تعلیمات کے احیاء کا ذکر کیا ہے:

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی:

”جہانگیر کی تخت نشینی کے بعد دین الٰہی اپنی موت آپ مر گیا ...... بہر کیف اس الحاد وارتداد کے خلاف جو زوردار آواز اٹھائی گئی وہ شیخ احمد ﴿سرہندی﴾ کی آواز تھی جن کو حضرت مجدد الف

ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے‘‘ (A Short History of Indo-Pakistan) ’’شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ آگے آئے، آپ کی مسلسل کوششوں سے تحریک احیائے دین کا آغاز ہوا چنانچہ اس انقلاب وتبدیلی کے نتیجے میں سیاسی سطح پر جو کوششیں کی گئیں وہ اکبر، جہانگیر، شاہ جہان اور اورنگ زیب عالمگیر کے درباروں کی بدلتی فضا میں مطالعہ کی جا سکتی ہیں‘‘ ﴿مقدمہ ہسٹری آف دی فریڈیم موومنٹ جلد اول﴾

ڈاکٹر حفیظ ملک:

’’فی الحقیقت آنے والی نسل کو شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بے حد متاثر کیا، ان کا نعرہ تھا ’’چلو چلو محمد مصطفےٰ ﷺ کی طرف چلو‘‘ ...... مذہبی اور سیاسی حیثیتوں سے یہ نعرہ نہایت ہی دوررس نتائج کا حامل ہوا...... ان کی تعلیمات نے معاصر ﴿اکبری و جہانگیری دور کی﴾ فکر مسلم کو لادینی بنانے کی مخالفت کی۔‘‘ (Muslim Nationalism in India and Pakistan)

ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری:

’’ایک بزرگ نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کو افیون سے تعبیر کیا ہے اور یہ خیال نہیں فرمایا کہ جو کام وہ تیس چالیس

برس میں نہ کر سکے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے وہ کام چند برسوں میں کر دیا اور آنے والی صدیوں کو اتنا متاثر کیا کہ ہر مصلح کسی نہ کسی انداز میں متاثر نظر آتا ہے'' ﴿مجدد ہزارہ دوم ۳۹۰﴾

ڈاکٹر زبید احمد:

''شیخ احمد سرہندی کو بجا طور پر مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کہا جاتا ہے کیونکہ آپ نے دوسرے ہزارے کے مسلمانوں میں ایک نئی روح پھونکی اور نہایت کامیابی کے ساتھ اکبر اعظم کی ملحدانہ سرگرمیوں کا مقابلہ کیا''۔ ﴿دی کنٹری بیوشن آف انڈیا ٹو عربیک لٹریچر﴾

پروفیسر عزیز احمد:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی نگارشات اور آپ کے اثرات نے ہندوستان میں اسلام کے انتشار اور الحاد کو روکا، آپ نے مذہب کی حرکیت اور تصوف کی باطنی قوت کو دوبارہ مجتمع کیا…… اسلامی ہند میں مذہبی متصوفانہ فکر اسلامی کے سلسلے میں آپ کی خدمات نہایت ہی نمایاں اور ممتاز ہیں''۔ ﴿اسٹیڈیز ان اسلامک کلچر﴾

ڈاکٹر شیخ محمد اکرام:

''بلا شبہ یہ کہنا زیادہ غلط نہ ہوگا کہ دور اکبری سے لے کر دور عالمگیری تک حکومت کی مذہبی پالیسیوں میں جو نشیب و فراز آتے

رہے وہ بڑی حد تک حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کی تعلیمات ہی کی وجہ سے آئے''۔ ﴿مسلم سویلائزیشن ان انڈیا اینڈ پاکستان﴾

ڈاکٹر ظہور الحسن شارب:

''اکبر کے دینی عقائد سے آپ کو بنیادی اختلاف تھا، جہانگیر کو ﴿مخلوق میں﴾ آپ کا بڑھتا ہوا اقتدار اور اثر پسند نہ آتا تھا''۔ ﴿تذکرۃ اولیائے پاک وہند﴾

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال:

اقبال اپنی نظم ''پنجاب کے پیرزادوں سے'' میں کہتے ہیں ؎

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمئ احرار
وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان!
اللہ نے بر وقت کیا جس کو خبردار!

مولانا ابوالکلام آزاد:

''شہنشاہ اکبر کے عہد کے اختتام اور عہد جہانگیری کے اوائل میں ہندوستان علما و مشائخ حق سے بالکل خالی ہو گیا تھا کیسے کیسے اکابر موجود تھے لیکن مفاسد وقت اور اصلاح وتجدید کا معاملہ کسی سے بھی بن نہ آیا، صرف حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا وجود گرامی ہی ''تن تنہا'' اس کاروبار کا کفیل ہوا''۔ ﴿تذکرہ صفحہ ۲۳۸﴾

سید عروج احمد قادری:

''امام ربانی قدس سرہ کا مجاہدانہ کارنامہ اقامت سنت اور ردِّ بدعت ہے، اس بے انتہا شغف اسلام کے ساتھ ان کی پر جوش محبت، ان کی حق پرستی و حق دوستی اور ان کا تقویٰ و طہارت اپنی جگہ آفتاب کی طرح روشن اور ثابت ہے''۔ ﴿تذکرہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی﴾

ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان:

''ایسے حالات میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے خان خاناں، صدر جہان، خان اعظم، مہابت خان، تربیت خان، اسلام خان، دریا خان، سکندر خان، مرتضٰی خان جیسے امراء کو اپنے حلقہ ارادت میں داخل کر کے بادشاہ کی توجہ دین کی طرف مبذول کرانے کی کوشش کی، جہانگیر نہ صرف خود معتقد ہوا بلکہ اپنے بیٹے خرم کو حضرت سے بیعت کرایا، سجدہ تعظیمی موقوف ہوا، گائے کا ذبیحہ پھر شروع ہوا، جو مسجدیں منہدم ہوگئی تھیں دوبارہ تعمیر ﴿آباد﴾ ہوئیں اور جس قدر خلاف شرع قوانین رائج تھے سب منسوخ ہوئے''۔ ﴿شیخ سرہند صفحہ نمبر ۱۰۰﴾

سید انور علی ایڈووکیٹ:

''اکبر دور کی بے راہروی اور بے دینی کے خلاف جدوجہد میں

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی علمی اور عملی دونوں قوتوں کو بروئے کار لا کر احیائے دین کا ایسا کارنامہ انجام دیا جو رہتی دنیا تک یادگار رہے گا، رفتہ رفتہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کا اثر مسلمانوں میں احیائے دین کی صورت میں نمودار ہوا اور اکبر کا دین الٰہی بھی خود اپنی موت آپ مر گیا۔ ﴿شیخ سرہند صفحہ نمبر ۱۳۶﴾

جمیل اطہر سرہندی:

اس وقت ہندوستان میں دین اسلام کو بے شمار مسائل اور مشکلات کا سامنا تھا، اسلام کی تعلیمات پر ہندو دھرم کے اثرات ہویدا ہونے لگے تھے اور اسلام کے اصل چہرے کو ہندو مت کی دھند نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، اور یہ محسوس کیا جانے لگا تھا کہ اہل اسلام کو اسلام کی اصل تصویر سے ناآشنا کر دیا جائیگا، اکبر کا دین الٰہی بھی اپنا کام دکھانے لگا تھا، حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام فتنوں کے خلاف مسلمانوں کو شعور اور آگہی عطا کی”۔ ﴿شیخ سرہند صفحہ نمبر ۲۲﴾

پروفیسر شیخ انیس احمد:

“امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے جس پامردی اور اولوالعزمی کے ساتھ فتنہ اکبری اور دین الٰہی اور فتنہ

جہانگیری کا مقابلہ کیا تاریخ کے اوراق اس پر شاہد ہیں''۔

﴿شیخ سرہند صفحہ نمبر ۱۵۸﴾

ڈاکٹر سرفراز احمد نعیمی:

''صوفی فضل دین کے اشعار آپ نے منقبت شیخ سرہند میں حوالہ کے طور پیش کئے ہیں جو حضرت مجدد کی خدمات ''ردفتنہ اکبری'' اور ''دفع فساد جہانگیری'' پر دال ہیں، ان میں سے دو شعر اس طرح ہیں ؎

بجھا کے دین الٰہی کی ظلمتوں کا چراغ
فریب کفر پہ خنداں ہیں شیخ سرہندی
سیاہ خانہ اکبر کا سحر توڑ دیا
وہ آفتاب درخشاں ہیں شیخ سرہندی

پروفیسر محمد اسلم:

''اکبر کے آخری ایام زندگی میں اس کے حواریوں میں سے…… ایک ایک کر کے راہی ملک بقا ہوئے تو ان کے مرنے سے شاہی دربار میں جو خلا پیدا ہوا اسے پر کرنے کیلئے راسخ العقیدہ امراء آگئے، ان امراء نے دربار میں اپنی ایک جماعت قائم کر لی جسے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ''جرگہ ممدان دولت اسلام'' کے نام

سے یاد کرتے ہیں، ان امراء کی کوشش اور ہمت سے اسلام کو کافی حد تک تقویت پہنچی……شاہی دربار سے باہر حضرت خواجہ باقی باللہ اور حضرت مجدد الف ثانی تحریک احیائے دین کے روح رواں تھے، یہ دونوں بزرگ ان امراء کو بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنے اور ترویج شریعت کیلئے کوشش کرنے کی ترغیب دلاتے رہتے تھے…… ……جہانگیر کی تخت نشینی سے گو اسلام کو سنبھالا مل گیا لیکن اکبر کا لگایا ہوا زخم اتنا کاری تھا کہ وہ اتنی جلدی مندمل نہیں ہوسکتا تھا، اس کام کیلئے کسی مرد حق کی ضرورت دی۔

آخر آمد آن یارے کہ ما می خواستیم

اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ کام حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے لیا اور ان کی اصلاحی تحریک سے اسلام کو ہندوستان میں صحیح مقام مل گیا“

﴿دین الٰہی اور اس کا پس منظر صفحہ نمبر ۲۴۰-۲۴۲﴾

ڈاکٹر اقبال سرہندی:

نے اپنے اشعار میں خدمات شیخ سرہند بر دفع ”فتنہ اکبر و جہانگیر“ در ہند کا حوالہ اس طرح دیا ہے۔

آ پڑے تھے منہ کے بل سب اکبری لات و منات
جب سنائی اپنی لے میں حمد باری آپ نے

کر کے خم سیدھا جہانگیری کلاہ کا فقر سے
دور کی اہل دول کی شرم ساری آپ نے

سید محمد فاروق القادری:

''احیائے سنت کے سلسلے میں آپ ﴿مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ﴾ نے بے مثال کارنامے انجام دیئے، اکبر کے دین الٰہی اور جہانگیر کی غیر اسلامی رسوم کے خلاف یہ مرد خدا علیٰ الاعلان ڈٹ گیا''۔

﴿انفاس العارفین اردو ترجمہ فٹ نوٹ صفحہ نمبر ۴۵﴾

غلام صابر قدیری سندیلوی:

اپنے منظوم کلام میں خدمات شیخ پر یوں خامہ فرسائی فرماتے ہیں:

فتنہ دین الٰہی ہوا پامال و تباہ
دشمن دین محمد ہوا خوار سرہند
شاہ سرہند نے فرمایا قصور اس کا معاف
اور جہانگیر ہوا آکے نثار سر ہند

شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا:

﴿مضمون مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ﴾ اکبر کے عہد میں مسلمانوں میں ایک فرقہ پیدا ہو گیا تھا جس کا نظریہ تھا کہ اسلام کی تعلیم صرف ایک ہزار سال تک کیلئے تھی لہذا ہزار سال پورے ہو چکے ہیں، اب اس

﴿اسلام﴾ کی ضرورت نہیں ہے، شیخ احمد سرہندی نے اس عقیدے کا بطلان کیا، ہزاروں مسلمانوں کو گمراہی سے نکال کر صراط مستقیم پر لا کھڑا کیا، اسلام کی تعلیم کو از سر نو زندہ کیا...... اس لئے آپ کو مجدد الف ثانی کے نام سے پکارا گیا، یعنی ہزار سال کا مجدد ﴿پرانے کو نیا کرنے والا﴾ آپ اس لقب سے مشہور ہیں، ﴿یہی عبارت فیروز سنز انسائیکلو پیڈیا عنوان مجدد الف ثانی میں بھی نقل ہوئی ہے﴾

اردو دائرہ معارف اسلامیہ:

اس میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اکبری فتنہ کے ضمن میں تحریکی کردار کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

> "اکبری عہد کی بے اعتدالیوں نے سلطنت مغلیہ کی اسلامی حیثیت کو جس طرح مسخ کر رکھا تھا اور ملک بھر میں کچھ تو عجمی تصوف اور کچھ بھگتی تحریک کے زیر اثر جو ملحدانہ خیالات اور تحریکات پھیل رہی تھیں ان کے ازالہ میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی مساعی فیصلہ کن ثابت ہوئیں، یہی وجہ ہے کہ جن حضرات کو اس امر میں شبہ ہے کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت کا ایک رخ سیاسی تھا وہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام اور ہندو مذہب کی آمیزش کا وہ عمل جو سیاست، معاشرت اور تہذیب وتمدن میں جاری تھا حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ ہی کی

کوششوں سے رکا''۔ ﴿جلد دوم صفحہ نمبر ۱۲۸﴾

پروفیسر شیخ محمد رفیق:

''حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں اکبر نے ''توحید الٰہی'' کے نام سے اسلام، ہندومت، جین مت اور مجوسیت کا ایک ملغوبہ تیار کیا، آپ ﴿حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ﴾ نے ابو الفضل اور فیضی کے ساتھ طویل بحثیں کر کے انہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کی لیکن وہ قبول ہدایت کیلئے تیار نہ ہوئے اور برصغیر میں بے دینی کا زہر سرکاری سرپرستی میں پھیلنے لگا، آپ ﴿حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ﴾ نے اس کا سدباب کرنے کیلئے مندرجہ ذیل ذرائع اختیار کئے:

⊙ ......اپنے حلقۂ بیعت کو وسیع کیا، لوگوں کے اعقاد درست کرائے، ذکر الٰہی سے ان کے قلب زندہ کئے اور آپ نے تبلیغ اسلام کیلئے باقاعدہ منظم کام کیا اور ہندوستان سے باہر بھی تبلیغی وفود بھیجے، یہ گویا کارکن سازی کا مرحلہ تھا۔

⊙ ......آپ نے علما اور سنجیدہ لوگوں کے نام خطوط لکھے اور ان کی ذہنی الجھنوں کو دور کر کے اسلام کا صحیح شعور دیا، آپ نے انہیں بے دینی کا مقابلہ کرنے پر اکسایا اور علمائے حق کے اتحاد پر زور دیا۔

⊙ ......آپ نے دربار شاہی میں اثر ورسوخ حاصل کرنے کیلئے

امرا کے نام مکتوب لکھے اور انہیں اسلام کے احیاء پر آمادہ کیا، آپ نے اس حقیقت کو پالیا تھا کہ مغل شہنشاہیت کی پالیسی صرف امرا سے متاثر ہوتی ہے چنانچہ آپ کے حلقہ اثر میں عبدالرحیم خان خاناں، صدر جہان، خان جہان لودھی، اسلام خان، مرتضٰی خان ﴿شیخ فرید﴾، سکندر خان، دریا خان، مہابت خان، قلیج خان اور خان اعظم مرزا عزیز کوکلتاش شامل تھے۔

⊙ ……آپ نے جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنے کا حق ادا کر دیا، آپ نے اکبر کے ایک امیر کو لکھا ''بادشاہ اللہ اور اس کے رسول کا باغی ہو گیا ہے، جاؤ میری طرف سے اسے کہہ دو کہ اسکی بادشاہی کی طاقت اسکی فوج سب کچھ ایک دن مٹ جانے والی ہے، وہ توبہ کرے اور خدا اور رسول کا تابعدار رہے ورنہ اللہ کے غضب کا انتظار کرے''

⊙ ……''اکبر کے عہد حکومت کے آخری ایام میں آپ نے اپنے زیر اثر امرا کے ذریعے اکثر صوبوں میں اسلامی قانون بحال کروایا اور دین پر ظالمانہ پابندیوں کا خاتمہ کروایا''۔

⊙ ……''جب اکبر کی موت کا وقت آیا تو خانخاناں اور شیخ فرید کے ذریعے خسرو کی بجائے جہانگیر کو جانشین نامزد کروایا اور اس سے اسلامی قانون کی بحالی کا عہد لیا، خسرو اپنے دادا اکبر کے مذہبی

خیالات کا حامی تھا اور جہانگیر کم از کم عقائد کے اعتبار سے مسلمان تھا، جہانگیر کے ابتدائی احکام میں اسلام کے نفاذ کا وعدہ اور دین الٰہی کی بساط لپیٹ دینا اسی وجہ سے ممکن ہوا...... دین الٰہی کی گمراہیوں کے خلاف آپ نے کامیابی سے جہاد کیا، اکبر جیسے مذہب سے بیزار بادشاہ کا بیٹا جہانگیر اسلامی احکام کے احیاء کیلئے آپ ہی کے فیض سے کوشاں ہوا۔" ﴿تاریخ پاکستان صفحہ: ۳۵﴾

ڈاکٹر محمود حسین:

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی ؒ ان بزرگوں میں خاص حیثیت رکھتے ہیں جنہوں نے اس برعظیم میں اسلام کے احیا اور اس کی سیاسی سربلندی کے لیے عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں، واقعہ یہ ہے کہ جہانگیر کے زمانے سے لے کر اب تک جو بھی اسلامی مفکر اس برعظیم میں پیدا ہوئے اور جتنی بھی اسلامی تحریکیں یہاں اٹھیں ان کا رشتہ کسی نہ کسی صورت میں حضرت مجدد الف ثانی ؒ کے کام سے مسلم ہے، شاہ جہان کی اسلام دوستی، عالم گیر کی حکمت عملی، حضرت شاہ ولی اللہ کا فلسفہ ﴿علامہ اقبال کی شاعری﴾ اور خود تحریک پاکستان کی کڑیاں حضرت مجدد الف ثانی ؒ کی تعلیمات سے جا ملتی ہیں۔ ﴿تقریب سیرت امام ربانی: ۳۶﴾

مولانا محمد ہاشم جان سرہندی:

قرب الٰہی اور ولایت، علم و عرفان، زہد و تقویٰ، جہاد و مجاہدات، تبلیغ دین،

اصلاح مسلمین، ان سارے فضائل وکمالات میں اگر اولیاء اللہ ومقربین وواصلین، علماوعرفا، زہاد ومتقین، مجاہدین ومبلغین ومصلحین کو بنظر تحقیق دیکھیں گے تو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ ہر طبقے میں افضل واعلیٰ وارفع نظر آئیں گے اور نہ صرف یہ بلکہ ہر صنف کمال میں اکمل ہونے کے ساتھ بیک وقت ساری خوبیوں کے جامع بھی ہیں، اسی بناپر آپ کے سر اقدس پر تجدید الف ثانی کا تاج رکھا گیا اور اسی وجہ سے آپ خلعت قیومیت سے نوازے گئے، جو کہ ولایت میں سب سے اونچا مقام ہے، انہی صفات وکمالات مافوق العادت کو دیکھ کر حضرت خواجہ وحدت گل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

نگیں گشت در حلقۂ اولیا
چوں در انبیا خاتم الانبیا

اور یہ حقیقت قابل توجہ ہے کہ قبائے تجدید آپکے قامت اقدس پر کچھ اس طرح موزوں ہوئی ہے کہ جب مجدد کہا جاتا ہے تو فوراً ذہن آپکی کی طرف منعطف ہوجاتا ہے اور کوئی دوسری شخصیت ذہن میں نہیں آتی بلکہ امت مسلمہ آپ کو مجدد ہی کے لقب سے جانتی ہے، بہت کم لوگ آپ کے اسم گرامی سے واقف ہیں، یہ بات کسی دوسرے مجدد کے لیے نہیں کہی جاسکتی، گویا حضرت مجدد کے مجدد ہونے پر اجماع امت ہے۔ ﴿تقدیم سیرت امام ربانی:۳۸﴾

پروفیسر محمد حسین آسی:

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے تجدیدی کارنامے اس قدر

نمایاں ہیں کہ تاریخ کا کوئی منصف مزاج طالب علم انکار کی جرأت نہیں کر سکتا، قادر کریم جل شانہ نے آپ کے دائرہ فیض کو محض ایک سو سال تک محدود نہیں رکھا بلکہ دوسرے ہزار سال کی ابتدا میں جلوہ گر کر کے پورے دوسرے ہزار سال تک آپ کے دور تجدید کو پھیلا دیا، آپ کے پائے کا مجدد جسے مجدد الف ثالث کہا جائے گا آج سے تقریباً چھ سو سال بعد اکیسویں صدی ہجری کی ابتدا میں ظاہر ہو گا، اس وقت تک سو سال والے نئے نئے مجدد آتے رہیں گے۔ ﴿مجددیت وقیومیت:۹﴾

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء والمرسلین و علیٰ آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین

……◉……

﴿ڈاکٹر ہمایوں عباس شمس﴾

امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار امت کے ان اساطین میں ہوتا ہے جنہوں نے علمی و فکری اور عملی و تحریکی حوالے سے امت کی نہایت ہی نازک وقت میں راہنمائی فرمائی اور فکر اسلامی کی پاسداری کا فریضہ انجام دیا۔ ﴿مقدمہ چہل حدیث:۴﴾

☆☆☆

جلوۂ سیرت قدرت

رسائل بارہ میلادِ مصطفیٰ

چار زندہ نبی

سیرت غوث اعظم

جہانِ انبیاء

راہنمائے نقابت

مکاشفۃ القلوب

خطبات مجددیہ

خطبات نورانی

نورانی حکایات

شانِ حبیب الباری

قبروں کے حالات

غنیۃ الطالبین

مسلمان کا عقیدہ

تواریخ حبیب الٰہ

تاریخ گوجراں

تذکرۃ الاولیاء

سفرِ آخرت اور ہماری ذمہ داریاں

تحفۃ القادریہ

سیدنا صدیق اکبر

خزینۂ نعت

جہانِ اولیاء

سرالاسرار

قبول اسلام کے واقعات

کشف المحجوب

شاہانِ گوجر

غنیۃ الطالبین

انوار مبین

حدائقِ بخشش

جنابِ رسول اللہ کی نماز

تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبدالقادر

تحفہ حنفیہ

سیرت حضور مجدد اعظم

معجزات رسول کریم

عامل بنانے والی کتاب

نماز کے احکام

نزہۃ المجالس

اعمالِ بہشت

[illegible]

شانِ حبیب المنعم روایات المسلم

آدابِ رسول

سیرت مصطفیٰ

جنتی زیور

مولانا حافظ
خان محمد قادری
کی تقریریں

کردار یزید

امام احمد رضا اور عشق مصطفےٰ

قادری رضوی کتب خانہ

042-7213575

کیا آپ جانتے ہیں؟

فتوح الغیب